بسم الله الرحمن الرحيم

فَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يَهۡدِيَهُۥ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهُۥ
لِلۡإِسۡلَٰمِۖ وَمَن يُرِدۡ أَن يُضِلَّهُۥ يَجۡعَلۡ صَدۡرَهُۥ ضَيِّقًا حَرَجٗا
كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي ٱلسَّمَآءِۚ كَذَٰلِكَ يَجۡعَلُ ٱللَّهُ ٱلرِّجۡسَ
عَلَى ٱلَّذِينَ لَا يُؤۡمِنُونَ ١٢٥ وَهَٰذَا صِرَٰطُ رَبِّكَ

ترجمہ:

پس خدا جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو گمراہی میں چھوڑنا چاہتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ اور دشوار کر دیتا ہے جیسے آسمان کی طرف بلند ہو رہا ہو، وہ اسی طرح بے ایمانوں پر ان کی کثافت کو مسلط کر دیتا ہے۔ اور یہی تمہارے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے آیات کو مفصل طور پر بیان کر دیا ہے۔

(سورہ انعام: آیات ۱۲۵، ۱۲۶)

راہ اسلام

اسلامی علوم ومعارف اور علمی وثقافتی افکار وعقائد کا ترجمان

شمارہ:- ۲۱۲-اپریل تا جون ۲۰۰۹ء

خصوصی شمارہ امام خمینیؒ
(۲۰ ویں برسی کے موقع پر)

خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، ۱۸، تلک مارگ، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۱
فون : ۳۴، ۳۳، ۲۳۳۸۳۲۳۲،فیکس : ۲۳۳۸۷۵۴۷
newdelhi@icro.ir
http://newdelhi.icro.ir

راہِ اسلام

شمارہ:- ۲۱۲-اپریل تا جون ۲۰۰۹ء

چیف ایڈیٹر: ڈاکٹر سیّد عبدالحمید ضیائی

ایڈیٹر: پروفیسر سیّد اختر مہدی رضوی

مشاورین علمی

پروفیسر سیّد امیر حسن عابدی، ڈاکٹر اوصاف علی، پروفیسر شاہ محمد وسیم
ڈاکٹر عبدالودود اظہر دہلوی، پروفیسر سید عزیز الدین حسین ہمدانی
پروفیسر سید عراق رضا زیدی، پروفیسر سیّد علی محمد نقوی

مدیر اجرائی : علی ظہیر نقوی

تزئین جلد : عائشہ فوزیہ

صفحہ آرائی وکمپوزنگ : محمد یاسین

راہ اسلام میں شائع ہونے والے ہر مضمون کیلئے مقالہ نگار خود ذمہ دار ہے۔
مقالہ نویس کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا لازمی نہیں ہے۔
راہ اسلام مقالات ومضامین کے انتخاب و اصلاح و ایڈیٹنگ اشاعت کے سلسلے میں پوری طرح آزاد ہے۔
اور اس سلسلے میں ایڈیٹوریل بورڈ کا فیصلہ آخری ہوگا۔
اشاعت کی غرض سے ارسال شدہ مقالہ کا خوشخط ہونا لازمی ہے۔عبارت کاغذ کے ایک طرف ہی لکھی جائے
اور کاغذ A-4 سائز کا ہوتو بہتر ہے۔
صرف غیر مطبوعہ مقالات ہی ارسال کئے جائیں۔
تحقیقی مقالات کی آمادگی میں جن مآخذ و مدارک کا استعمال کیا گیا ہو۔ان کا ذکر لازمی ہے۔
مقالہ کے ساتھ اس کا خلاصہ بھی ضرور ارسال کیا جائے۔
راہ اسلام میں شائع شدہ مقالات کی نقل یا ان کے ترجمہ واقتباس کی اشاعت پر کوئی پابندی نہیں ہے
بشرطیکہ مآخذ کا ذکر کردیا جائے۔

پریس : الفا آرٹ، نوئیڈا، یو۔پی

راہِ اسلام

فہرست

شمارہ:- ۲۱۲-اپریل تا جون ۲۰۰۹ء

اداریہ: امام خمینیؒ کی تحریک کے بنیادی مقاصد		۷
امام خمینیؒ اور اسلامی انقلاب کے فضائل وکمالات	حجت الاسلام والمسلمین سید حسن خمینی	۱۲
حضرت امام خمینیؒ کا تاریخ ساز پیغام، میخائل گورباچوف کے نام		۲۷
امام خمینیؒ رضوان اللہ تعالیٰ علیہ حالات وعظیم خدمات	پروفیسر سید اختر مہدی	۳۴
امام خمینیؒ اور اسلامی وحدت واتحاد	مولانا اسحٰق مدنی	۵۵
اسلام میں خواتین کے حقوق	محترمہ زہرا مصطفوی (دختر امام)	۶۶
آیت اللہ امام خمینیؒ ایک عرفانی شاعر	ڈاکٹر محمد تقی علی عابدی	۸۸
امام خمینیؒ کی زندگی کے آخری دنوں کی یادیں	ادارہ	۹۴
امام خمینیؒ اور وحدت اسلامی	محترمہ ڈاکٹر صاعقہ مہدی	۹۹
امام خمینیؒ اور ایران کے سیاسی حالات...	محمد حسن رجبی	۱۰۵
عصری مسائل اور ارشادات امام خمینیؒ		۱۱۴
انسانی فضائل وکمالات اور امام خمینیؒ	سید محمود نقوی	۱۲۳
حضرت امام خمینیؒ قناعت اور سادگی کا پیکر	مرغوب حیدر عابدی	۱۲۷
امام خمینیؒ فرزندان عاشورا	مولانا حسن عباس فطرت	۱۳۱
امام خمینیؒ کے افکار وعقائد کی روشنی میں...وحدت واتحاد	حجت الاسلام سید احمد خمینی طاب ثراہ	۱۳۷
بیرونی ممالک کے مہمانوں سے ایک انٹرویو...		۱۴۷
امام خمینیؒ کی شخصیت عالمی علماء ودانشوروں کی نظر میں		۱۴۷
امام خمینیؒ کی شخصیت عالمی عالمی ودانشوروں کی نظر میں		۱۵۲
امام خمینیؒ کا عشق وعرفان ایک تجزیہ	خانم شہناز پروین	۱۵۶
اسلامی دنیا کی ترقی میں امام خمینیؒ کا حصہ		۱۷۲

کلام امام خمینیؒ پر حافظ شیرازی	عراق رضا زیدی	۱۸۱
سیاست امام خمینیؒ کے نقطہ نظر سے	سید قیصر رضا تقوی	۱۸۷
ہماری یونیورسٹیاں اور اسلامی تہذیب وتمدن	امام خمینیؒ	۱۹۴
منتخب اشعار عرفانی امام خمینیؒ (اردو ترجمہ)		۱۹۹
ہندوستانی شعراء کا کلام		۲۲۸

اداریــــــہ:

امام خمینی کی تحریک کے بنیادی مقاصد

انقلاب اسلامی ایران کے قائد عظیم الشان امام خمینی کی رحلت جانگداز کے بعد ایک طویل عرصہ گزر گیا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ملکوتی آواز آج بھی صرف ایران ہی نہیں بلکہ عالمی فضا میں گونج رہی ہے۔ غور طلب بات ہے کہ انہوں نے ایسا کون سا اہم کارنامہ انجام دیا ہے کہ انصاف پسند اور انسانیت دوست افراد کے قلب کی گہرائیوں میں ان کی یادوں نے اپنا گھر بنا لیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ اسلامی انقلاب کے رہبر تھے اس لئے ان کی یاد تازہ ہے تو بیسویں صدی میں رونما ہونے والے دیگر انقلابات کے قائدوں کو ایسی عظمت وفضیلت کیوں حاصل نہیں ہے؟ سرزمین ایران میں ہی بیسویں صدی کے اوائل میں ''انقلاب مشروطیت'' رونما ہوا لیکن اس کے قائدین کو اتنی اہمیت کیوں حاصل نہیں ہے۔ گذشتہ چند صدیوں کے دوران ایران کے علاوہ فرانس، روس اور ہمارے وطن عزیز ہندوستان میں بھی انقلابات رونما ہوئے لیکن ان انقلابات کی اہمیت وافادیت متعلقہ ملک کی جغرافیائی سرحدوں کے دائرہ میں محدود ہوکررہ گئی لیکن ایران میں رونما ہونے والے اسلامی انقلاب اور اس کے قائد امام خمینیؒ نے ایک عالمی اور آفاقی حیثیت اختیار کرلی اور آج صرف ایرانی مسائل کے سلسلے میں ہی نہیں بلکہ مختلف عالمی مسائل ومعاملات میں پوری دنیا ایران کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی ہے۔ آخر اس کا سبب کیا ہے؟ آخر انقلاب اسلامی ایران اور امام خمینی نے ایسا کون سا اہم کارنامہ انجام دیا ہے؟ کیا اسلامی انقلاب کے سایہ میں امام خمینی کوئی نئی شریعت لے کرآئے تھے؟ ان کی تحریک کا مقصد کیا تھا؟ آخر ایران نے ایسا کون سا قصور کیا ہے کہ عالمی سامراج اس کی مخالفت پر کمربستہ ہے؟ اور عالمی سامراج کی مثالی عداوت، مہلک سازشوں کی بھرمار اور طویل المدت جنگ کے بعد بھی وہ کونسی طاقت ہے جس نے ایران کو اپنے موقف پر اٹل اور ثابت قدم رکھا ہے اور اپنی اسی مثالی طاقت کے سہارے آج ایران دنیا کی اکلوتی بڑی طاقت یعنی امریکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر عالمی مسائل میں اپنے انفرادی نظریہ کو اعلان کرنے میں ذرہ برابر ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا۔ گذشتہ ۳۰ سالہ امریکی اقتصادی ناکہ بندی اور عالمی سیاسی، اقتصادی اور معاشی دباؤ کے باوجود

ایران مطمئن اور دنیا حیران کیوں ہے؟

درحقیقت امام خمینیؒ اور ان کے اسلامی انقلاب کی روز افزوں مقبولیت کا راز تلاش کرنے والوں کو اس تحریک اور اس کے اغراض ومقاصد کا بھرپور مطالعہ کرنا چاہئے جس کے نتیجے میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجائے گی کہ اس انقلاب کا مقصد حقیقی اسلام محمدی کا احیاء ہا ہے جس کے سایہ میں الٰہی قدروں کی ترویج اور فکری بیداری کو عمومی حیثیت سے مالامال کرنا ہے۔ اس انقلاب نے اونچے اور وسیع محلوں کے بجائے قربت الٰہی کو مرکزی حیثیت اور مقصدِ حیات قرار دیا ہے۔ اس انقلاب کے سایہ میں مرد وعورت ایک دوسرے کے مخالف نہیں بلکہ ایک دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ ہیں۔ اس انقلاب نے اقتصاد کو مقصد حیات نہیں بلکہ زندگی بسر کرنے کا وسیلہ قرار دیا ہے۔ ظاہری تڑک بھڑک اور رعنائیوں کے مقابلے میں سادگی کو ترجیح دی ہے دین اور سیاست کو ایک دوسرے سے الگ نہیں بلکہ ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم قرار دیا ہے ۔اس انقلاب نے تمام لوگوں کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا ہے کہ خداوند عالم نے ہر انسان کو آزاد خلق کیا ہے۔ کسی کو کسی پر حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے بلکہ ہر آدمی کو اپنے جملہ اعمال وافعال کے لئے بارگاہ خداوندی میں جوابدہ ہونا ہے کیونکہ حاکمیت مطلقہ صرف خدا کو حاصل ہے اور اس نے اپنے آسمانی صحف کے قالب میں دنیائے بشریت کو راہ مستقیم پر قائم رکھنے کے لئے تمام قوانین بیان کردئے ہیں اور الٰہی واسلامی تعلیمات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے اپنی ذات کے مقابلے میں مقصد کو زیادہ عزیز رکھنے کی تعلیم دی ہے اور ذات ومقصد کے درمیان ٹکراؤ کی صورت میں اپنی ذات کو اپنے پیروں کے نیچے دبا کر مقصد کی حفاظت کرنی ہے۔ مختصر لفظوں میں امام خمینیؒ اور ان کے اسلامی انقلاب کا بنیادی مقصد حقیقی اسلام محمدی کو مسلمانوں کی عملی زندگی میں رائج کرنا اور خداوند عالم کی لازوال طاقت پر مسلمانوں کے ایمان واعتقاد کو مستحکم بنائے رکھنا ہے ۔ان کی نظر میں صبح سے شام تک سیکڑوں مرتبہ ''اللہ اکبر'' کی تکرار کرنے والا مسلمان اللہ کی لازوال طاقت کے سامنے کسی دنیوی طاقت کی عظمت کو کیسے تسلیم کرسکتا ہے! جس امت اسلامیہ عالم کے پاس اس کے پیغمبرعظیم الشان حضرت محمدؐ جیسا ''اسوۂ حسنہ'' اور قرآن جیسی عظیم الٰہی کتاب موجود ہواس کو کسی مغربی یا دیگر مشرقی مفکر کے نام نہاد دانشورانہ پیغامات کی کیا ضرورت ہے؟ جس انسان کی زندگی کا دامن ایمان کی دولت سے بھرا ہوا اس کی نگاہ میں زرو جواہر'' حتام دنیوی'' ہیں اور سنہرے سکوں کی تڑک بھڑک سے اس کے ایمان میں

لغزش کا امکان نہیں ہوا کرتا۔'' قولوا لا الہ الاّ اللہ'' جیسے الٰہی نعرے سے وابستہ امت محمدیہ کی نگاہ میں خود ساختہ خداؤں کی کوئی اہمیت نہیں ہوا کرتی اور خانہ خدا کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے والے مسلمان کی نظر میں دوسرے سرخ وسفید محلوں کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

جی ہاں ! پیغمبر اکرمؐ کی حیات طیّبہ کے دوران اور ان کی رحلت کے بعد ان کے اصحاب و اہلبیت کی قیادت ورہنمائی کے سایہ میں مذہب اسلام کی حیرت انگیز مقبولیت نے اسلام دشمن طاقتوں پر غیر معمولی بوکھلاہٹ اور سازشانہ غلط فہمی طاری کردی تھی اور ۶۱ھ میں نواسہ رسول حسینؑ مظلوم اور ان کے اصحاب وانصار کی شہادت اسی سازشانہ غلط فہمی کا نتیجہ تھی ورنہ یہ کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ ابھی پیغمبر کا کفن بھی میلا نہیں ہوا تھا اور ان کے کلمہ گو ان کے عزیز ترین نواسے کو بھول جائیں جی نہیں ! لوگ امام حسینؑ کو نہیں بھولے تھے بلکہ خلافت کو ملوکیت میں تبدیل کرنے والی اسلام دشمن طاقت نے ''حسینی انقلاب'' کو بغاوت کا نام دیدیا تھا۔ بہرحال اسلام دشمنی کا یہ سلسلہ واقعہ کربلا کے بعد بھی جاری رہا اور عالمی سامراج نے گذشتہ چودہ صدیوں کے دوران اسلام کو اتنے فرقوں میں تقسیم کردیا کہ اصل اسلام محمدی کی شناخت ممکن نہ رہ جائے اور امت اسلامیہ قرآن اور شریعت اسلامی سے اتنی دور ہوجائے کہ جو کتاب دنیائے بشریت کی ہدایت کیلئے نازل ہوئی تھی وہ بیش قیمت غلاف میں لپیٹ کر گھر کے اندر ایک بلند جگہ پر رکھدی جائے اور اگر کبھی کوئی خاص موقع آئے تو اس کے غلاف کو بوسہ دیکر اطمینان حاصل کرلیا جائے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش بھی نہ کی جائے کہ اس کتاب میں کیا لکھا ہے جبکہ ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ کتاب درحقیقت اسلام کا Constitution ہے۔ یہ عالمی سامراج کی خوفناک سازش کا ہی نتیجہ ہے کہ اسلامی مکاتب اور مدارس کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھا جانے لگا اور ان درسگاہوں سے فارغ التحصیل افراد کو ملاّ قرار دیتے ہوئے اس کے اختیار کو مسجد کی چہار دیواری کے اندر محدود کردیا گیا اور ثقافتی وتہذیبی برہنگی کے ذریعہ اسلامی حجاب کا مذاق اڑایا جانے لگا اور ترقی کے نام پر عورتوں کے سر سے ان چادروں کو چھین کر انہیں بے پردگی پر مجبور کیا جانے لگا۔تحریک نسوانیت کے ذریعہ عورتوں کو مردوں کا مخالف کہا جانے لگا اور جس عورت کو خداوند عالم نے افزائش نسل انسانی کا وسیلہ بنا کر بھیجا تھا اس کو ہوس پرستوں کا کھلونہ بنادیا گیا۔

ایسے ناگفتہ بہ اور اسلام دشمن ماحول میں جب امام خمینیؒ نے ۱۹۶۳ء میں ایران کی شاہی حکومت کی بدعنوانیوں کے خلاف آواز بلند کی تو ان کی اسلامی تحریک اور اسلامی بیداری کو دوبارہ

غفلت سے ہمکنار کرنے کے لئے ظالمانہ راہ وروش کا بازار گرم کردیا گیا اور رہبر انقلاب امام خمینی کو گرفتار پھر جلاوطن کردیا گیا۔ امام خمینی نے جلاوطنی کے دوران مصائب وآلام کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اپنے نوجوان فرزند شہید مصطفیٰ خمینی کی دردناک شہادت کو بارگاہ عالیہ خداوندی میں الٰہی امانت کی واپسی سے تعبیر کرتے ہوئے فرمایا کہ عظیم مقصد عظیم قربانیوں کا متقاضی ہوا کرتا ہے۔ بہر حال ان کی ناموجودگی میں ان کے ہم خیال علماء نے اسلامی تحریک کی آبیاری کا کام جاری رکھا اور وہ مبارک وقت بھی آ گیا جب امام خمینی یکم فروری ۱۹۷۹ء کو وطن واپس آگئے اور دنیا نے ملت ایران کی جانب سے ان کے مثالی استقبال کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ دس روز کی مسلسل کوشش بارآور ثابت ہوئی اور کسی خون خرابہ یا قتل وغارتگری کے بغیر ۱۱ رفروری ۱۹۷۹ کو اسلامی انقلاب نے عظیم الشان کامیابی حاصل کرلی اور امام خمینی نے ملک وملت کی تعمیر وترقی کا کام شروع کردیا۔ انہوں نے اپنے اقوال واعمال کے ذریعہ اسلامی تعلیمات کی ترویج کا کام چھیڑدیا چنانچہ ملک کے تعلیمی نظام کو حقیقی اسلام سے آشنا اور ہم آہنگ کرنے کے لئے جب انہوں نے تعلیمی اداروں میں ایک سال کی تعطیل کا اعلان کیا تو مغربی خبر رساں ادارہ کے نمائندہ نے کہا کہ آپ نے ایران کو ترقی کے پچاس سال پیچھے ڈھکیل دیا۔ امام خمینی نے جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں تو اسے چودہ سو سال پیچھے لے جانا چاہتا ہوں۔''

جی ہاں ! امام خمینی زندگی بھر اسلامی تعلیمات کی ترویج وبقا میں سرگرم عمل رہے۔ جب اسلام دشمن طاقتوں کو یہ اندازہ ہوگیا کہ اپنے غیر اسلامی مشن میں امام خمینی کی زندگی میں وہ کامیاب نہ ہوں گے تو فرانسیسی اخبار کے نمائندے نے ان سے کہا کہ جس اسلامی انقلاب کے ذریعہ آپ نے ایرانی زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام کی عملی موجودگی کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے آخر آپ کے بعد یہ کام کون انجام دے گا۔ آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے انقلاب میں شخصیت پرستی کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس انقلابی درسگاہ کی آغوش تربیت میں پلنے والا ہر شخص آنے والے وقت میں خمینی ہوگا۔

سردست امام خمینی کے سفر آخرت کی ۲۰ ویں برسی کا وقت آ گیا اور دنیا دیکھ رہی ہے کہ ہر ایرانی اپنے قائد کی قیادت ورہنمائی کے سایہ میں اسلامی انقلاب کو شہیدوں کے خون کا عطیہ اور گرانقدر الٰہی امانت قرار دیتا ہے اور ہر شخص کسی بندہ خدا کی نہیں بلکہ خداوند عالم کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے میں لگا ہوا ہے۔ حکومت کو عوام کا بھرپور اعتماد حاصل ہے جس پر بھروسہ کرتے ہوئے اسلامی جمہوریہ

ایران تائید الٰہی کے سایہ میں روز افزوں ترقی حاصل کررہا ہے ۔ اگر یہ ترقی کرشمۂ الٰہی نہیں تو اور کیا ہے کہ دنیا کی تمام بڑی طاقتوں کی خفیہ اور اعلانیہ مخالفتوں کے باوجود ایران حقیقی 'راہ اسلام'' پر گامزن ہے ۔

جی ہاں ! اس وقت حقیقی اسلام محمدی اور امریکی اسلام کے درمیان فرق کرنا لازمی ہے۔ حقیقی اسلام ہمیشہ انسان دوستی اور عظیم اخلاقی محاسن کا علمبردار رہا ہے۔ حقیقی اسلام دنیا کے ہر انسان کو حامل روح الٰہی قرار دیتا ہے اور اپنے پیروکاروں سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ہر انسان کا احترام کریں کیونکہ اس کے جسم میں خدا کی روح ہے اور انسان شناسی کے مرحلہ سے گزرنے کے بعد خود شناسی کی منزل آتی ہے جس کو دانشوروں نے ''خودی'' کا نام دیا ہے اور اس کے اسرار ورموز بھی بیان کئے ہیں۔ جب اسلامی شریعت کی پیروی کرنے والا ان دو اہم مرحلوں کو پارکرلیتا ہے تب خداشناسی اور معرفت خداوندی کی منزل آتی ہے جس کو حاصل کرنے کے بعد مرد عارف پوری دنیائے بشریت کو'' عیال اللہ'' سمجھنے لگتا ہے ۔ امام خمینی اسی مکتب فکر کے مبلغ اور پیرو تھے اور زندگی بھر حقیقی ''راہ اسلام'' پر گامزن رہے۔ ان کی خدمت میں ہدیۂ عقیدت پیش کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے اقوال واعمال کے ذریعہ 'راہ اسلام'' کی پیروی اور تبلیغ واشاعت میں سرگرم رہیں اور کسی بندہ خدا کی نہیں بلکہ خدائے وحدہٗ لاشریک کی رضا وخوشنودی کو مقصد حیات قرار دیں۔ والسلام

ꙮ

امام خمینیؒ اور اسلامی انقلاب کے فضائل وکمالات

حجت الاسلام والمسلمین سید حسن خمینی

بیسویں صدی کو "عظیم انقلابوں" کی صدی قرار دیا جاسکتا ہے۔ ایسی صدی جو اپنے ابتدائی سالوں سے لے کر آخر تک دنیا کے مختلف مقامات پر مختلف تحریکوں اور انقلابوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ ایران میں انقلاب مشروطیت، روس میں انقلاب اشتراکیت، چین میں موزے تنگ کا انقلاب اور دنیا کے دیگر مقامات پر چھوٹی بڑی تحریکیں اس حقیقت کی زندہ گواہ ہیں۔

انقلاب مشروطیت کے علاوہ مارکسزم کو اپنا آئیڈل بنانا اور طبقاتی کشمکش کے راستے پر چل نکلنا، ان تمام تحریکوں اور تبدیلیوں کا مشترکہ باب اور اہم قدر مشترک تھی۔ درحقیقت مذکورہ انقلابوں کا فریم ورک اور مطمح نظر، اقتصادی مفادات، انسان کے متعلق کسی خاص نظریہ اور مذہب اور معنویت سے پاک حکومتی ڈھانچے کے قیام سے عبارت ہیں جیسا کہ فرانس کے انقلاب کبیر نے ترقی پسند دور میں جدیدیت کے نظریہ کے ذریعہ، انسانی معاشرے اور دنیا کے متعلق نئی بصیرت کا راستہ ہموار کیا جو مغربی آئیڈیا لوجی کے قالب میں ظاہر ہوا۔ اس کی بنیاد مادیت پرستی پر استوار ہے۔ سوشلزم نے معاشرتی مساوات کا نعرہ لگا کر مذکورہ تحریکوں میں اپنے ظہور کو ثابت کیا۔ اس کی روح بھی مادہ پرستی اور روحانیت اور معنوی ثمرات کا انکار ہی ہے۔ درحقیقت بیسویں صدی کے انسان نے روحانیت، دینی اور نظریاتی اصولوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے، جامع کوششوں کا آغاز کیا تاکہ معاشرہ، تاریخ اور اپنی (انسان کی) بالکل نئی تعریف پیش کرسکے اور اپنے سیاسی نظام کی بنیاد رکھ سکے۔ یہ سب کچھ اس اصول پر ایمان لانے کے بعد ممکن تھا جس میں دین کو اقوام کے لیے تریاق اور انسانی زندگی کے مختلف شعبوں میں ترقی و مادی خوشحالی کی ضد سمجھا جاتا ہے۔

اسلامی انقلاب کی بیسویں صدی کی آخری دہائیوں یعنی ۱۹۷۹ء میں ظہور پذیری نے اپنی مثال آپ قسم کی خصوصیات کے ذریعے انسانی معاشرے اور کائنات کی ایک نئی تعریف پیش کی۔ دو ساحتی انسان نے، اپنے معنوی پہلو پر بھروسہ کرتے ہوئے اور رہبانیت کی دینی بنیاد پر مبنی سیاست کی

تعریف و عملداری پر اصرار کرتے ہوئے طاقت کے استعمال میں اخلاقی اور عرفانی قدروں کو مدنظر رکھ کر دوسری ملینیم کے آخری انقلاب میں عملی کردار کی ایسی بنیاد رکھ دی ہے جس کی ان خصوصیات نے اسے دوسرے انقلابوں اور تحریکوں سے ممتاز بنادیا ہے۔ درحقیقت اگر دنیا کے ہر حصّے کے دوسرے انقلابات اپنے مادی رجحانات کے سبب اپنی ماہیت اور روح کو دین و مذہب اور اخلاقی و روحانی اقدار کی نفی میں زندہ محسوس کرتے ہیں اور دین اور دینی اصولوں کا مقصد عوام اور اقوام کی پسماندگی گردانتے ہیں، انسانوں کی آزادی کو مذہب اور مذہبی آداب و رسوم سے دوری کا مرہون منت سمجھتے ہیں تو ان افکار کے مقابلے میں اس صدی کے آخر میں ایسا انقلاب ظہور پزیر ہوا جس کی جڑیں اور جس کا مبداء وحی اور اس سے برخاستہ اقدار میں ہیں جس نے دین اور اس کی نظریاتی بنیادوں پر تکیہ کیا ہے۔ اس نے مختلف نظریوں کے میدان میں تحریک کی ایک نئی تھیوری پیش کی۔ اس نئی تھیوری کے بانی نے جو اس عظیم عوامی تحریک کی رہنمائی کررہے تھے دینی ماحول کے بطن سے قیام کیا جو خود ممتاز فقہاء اور دین و مذہب اپنے مفہوم میں نہ صرف اقوام کے لیے تریاق ہی نہیں بلکہ انسانی تاریخ سازی اور معاشرے کی اصلاح کے لیے عظیم ترین حد کی توانائی بھی ہے۔

یہاں ایک بنیادی اور اہم سوال بھی ذہن میں ابھرتا ہے وہ یہ کہ ایران کے اسلامی انقلاب کی اس اہم خصوصیت کا راز کیا ہے کیونکہ دینی فکر اور اس کے معنوی ثمرات ایک بار پھر اتنے عظیم طوفان کو برپا کرسکے ہیں کہ جس نے نہ صرف ایران اور عالم اسلام بلکہ تمام عالمی تعلقات اور اس کے دوسرے گوناگوں شعبوں پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں؟

اس سوال کا جواب اس کی دینی فکر اور معنوی تخلیقی ثمرات کے معجزنما کردار میں تلاش کیا جاسکتا ہے کیونکہ ایران کا اسلامی انقلاب دوسری سیاسی اور اجتماعی تحریکوں کے مقابلے میں ایک تاریخی انقلاب ہے۔ سیاسی تحریکوں کا مقصد فقط طاقتوروں کی اکھاڑ پچھاڑ ہوتی ہے۔ معاشرتی تبدیلیوں کا مطمع نظر متعلقہ انقلابی معاشرے کے تعلقات اور دوسرے سیاسی، معاشی رابطوں میں ردو بدل ہوتا ہے جبکہ تاریخی انقلابوں میں زمان اور مکان کی حد بندیوں سے ماورا انقلابی فکر اور فلسفہ پر زور دیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریخی انقلابات چونکہ جامع پیغام کے حامل ہوتے ہیں لہٰذا وہ زمان و مکان اور قوم سے ماورا انقلابات کہلائیں گے۔ اسلامی انقلاب کا پیغام حقیقت میں فرانس کے انقلاب کی ضد اور اس کے نتائج کے برعکس ہے یعنی یہ پیغام درحقیقت دینداری، ایمان کی گہرائی، روحانیت، بدعنوانیوں

کے دلدل، تباہی و بربادی اور ظلم و ناانصافی سے انسان کی نجات اور آزادی کا پیغام تھا اور یہ پیغام تاریخ کے تمام انسانوں اور نسلوں، سب زمانوں اور تمام مقامات و میدانوں کیلئے ہے۔

امام خمینیؒ فرماتے ہیں:

''میرا مطمع نظر کوئی خاص مقام نہیں ہے، میرا مقصود ظلم کے خلاف جہاد ہے۔ یہ جہاد جہاں پر بہتر طور پر ہوسکے وہاں ہوگا۔'' (صحیفہ نور جلد ۴ صفحہ ۱۱۰)

امام خمینیؒ دینی فکر کے مجدد

اسلام بھی دوسرے الٰہی ادیان کی طرح ہمیشہ جہالت پسندوں اور دشمنوں کی طرف سے تحریف و تخریب کا نشانہ رہا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ یہ بھی واضح ہے کہ کسی بھی فلسفہ یا سوچ کی طاقت اور ترویج خصوصاً دینی فکر و نظر کی تائید جس طرح اپنی درست سمت اور خالص حالت میں تعمیری بھی ہے اور باعث نجات بھی۔ اسی طرح اپنی تحریف شدہ صورت میں ویسی ہی مہلک اور غلامی کا موجب بھی ہے۔ اسلامی فکر کے میدان میں امام خمینیؒ کی بصیرت اور اس کے دوسروں تک پہنچانے کے عمل سے اسلامی انقلاب کی فکری بنیادوں اور جڑوں کی تعمیر کی گئی۔ امام خمینیؒ کا عقیدہ یہ ہے کہ سیاست دین سے ماخوذ ہے اور جہاد، انقلاب، اصول اور اس کی بنیادیں اسلامی اصول کا اٹوٹ حصہ ہیں۔ امام خمینیؒ کی بصیرت کی رو سے عالمی تسلط اور استکبار کے خلاف جہاد اور اس طرح ظلم و ستم اور بے انصافی کے خلاف جدوجہد ہر مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے۔ امام خمینیؒ کی اسلامی تعبیر یہ ہے کہ اسلامی فکر تمام مادی اور معنوی میدانوں میں انسان کی طاقت اور حکمرانی کی ضمانت ہے۔ امام خمینیؒ نے ہمیشہ مسلمان عوام کو خالص اسلام کی طرف لوٹانے کیلیے ہمہ گیر جدوجہد کی ہے۔ امام خمینیؒ کے نظریہ کے مطابق خالص اسلام وہ ہے جس میں آگاہی، آزادی، معاشرتی انصاف ہو، اسلام میں ظالموں اور استکبار کے خلاف جہاد کی دعوت عام ہے۔ خالص اسلام یعنی محروموں، مستضعفوں اور پابرہنہ عوام کے اسلام کا امریکی اسلام کے مقابلے میں، جو مستکبرین اور ستمگروں کا اسلام ہے، امام خمینیؒ کے ذریعے احیا ہوا جس کے نتیجے میں اسلام نے نہ صرف ایرانی معاشرے اور عوام کے رگ و پے میں بلکہ اس

سے بڑھ کر عالم اسلام میں سرایت کرکے اپنی ماہیت پالی۔ بنیادی طور پر دینی فکر کا احیاء ''دین'' کو پورے معاشرے میں نافذ کرنے کی کوشش اور معاشرے میں دین کے نفاذ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ یہی تو دین داروں کی بصیرت اور التزام کا موجب ہے اور زندگی کے مختلف پہلوؤں میں انصاف کا قیام اور ظلم سے انکار کی جانب ایک اجتماعی عوامی تحریک ہے۔

امام خمینیؒ کی بصیرت کے مطابق دین کی ذمہ داری زندگی کے تمام شعبوں میں انسان کی ہدایت اور رہنمائی کرنا ہے۔ وہ سیاست کو آلام سے جدا کرنے کو اصلی اور خالص دین کی بربادی قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ سوچ دراصل عالمی استکبار، اسلامی ممالک میں ظلم پسند، وابستہ حکومتوں اور مغرب زدہ، نمک خوار اور خودفروش ایجنٹوں سے تشکیل شدہ شرمناک جماعتوں کی طرف سے پھیلائی گئی ہے۔ حضرت امام خمینیؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

''یہ (جو کہتے ہیں) کہ دیانت (دین) سیاست سے الگ ہو اور علمائے اسلام کو سیاسی اور معاشرتی معاملات میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے یہ استعمارگروں نے کہا ہے اور دنیا میں افواہ اڑائی ہے۔ یہ بے دینوں کا مقولہ ہے۔ کیا حضرت پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں سیاست دین سے الگ تھی؟ یہ سب باتیں استعمارگروں اور ان کے سیاسی ایجنٹوں نے گڑھی ہیں۔ تاکہ وہ دین کو دنیوی امور میں مداخلت اور مسلمانوں کے معاشرے کی صف بندی سے روک سکیں اور ساتھ ہی علمائے اسلام کو عوام سے اور آزادی اور خودمختاری کیلئے جہاد کرنے والوں سے الگ کردیں اور وہ اسی صورت میں عوام پر غلبہ حاصل کرسکتے ہیں اور ہمارے وسائل کو لوٹ سکتے ہیں۔ ان کا مقصد یہی ہے۔'' (ولایت فقیہ صفحہ ۱۶)

مختصر یہ کہ امام خمینیؒ کی سیاسی بصیرت دین سے الگ ہرگز نہیں ہے۔ ان کے افکار میں دین کا ایک خاص اور اہم مقام ہے۔ دنیوی و اخروی سعادت، ظاہری، باطنی، مادی اور معنوی احکام کا سرچشمہ دین ہی ہے اور مجموعی طور پر دین کی ذمہ داری ہر اس چیز کا بیان ہے جو انسان کی سعادت سے متعلق ہو۔

دوسری طرف جس اسلام کے مبلغ امام خمینیؒ ہیں وہ ایسا دین ہے جو زندگی اور اجتماعی

میدانوں میں عام لوگوں میں دنیا کے معاملات کو معقول اور خرد مندانہ طریقے سے چلانے کی اہلیت ثابت کرے اور قابل محسوس مفادات کی حفاظت اور لوگوں کے محاسبے کی طاقت رکھتا ہو۔ اسی لیے امام خمینیؒ ایک آگاہ اور زمانہ شناس مفکر کی حیثیت سے ہر قسم کی کج فکری اور کجروی کو باطل گردانتے ہیں اور اسے دین کی سیاسی اور اجتماعی میدانوں میں پرورش اور ترویج میں مخل سمجھتے تھے۔ انھوں نے مایہ دار اجتہاد کی بنیاد رکھی جس کے پرتو میں زمان و مکان کے عناصر اور عینی حالات و واقعات کی شناخت کے حوالے سے درپیش مسائل کو حل کرنے میں رہنمائی ملتی ہے۔

امام خمینیؒ نے دین کو ایک زندہ اور نجات دہندہ نظام کے طور پر پہچنوایا، ایسا دین جو انصاف، آزادی، استقلال اور خود ارادیت کی دعوت دیتا ہے نہ کہ ان کے خلاف۔ امام خمینیؒ اس اسلام کی بات کرتے ہیں کہ جو عوام کے بنیادی حقوق کا پاسدار، انسانی تکریم کا محافظ اور آزادی و معاشرتی انصاف کا حامی ہے اور یہ بذات خود معاشرتی، سیاسی میدان میں اسلام کی سب سے زیادہ دلپذیر خصوصیت شمار ہوتی ہے کہ انسان کے فطری حقوق سے مقابلے کے بجائے، ان سب کا محافظ وداعی ہے۔ امام اس کے متعلق فرماتے ہیں:

> ''مطمئن رہیے جو کچھ بھی معاشرے کے حق میں ہے، انصاف کا قیام، ظالم ہاتھوں کا توڑنا، خود مختاری اور آزادی کی ضمانت، اقتصادی نشو ونما اور دولت کی معقول، قابل قبول تقسیم وغیرہ یہ سب کچھ مکمل طور پر اسلام میں موجود ہے اور وہ کسی غیر منطقی تاویل کا محتاج نہیں ہے۔ (۳؍صحیفہ نور، جلد ۲، صفحہ ۱۸)

امام خمینیؒ اور اسلامی وحدت

حضرت امام خمینیؒ دینی فکر کے مقاصد اور ارمانوں کی ترویج اور عملی تصویر کے لیے ایمان اور عقیدہ پر مبنی ''وحدت'' اور ''جہاد'' کا واضح عقیدہ رکھتے تھے۔ ''وحدت'' مختلف میدانوں کیلئے، خصوصی طور پر عالم اسلام کی وحدت اور ''جہاد'' خصوصی طور پر عالمی تسلط پر مبنی نظام کے خلاف، اگرچہ ایران کے اسلامی انقلاب پر مکتب تشیع کی گہری چھاپ تھی اور اس انقلاب کے اصلی جوہر اسی مکتب کے پرتو میں شکل پذیر ہوئے لیکن یہ انقلاب کبھی بھی صرف شیعہ مذہب کیلئے نمونہ نہیں بنا بلکہ دشمنوں کی طرف سے

تمام تر کوششوں اور سازشوں کے باوجود اس عظیم تحریک کی لہروں نے پورے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور پوری دنیا کے مسلمانوں کے دلوں کو اپنی طرف متوجہ کیا کیونکہ یہ انقلاب اسلامی ہے اور اسلام جیسے جان افزا مکتب کے ذریعے پرورش پارہا ہے۔

امام خمینیؒ اپنی بار بار کی تقاریر میں کامیابی اور آزادی کیلئے وحدت و اتحاد اور بھائی چارے کی اہمیت پر زور دیتے رہے ہیں خصوصاً استکبار اور غیر ملکی تسلط پسندوں اور اسی طرح اندرونی لٹیروں اور ظالموں سے نجات کیلئے اتحاد اور بھائی چارہ ضروری ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''اگر مسلمان اسلامی احکام پر عمل کریں، اتحاد کی روح کو برقرار رکھیں اور اختلافات اور تنازعہ سے ہاتھ کھینچ لیں جوکہ ان کی شکست کی اصل وجہ ہیں تولاالہ الااللّٰہ کے پرچم کے سائے میں اسلام دشمنوں اور عالمی غارتگروں کے ہاتھوں سے محفوظ ہوجائیں گے مشرق ومغرب کا اثر و رسوخ اپنے عزیز ممالک سے ختم کردیں گے کیونکہ ان کی تعداد بھی سب سے زیادہ اور وسائل بھی نہ ختم ہونے والے ہیں اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی غیر متناہی طاقت ان کی نصرت کے لیے موجود ہے اور سپر طاقتیں ان کی محتاج ہیں۔''

(تبیان وحدت ص ۲۰۰)

امام خمینیؒ کا نظریہ وحدت وسیع مفہوم کا حامل ہے۔ مجموعی طور پر تمام مسلمانوں یا مستضعفین کا دین کے جامع مقاصد اور ترقی و کمال کے حصول کیلئے متحد ہونا، جس کے مختلف پہلو ہوسکتے ہیں ان میں سب سے اہم عالمی استکبار کے خلاف اسلامی امت کا اتحاد ہے جوکہ مسلمان معاشروں کے مشترکہ اصولوں، مقاصد اور ایک جیسے ارمانوں پر توجہ دینے ہی کی صورت میں وقوع پذیر ہوگا۔

امام خمینیؒ کے نقطہ نظر میں اسلامی جدوجہد کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ تمام طبقے اس کے دو اہم ارکان یعنی اسلام اور وحدت پر پابند ہوکر یک زبان ہوجائیں۔ لازمی طور پر حضرت امام خمینیؒ کے پیش نظر ان دو اہم عوامل کا وہ کردار بھی ہے جس کے سبب امت اسلامی کی نجات اور خوشحالی بھی حاصل ہو۔ آپ فرماتے ہیں:

''اگر مسلمان چاہتے ہیں کہ صدر اسلام والی عزت اور عظمت پھر سے حاصل کرلیں تو انھیں اسلام اور اتحاد پر کاربند ہونا چاہیے۔ یہ اسلام کے محور پر وہ اتحاد تھا جس نے

مافوق الفطرت طاقت اور شجاعت کی ایجاد کی۔'' (صحیفہ نور ج۸،ص۲۳۰)

امام خمینیؒ کے کلام سے یہ واضح ہے کہ امت اسلامی میں مذہبی اختلاف کو مدنظر رکھتے ہوئے اتحاد کا تقاضا، عقائد اور مذہب میں اتحاد نہیں ہے بلکہ ان کی اصل مراد امت اسلامی کا سیاسی اتحاد ہے جو دین کے مجموعی اصولوں اور مسالک کے مشترکات پر عمل پیرا ہوکر حاصل کیا جائے۔

دوسرا اہم نکتہ جسے امامؒ کی تھیوری اور عملی مکتب میں خاص اہمیت حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی انقلاب کے سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے اتحاد ایک تاکید یا مصلحتی ہتھیار نہ تھا بلکہ اس عظیم شخصیت کی تاکید، وحدت و اتحاد کے تمام مذہبی و دینی مفاہیم پر تھی کیونکہ وہ اسلامی امت اور معاشرے کو ہر قسم کے اختلافات سے محفوظ رکھنے کو ایک شرعی اور الٰہی ذمہ داری تصور کرتے تھے۔

ظلم اور ناانصافی 'استحصال اور امتیازی سلوک کے خلاف جہاد ان اہم ترین مدارج میں سے ایک ہے جسے امام خمینیؒ نے تمام دنیا میں اور خصوصی طور پر عالم اسلام میں پھیلانے کا بیڑا اٹھایا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی پوری توانائی عالمی ظالمانہ نظام اور تسلط پسند نظام کے جامع نیٹ ورک کی ماہیت اور اصلیت کو بے نقاب کرنے میں صرف کی اور ان شرمناک اور شیطانی سازشوں کو فاش کردیا جو ماضی اور حال میں ستمگر ظالموں کی طرف سے مظلوم اور مستضعف اقوام پر روا رکھے گئے۔ اس سلسلے میں آپ فرماتے ہیں:

''ظالم کی حمایت، مظلوموں پر ظلم کی طرح ہے۔ سپر طاقتوں کی حمایت انسانیت پر ظلم ہے۔ جو ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں۔ کہ ہم ان کی حمایت کریں، وہ یا تو جاہل ہیں یا پھر ایجنٹ! ظالم کی حمایت یعنی اس کا مزید ظلم وستم کے لیے ہاتھ بٹانا تمام انبیاء کی تعلیمات کے خلاف ہے۔'' (صحیفہ نور جلد ۱۹،صفحہ ۱-۲۰)

امام خمینیؒ اچھی طرح جان چکے تھے کہ عالمی استکبار نے ایک وسیع اور جامع نیٹ ورک کے ذریعے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ اس قدر وسیع کہ گویا مستضعفین اور محروم اقوام کیلئے یہ باور کرنا کہ وہ ان کے تسلط سے نجات پاسکتے ہیں نہایت مشکل اور دُشوار ہوگیا ہے۔ غلام اور مستضعف عوام نے گویا بے انصافی اور غلامی کو اپنا حتمی مقدر سمجھ رکھا ہے اور گویا تسلط پسند عالمی طاقتوں کی غلامی کو اپنی اور اپنے معاشرے کی بقاء اور زندگی کے لئے اہم ضرورت کے طور پر قبول کرلیا ہے۔ امامؒ جانتے تھے کہ سب سے پہلے محروم اقوام کو ہوش میں لانا چاہیے اور انھیں شدید مایوسی کے دلدل سے

نجات دلانا چاہیے اور یہ چیز صرف تسلط پسند نظام کی تحقیر کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ ضروری ہے کہ مستضعفین اور عالم اسلام کو یہ دکھایا جائے کہ نہ صرف تسلط پسندوں کے آگے ہتھیار ڈالنا آخری حربہ نہیں بلکہ تسلط پسندانہ نظام مکمل طور پر تسخیر پذیر ہے۔ لہٰذا امام خمینیؒ نے اپنی تحریک کے آغاز ہی سے امریکہ اور سپر طاقتوں کے دوسرے نیٹ ورک کے خلاف آواز بلند کی اور بار بار اپنے اہداف و مقاصد کو واضح طور پر بیان کیا۔ امام نے اس جہاد میں مظلوم اقوام خصوصاً مسلمانوں کو یہ سبق دیا کہ محروموں کی نجات اور آزادی کا راستہ صرف مستکبرین اور تسلط پسند استکبار کے خلاف جہاد ہی سے میسر ہے۔ لہٰذا امام خمینیؒ نے مظلوموں اور مستضعفین کو اپنے پامال شدہ حقوق کے لئے بیدار کیا اور انہیں اپنی قومی اور اسلامی حیثیت کی حفاظت کی دعوت دی۔ امامؒ فرماتے ہیں:

''میرے عزیز بھائیو اور بہنو! آپ جس ملک میں بھی ہوں اپنی قومی اور اسلامی حیثیت کی حفاظت کریں۔ ہمارے تمام مادی اور معنوی مفادات تو سپر طاقتیں لے جاتی ہیں اور ہمیں غربت اور سیاسی، اقتصادی، ثقافتی اور دفاعی وابستگی اور غلامی میں مبتلا کردیتی ہیں۔ ہوش میں آیئے اور اپنے اسلامی تشخص کا ادراک کیجیے ظلم کے آگے سرِتسلیم خم نہ کیجئے اور پورے اعتماد کے ساتھ عالمی لٹیروں، جن میں امریکہ سرفہرست ہے، کی سازشوں کا پردہ چاک کردیں۔'' (صحیفہ نور جلد ۱۹، صفحہ ۲۲۶)

اور دوسری طرف امامؒ نے مسلمان اور مظلوم اقوام کے درمیان جہاد و شہادت طلبی کے کلچر کو فروغ دیا اور یہ باور کرایا کہ ظلم اور ظالم کے خلاف ڈٹ جائیں اپنے پامال شدہ حقوق کو حاصل کریں۔ آپ فرماتے ہیں:

''میں نے اپنی ناچیز جان اور خون اسی حکم کے نفاذ کے لئے اور مسلمانوں کی حفاظت جیسے مقدس فرض کی خاطر تیار کرلی ہے اور میں شہادت جیسے عظیم مرتبے پر فائز ہونے کے انتظار میں ہوں۔ طاقتیں، سپر طاقتیں اور ان کے ایجنٹ اطمینان رکھیں کہ اگر خمینیؒ اکیلا بھی رہ جائے تب بھی اپنے مشن کو جو کہ کفر، ظلم، شرک اور بت پرستی کے خلاف جہاد ہے، جاری رکھے گا۔'' (صحیفہ نور جلد ۲۰، صفحہ ۱۱۳)

عالمی تسلط پسندانہ نیٹ ورک کے خلاف جہاد کے متعلق امام خمینیؒ کے غیر متزلزل ٹھوس موقف نے ایک طرف تو دنیا پر چھائے ہوئے ناپسندیدہ نظام کے محافظوں اور تسلط پسند حکمرانوں کی روح و جان پر خوف و ہراس طاری کردیا تھا اور دوسری طرف مستضعفین اور تاریخ کے تحقیر شدہ لوگوں کے افسردہ

دلوں کو ایمان، آزادی اور فتح اور کامرانی کی امید کی کرن سے منور کردیا تھا اور یہی وہ چیز ہے جو امام خمینیؒ کی شخصیت کے جاذبہ و دافعہ کی معیار قرار پائی۔ عالمی تسلط پسندانہ نظام نے اپنی پوری طاقت، اقتدار کا رعب اپنے تمام وسائل اور ہتھیاروں کو استعمال میں لاتے ہوئے امام خمینیؒ کے افکار اور ارمانوں کی تحریف وتخریب کیلئے کمر باندھ لی۔ دوسری طرف حق طلبی، ارمان پسندی استکبار اور ظلم سے رہائی اور حقیقی خود مختاری اور آزادی حاصل کرنے کی زبردست لہر دنیا کے اکثر مقامات پر مستضعفین اور محرومین کے جان و قلب اور ضمیروں میں موجزن ہوگئی۔ مسلموں نے اپنا انسانی اور اسلامی تشخص ڈھونڈلیا اور آزادی اور خود مختاری کے راز کو پالیا اور یہ باور کرلیا کہ یہ نعمتیں ایمان اور اسلام اور اسلامی اخلاق پر پابندی ہی کی مرہون منّت ہیں اور اسی میں انھیں تلاش کیا جانا چاہیے اور تب ہر اس چیز کے خلاف جہاد کے لئے تیار ہوئے جوکہ انسان کی عظمت ترقی اور انسانی اقدار کی سربلندی کے خلاف ہوں اور اس راستے میں کسی قسم کے خوف و ہراس کو اپنے دل میں جگہ نہ دی اور اسی وقت سے مغرب استکباری کلچر کے محافظ کے طور پر اپنی تمام تر کوششوں اور طاقت کے ذریعے اسلام کے مقابلے پر آکھڑا ہوا ہے اور اسلام اور مسلمانوں کو اپنا اصلی دشمن قرار دینے لگا ہے لیکن مسلمان اقوام نے اپنے امامؒ سے یہ سبق اچھی طرح سیکھ لیا ہے کہ ایمان، اتحاد اور جذبہ قربانی کے ذریعے، استکبار اور ظلم کی بلند و بالا عمارت کو تباہ کرکے اس کے کھنڈرات پر آزادی اور معاشرتی انصاف کی عمارت نو کو تعمیر کیا جاسکتا ہے۔ اب ہم امام خمینیؒ کے فقہی اور عرفانی نظریات کے حوالے سے اپنی گفتگو کو آگے بڑھائیں گے جو اس عظیم اسلامی انقلاب کیلئے بنیادیں فراہم کرتے ہیں۔

امام خمینیؒ کا عرفانی تصور کائنات

اب ہم انقلاب اسلامی کے حوالے سے امام خمینیؒ کے عرفانی نظریات کا مختصر جائزہ لیں گے۔ انسانی تاریخ میں معروف اور ممتاز چہروں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(i) سلاطین (ii) حکماء (iii) انبیاء

ان تینوں گروہوں کی اہم خصوصیت ان کے گفتار اور کردار کی مطابقت سے متعلق ہے۔ گفتار کی صداقت کردار سے ظاہر ہوکر ہی تاریخ میں ان کے معیار کا تعین کرسکتی ہے۔

سرکش سلاطین اور حکمراں پوری تاریخ میں ہمیشہ لہو لعب اور شر و فساد میں مبتلا رہے ہیں۔ اقتدار کی حفاظت و وسعت اور ہر لحاظ سے اپنے تسلط کو قائم رکھنے سے آگے ان کی سوچ کبھی نہ بڑھی۔ ان کے سامنے عوام اور ان کے انسانی حقوق کی کوئی وقعت نہ تھی اور نہ ہی عزت، شرافت، اور تکریم انسانی کا پاس۔ انصاف، مساوات، انسانی حقوق، بہبود و رفاہ اور دوسری مثبت قدریں ایسے نعرے تھے جن کے بہانے وہ انصاف پسندوں، مخلص حریت پسندوں اور دوسرے عوامی رہنماؤں کی سرکوبی، ان کی نفی اور اجتماعی بربادی کا سامان کرتے رہے۔ حقیقت میں ان کے عمل اور کردار میں واضح اور گہرا تضاد تھا۔ اس خود پسند حکمراں طبقے نے شعور و آگہی کی وسعت کے لیے انسانی افکار پر نہ تو کسی قسم کا کوئی مثبت اثر چھوڑا ہے نہ ہی محبت اور پیار کے لئے ان کے دلوں میں کوئی امید کا چراغ روشن کیا ہے۔ بلکہ ان سرکش، تسلط پرست اور مغرور حکمرانوں کا سارا زور پوری تاریخ میں علم و آگہی کے پیکر دانشوروں کو قید و بند میں مبتلا کرنے اور آزادی و انصاف کے متوالوں کو محبوس کرنے پر صرف ہوتا رہا ہے جو آئندہ بھی جاری رہے گا اور چراغ عقل کو انسان شناسی میں پہلے سے زیادہ مشتعل کرتا رہے گا۔ جبکہ خدا کے نیک بندے ان سب باتوں سے ہٹ کر انسان کے باطن میں موجود کشش اور عرفانی جذبوں کی راہنمائی کرتے ہیں۔ وہ انسانوں کو صراط مستقیم کا نمونہ ودیعت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک فلسفی اپنے شاگرد پیدا کرتا ہے اور پیغمبر اور انبیاء، اولیاء پیدا کرتے ہیں۔ حقیقت تک پہنچانے کا سبب بنتے ہیں۔ فلسفی انسانوں کے شعور اور عقل پر رسائی حاصل کرتا ہے۔ جبکہ انبیاء اور انسان کے دل و فطرت اور طبیعت کو اپنا گرویدہ بنالیتے ہیں۔ فلسفی محقق پروان چڑھاتا ہے اور پیغمبر ایثار گر اور سرفروش!

یہی وہ زاویہ نگاہ ہے جس کے ذریعے امام خمینی کی پہچان ممکن ہے، ایسا شخص جس نے بیسویں صدی کا سب سے عظیم اور گرانقدر انقلاب تخلیق کیا ہے اور اسی کی بدولت گذشتہ صدی کا نام ''انقلابوں کی صدی'' رکھا گیا ہے۔

ایسی شخصیت جس نے مسلمانوں کے دلوں کو مبارزہ و جہاد جیسے عالی جذبوں سے سرشار کیا۔ امریکہ اور غول پیکر استکبار کے خلاف مزاحمت کی طاقت اور غاصب اسرائیل کے ساتھ کسی قسم کی سودے بازے کی نفی جیسی نعمت سے مسلمانوں کو نوازا ہے۔

انقلاب اور امام خمینی ایک ہی وقت اور ایک ہی جگہ میں دو چیزیں جو نہ تو ایک دوسرے سے

جدا ہوتے ہیں اور نہ ہی ایک دوسرے کو تحت الشعاء میں قرار دیتے ہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی شناخت کا ذریعہ ہے۔

اسلامی انقلاب پیغام الٰہی ہے اور امام خمینی اس کے پیامبر، انقلاب اسلامی ایران کے اسرار کا ادراک تب ہی ممکن ہے جب آپ امام خمینیؒ کی شخصیت کا صحیح طور پر ادراک کرلیں، ایسے مقام پر یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس عظیم اسلامی انقلاب کو نہ سمجھنے کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس کی معروف و مشہور ترین ہستی اب تک لاعلمی کے دبیز پردوں کے پیچھے چھپی ہوئی اور ناشناختہ رہ گئی ہے۔

اکثر مبصرین اسلامی انقلاب کے فلسفے اور اس کی بنیادوں کے ادراک اور اس کے ظہور کے علل و اسباب نہ جاننے کے بجائے، اس کی کیفیت اور اس کے سیاسی اور اقتصادی حالات کے متعلق پورا زور صرف کررہے ہیں جبکہ انقلاب کے بنیادی فلسفے کا ادراک، انقلاب کی پیش رفت اور اس کی حفاظت کیلئے بہتر طور پر کردار ادا کرسکتا ہے۔ اس کے لیے یہی ایک راستہ ہے کہ امام خمینیؒ کے انقلابی افکار کے عرفانی پہلوؤں کو اُجاگر کیا جائے۔

۱۹۷۹ء میں وقوع پذیر ہونے والے انقلاب کے بارے میں امام خمینیؒ جو عرفانی نکتہ نظر رکھتے ہیں۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، امام خمینیؒ کے مکتوبات اور بیانات میں بکثرت ایسے شواہد موجود ہیں جن کے مطابق اسلامی انقلاب کو زمینی عوامل اور مشیت الٰہی پر مشتمل ایک واقعہ کے طور پر دیکھا گیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

> ''یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ افراد میں ایسی توانائی کہاں جو اس قدر عظیم تحریک کا آغاز کریں اور اتنی بڑی طاقت پیدا کردیں۔ یہ انسان کا کام نہیں ہے۔ ایک مملکت کے تمام عورتوں، مردوں بچوں اور بوڑھوں کا یوں متحد ہوجانا، اس میں خدا کارساز ہے۔ یہ خدا کا ہاتھ ہے۔ یہ الٰہی ارادے کا نتیجہ ہے جس نے ملک کے تمام طبقات کو ایک دوسرے کا بھائی بنادیا ہے اور تمام مادی اصولوں کو غلط ثابت کردیا ہے۔ یہ خدا کا ہاتھ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا اپنا ارادہ ہی ہے۔''(صحیفہ نور جلد۶، ص ۱۱۳)

حضرت امام خمینیؒ کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر ایک طائرانہ نگاہ سے یہ حقیقت پوری طرح

عیاں ہوجاتی ہے کہ وہ مجسم طور پر عرفانی افکار کے پرتو تھے۔ وہ ہمیشہ عرفانی افکار پر کاربند رہے۔ اسی طرز فکر ونظر نے ان کے کلام اور خاموشی پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ نصف صدی پر محیط ظلم وستم کے خلاف مزاحمت اور کسی قسم کی تھکاوٹ سے پاک ٹھوس تحریک کا یارا ایک ایسے انسان کو ہی ہوسکتا ہے جس کا توکل اور بھروسہ قدرت مطلق اور کائنات پر ہمیشہ حکم فرما رہنے والی ذات پر ہو۔ ایسا انسان کامل، جو اس راستے پر دیوانہ وار آگے بڑھ رہا ہو اور جس کا مقصد رضائے الٰہی کے سوا کچھ نہ ہو اور اس کا ذکر وفکر سلوک الی اللہ اور دیدار حق ہو۔ ایسا انسان کامل، جو فنافی اللہ ہو، دراصل بہی حق اور حریت انسانی کے راستے کے رہنماؤں کا رہنما اور مجاہد ہو۔ ان کا نظریہ کچھ یوں ہے، فرماتے ہیں:

''وہ سالک جو چاہتا ہے کہ اس کا نام زندہ اور امر ہوجائے، اسے چاہیے کہ خداوند متعال کی رحمتوں کو اپنے قلب تک آنے دے۔ وہ اللہ کی رحمانی اور رحیمی صفات کا پرتو بنے، اس کی علامت اور مذکورہ رحمتوں کے حصول کے آثار اس طرح ہیں کہ وہ مخلوق خدا پر مہربان ہو اور اس سے پیار کرے۔ ہمیشہ خدا سے خیر و برکت کا طلبگار ہو، یہ طرز انبیاء عظام اور علماء کرام علیہم السلام کا طرز نگاہ ہے۔ البتہ ان کے سامنے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک پہلو معاشرتی اصلاح، (نظام حکومت) اور شہری نظام ہے اور دوسرا پہلو انفرادی سعادت اور ان کا مقصود یہی سعادت کاملہ ہے۔'' (آداب الصلوٰۃ ۲۳۵)

یہ انہیں متعہد عرفانی افکار کا نتیجہ ہیں جن کی بنیاد پر مخلوق کے اس عظیم مرشد نے حق کی طرف معاشرے کی حرکت میں ایک غیر معمولی تحریک پیدا کی ہے اور اپنا راستہ ہموار کرتے ہوئے ایک شدید اور جانکاہ مبارزہ کے ذریعے سالکان حق کو ظلم و ناانصافی اور غلامی کے خلاف بھرپور قیام کی دعوت دی کہ آخر کار اللہ تعالیٰ کی طرف سیر وسلوک کے راستے میں حامل ایک بہت بڑا پتھر پاش پاش ہوگیا جو کہ وقت کا بڑا طاغوت تھا۔ آپ نے اس شاہی نظام کو ڈھادیا عالمی استکبار اور امریکہ جیسے عالمی غنڈے کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا اور مسلمانوں کے ازلی دشمن اور قدس کے غاصب یہودیوں اور اسرائیل کو وحشت زدہ کردیا۔

امام خمینیؒ کا نظریہ ہے کہ ''تزکیہ نفس'' کا فقدان، غلط اور ناپائیدار محرک، خود پسندی، ہوس پرستی، دنیا طلبی وغیرہ...جن کی جڑیں شرک اور بے ایمانی میں پوشیدہ ہیں، یہ انسانی مقام اور مبارزہ کے راستے کی وہ رکاوٹیں ہیں جن کے ہوتے ہوئے انسان کبھی بھی انقلاب برپا نہیں کرسکتا اور اگر کوئی

قیام اور مبارزہ شروع بھی ہوجائے تو اس کا جاری رہنا مشکل ہے اور اگر کسی طرح کچھ چل بھی نکلے تب بھی اس کا جاری و ساری رہنا اور اپنے مطلوبہ اہداف تک پہنچنا ناممکنات میں سے ہے اور یہ حقیقت تمام اسلامی تحریکوں کی تاریخ سے ثابت شدہ ہے۔

امام خمینی کا عقیدہ یہ ہے کہ غیر خدا کی پوجا اور غیر خدا کی طرف رجوع انسان کو ظلمانی اور نورانی پردوں میں محبوس کردیتا ہے۔ تمام دنیاوی امور اگر انسان کو دنیاداری میں لگادیں اور خدا کی طرف سے غفلت کا باعث بن جائیں تو ظلماتی حجابوں کا باعث بنتے ہیں۔ تمام عوالم اجسام خدا اور بشر کے درمیان ظلماتی پردے ہیں اور اگر یہ دنیا لقاء اللہ اور آخرت کے سامان کا وسیلہ قرار پائے تب تمام ظلماتی حجاب نورانی حجاب میں تبدیلی ہوجائیں گے۔ ''کمال انقطاع'' یہ ہے کہ ہر قسم کے ظلماتی اور نورانی حجاب ہٹادیئے جائیں تاکہ الٰہی مہمان خانے میں جوکہ عظمت اور شرف کی کان کی مانند ہے، داخل ہوا جاسکے۔ (مبارزہ بانفس ص ۱۷) پس معلوم ہوا کہ امام خمینیؒ کی نظر میں انقلاب کا فلسفہ وہی چیز ہے جو انبیاء کا مقصود رہا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں:

> ''تمام انبیاء کا مقصد ایک ہی تھا اور وہ ہے، ایک کلمہ پر لوٹ آنا۔ وہ کلمہ اللہ کی معرفت ہے، سارا مقصد اور بات یہی ہے۔ عمل صالح کی دعوت تہذیب و تزکیہ نفس کا حکم، امر بہ معروف وغیرہ سب کا مقصد واحدہ پر لوٹ آنا ہی ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ جو انسانوں کی فطرت کا اصلی محور ہے، اس پر سے تمام پردے اور حجاب ہٹادیئے جائیں تاکہ انسان کی محبوب حق تک رسائی ہوسکے اور یہی معرفت حق ہے۔ مقصود اعلیٰ بھی یہی ہے۔'' (صحیفہ نور ج ۱۹، ص ۲۸۳)

یہی وہ مقصد ہے کہ جس سے حضرت امام خمینی نے ایک کامیاب انقلاب کے لیے سیاسی لحاظ سے الہام لیا ہے۔ ہم یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ امام خمینی کے تمام بیانات میں موجود عرفانی جملے، سیاسی پہلوؤں کو اُجاگر کرتے ہیں۔ امام خمینی نے اس پیغمبرانہ روش پر عمل کرکے ایسے وقت میں جب بیسویں صدی کے اواخر میں پوری انسانیت مادیت پرستی اور آسمانی اقدار کی طرف پشت کرنے کی آگ میں جل رہی تھی، عرفان کی معجزاتی طاقت کا جلوہ دکھایا اور اس طاقت کے ذریعے ایک نئی پر امید دنیا اور عام اخلاقی اقدار اور معروف دینی اصول پر مبنی معاشرے کی تشکیل فرمائی اور حقیقت یہ ہے کہ اس عظیم اور

شاندار ذمہ داری کو نبھانے میں کامیاب ہوئے۔

ہمیں اس بات سے غافل نہیں رہنا چاہیے کہ امام خمینی ان معدودے چند عارفین میں سے ایک ہیں جو عرفان اور معرفت کی سیڑھی سے اوپر جاتے ہیں اور سیر وسلوک کی روح پرور خوشبو کو اپنی روح اور جان میں محسوس کرتے ہیں، تب دو بارہ نیچے آ کر، مخلوق کے درمیان واپس لوٹ آتے ہیں اور لوگوں کی زبان میں حقیقت اور حق کی بات کرتے ہیں۔ امام خمینیؒ کا سیاسی عرفان شریعت سے جنم لیتا ہے اور عینیت کی طرف آگے بڑھتا ہے۔ امام خمینی کے افعال وکردار کی عرفانی بنیادیں تیزی سے دینی اور شرعی قالب میں تبدیلی ہوجاتی ہیں اور وہ اخلاقی اور روحانی اقدار کی صورت میں اپنے پیروکاروں کی ارواح اور نظام حیات پر نازل فرماتے ہیں۔

امام خمینی ہمیشہ دعا اور ذکر الٰہی کے ذریعے اپنے حوصلہ بڑھاتے تھے۔ بہت ہی کم مواقع ایسے ہیں کہ امام خمینیؒ نے اپنے لئے کچھ کہا ہو، وہ فانی فی اللہ تھے۔ انھوں نے اپنا وجود اپنے آپ سے خالی کردیا تھا۔ اسی بنیاد پر اگر آپ ان کے تمام بیانات کا بغور مطالعہ کریں تو ایسی کوئی خواہش، کوئی بات اور کوئی مقصد نہیں ڈھونڈ سکتے جو ان کی ذات کے لیے ہو اور انھوں نے اپنے لئے متعین کیا ہو۔ امام خمینیؒ ہمیشہ انبیاء کے مقصد کو ہی اپنا مقصد قرار دیتے تھے اور جو کچھ انبیاء کا مقصد تھا وہ تمام امور کا الٰہی کرنا تھا۔ تمام جہانوں اور انسانوں کو ایک ہی رب کی حقیقت کی طرف لوٹا دینا تھا۔ انبیاء کی بعثت کا مقصد بھی یہی ہے کہ سب امور کو الٰہی کردیں۔

امام فرماتے ہیں کہ خدا کی خاطر قیام کریں'' تو یہ وہی اصول ہے جو الہام کا مظہر اور امام خمینیؒ کی سیاسی زندگی کا محرک اور ان کے طرز تفکر کا روشن نمونہ ہے جبکہ تمام چیزیں اسی اصول پر ظہور پذیر ہوئی ہیں اور سب اعمال و اقدامات کا محور یہی اصول قرار پایا ہے۔ یہ اصول امام خمینیؒ کی اعلیٰ عرفانی طاقت سے حاصل کیا گیا ہے۔ جی ہاں! امام خمینی ایک مرشد کامل متعہد، انقلابی سلسلہ عرفانی کے بانی، عظیم مصلح زمان تھے جنھوں نے یہ حقیقت پایہ ثبوت تک پہنچائی کہ حقیقی عرفان کا مقام صرف انسان کے انفرادی افعال نہیں ہیں، چونکہ خداوند متعال ''مطلق وجود'' کا حاکم ہے، لہٰذا اس کی مطلق، حاکمیت انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی اور طاری ہونی چاہیے اور تمام معاشرتی اور اجتماعی تعلقات الٰہی اقدار پر ہی استوار ہونے چاہیے اور اس طرح امام خمینیؒ کی توحید پرستی ان کے انقلابی

افکار پر سایہ فگن ہوئی اور بندگی اور سیاست کے مابین سرحدی حدود کو مٹا گئی اور ان کی نظر میں عالم عبودیت اور عالم سیاست اور معاشرتی جہان کے مابین ہر قسم کا فرق مٹ جاتا ہے۔ وہ وجود کو پورے کا پورا خداوند متعال کا مقہور مانتے ہیں اور ایک الٰہی انسان کی ذمہ داری کا تعین یہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں پر توحید اور خدا پرستی کو مجسم حالت میں نافذ کرے:

ان کی روح ہمیشہ شاد رہے
ان کا مشن ہمیشہ جاری ہے

ΩΩΩ

حضرت امام خمینیؒ کا تاریخ ساز پیغام

میخائل گورباچوف کے نام

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

ساری دنیا اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ ایران میں اسلامی جمہوری حکومت کے قیام سے قبل مشرق ومغرب کی دوعظیم طاقتوں نے دنیا کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کررکھا تھا۔ یعنی دنیا کے تمام ممالک یا مشرقی بڑی طاقت کے فرمانبردار تھے یا مغربی بڑی طاقت کے اطاعت گزار اور مشرقی بڑی طاقت کی باگ ڈور سوویت یونین کے صدر گورباچوف اور مغربی بڑی طاقت کی قیادت صدر امریکہ جمی کارٹر کے ہاتھوں میں تھی اور عالمی سیاست انھیں لوگوں کے اشارہ پر گامزن تھی اور اسلام ومسلمانوں کی سرکوبی کا لامتناہی سلسلہ جاری تھا۔

ایسے انسانیت سوز ماحول میں ۱۱؍فروری ۱۹۷۹ء کو اسلامی انقلاب کی عظیم الشان کامیابی کے بعد امام خمینی نے دنیا میں پہلی بار نہ صرف 'نہ شرقی'' نہ غربی فقط جمہوری اسلامی'' کے نعرہ کے ساتھ دونوں بڑی طاقتوں کی بالادستی کی اعلانیہ تردید کرتے ہوئے خداوند عالم کی لازوال طاقت پر بھروسہ کرنے کی دعوت دی بلکہ پیغمبر اکرمؐ کی سنت وسیرت پر عمل کرتے ہوئے مشرقی عظیم طاقت کے سربراہ گورباچوف کی خدمت میں ایک سفارتی وفد بھیج کر انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت بھی دی۔

دعوت اسلامی پر مبنی اس پیغام کی سب سے بڑی اہمیت یہ تھی کہ اپنے اس مکتوب میں امام خمینی نے عالمی اشتراکی نظام کی ناکامی ونابودی کی آہٹ محسوس کرتے ہوئے یہ اعلان کردیا تھا کہ'' آپ جس کمیونزم کی بات کررہے ہیں وہ اب عوام کے درمیان نہیں بلکہ عجائب گھروں میں پائی جاتی ہے۔'' ان کی اس پیشین گوئی کے تھوڑے ہی دنوں بعد سوویت یونین کا شیرازہ منتشر ہوگیا۔ اس مکتوب کی دوسری اہم بات یہ ہے کہ امام خمینی نے گورباچوف سے یونہی نہیں کہہ دیا کہ اسلام قبول کرلیجئے بلکہ آپ نے فرمایا کہ اپنے ملک کے دانشوروں کی ایک جماعت کے ذریعہ اسلام کا مطالعہ کروایئے۔ میرا یقین کامل ہے۔ اسلام میں ہر دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کی بھرپور صلاحیت موجود ہے۔ اگر آپ لوگ بھی اسلام کی صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے پرچم توحید کے سایہ میں آگے قدم بڑھائیں تو دنیا میں امن وسلامتی کا بول بالا ہوجائے گا۔ واضح ہے کہ امام امت نے اپنی اس تاریخ ساز راہ وروش سے یہ ثابت کردیا کہ اسلام اپنی تبلیغ کے لئے تیر وتلوار یا بمباری ودھماکہ سازی کا محتاج نہیں رہا بلکہ ہمیشہ علمی اور منطقی بنیادوں پر ہی اس نے مقبولیت کی منزلیں طے کی ہیں۔ شاید یہی وہ اہم نکات تھے جن کو نگاہ میں رکھتے ہوئے گورباچوف نے عالمی خبر رساں ایجنسیوں

سے گفتگو کرتے ہوئے یہ اعلان کیا تھا کہ ''مجھے فخر ہے کہ امام خمینی جیسی عظیم اور قدآور شخصیت نے اپنے پیغام کے لئے میرا انتخاب کیا ہے۔'' اس پیغام کا مکمل متن حاضر خدمت ہے۔ (ادارہ)

جنابِ محترم گورباچوف!

صدرِ مجلس اعلیٰ، سوشلسٹ سوویت یونین!

آپ کی اور روسی قوم وملّت کی خوش بختی و نیک بختی کی اُمید کرتے ہوئے!

جب سے آپ نے اپنا عہدہ سنبھالا ہے یہ احساس ہورہا ہے کہ آپ نے دُنیا کے سیاسی واقعات کے تجزیے خصوصاً دورِ جدید میں روس، جن مسائل سے دو چار ہے، ان کی طرف نئے سرے سے انقلاب آمیز نظر ڈالی ہے اور دنیاوی حادثات و واقعات کے سلسلہ میں آپ کے بے باکانہ فیصلوں سے ہوسکتا ہے کہ موجودہ دُنیا پر حاکم توازن میں خلل پڑے اور ایک بڑی تبدیلی رونما ہونے کا سبب بنیں۔ اس لیے میں نے چند باتوں کی طرف آپ کی توجہ کو مبذول کرانا بہتر سمجھا!

بہت ممکن ہے آپ کا دائرہ فکر اور آپ کے نئے عزائم محض پارٹی کے مسائل اور اس کے ذیل میں روسی عوام کے بعض مشکلات کا حل ڈھونڈ نکالنے تک محدود ہوں پھر بھی، جس نظریہ نے سالہا سال دُنیا کے فرزندانِ انقلاب کو اپنے آہنی حصاروں میں مقید کررکھا تھا، اس نظریہ پر اتنے دلیرانہ انداز سے آپ نے جو تجدیدِ نظر فرمائی ہے، یہ بھی قابلِ تعریف ہے۔ اور اگر اس سے کچھ اور بلند ہوکر آپ غور وفکر کریں، تو سب سے پہلا مسئلہ جو آپ کے لیے یقیناً کامیابی کا باعث ہوگا، وہ یہ ہے کہ آپ کے بزرگوں کا جو نظریہ خدا سے دوری اور دین دشمنی پر مبنی تھا اور جس نے ملّتِ روس کو زبردست نقصان پہنچایا ہے، آپ اس نظریہ کے بارے میں تجدیدِ نظر کریں۔ اور پھر سے سوچیں۔ آپ یقین کیجیے کہ دُنیاوی مسائل کے واقعی حل کا اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ ممکن ہی نہیں ہے۔

البتہ یہ ممکن ہے کہ اقتصادی میدان میں غلط طریقۂ عمل اور اقتدار پر قابض گزشتہ کمیونسٹ لیڈروں کی غلط کارگزاریاں مغربی ممالک کے سبز باغ دکھائیں، لیکن حقیقت کچھ اور ہی ہے۔

اگر آپ اس سلسلہ میں سوشلزم اور کمیونزم کے اقتصادیات کی اُلجھی گتھیوں کو مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے سائے میں سلجھانا چاہیں گے تو نہ صرف یہ کہ آپ اپنے معاشرہ کے درد کا علاج نہیں

کرسکیں گے بلکہ آئندہ آنے والوں کو آپ کے اشتباہات کا جبران کرنا پڑے گا، کیونکہ اگر آج مارکسزم اپنی اقتصادی و اجتماعی روش میں حائل دیوار کو عبور کرنے سے عاجز ہے تو مغربی دُنیا بھی ان ہی مسائل میں البتہ ایک دوسرے انداز سے دیگر مسائل کے تحت حادثات سے دو چار ہے۔

محترم گورباچوف صاحب!

حقیقتوں سے منہ نہیں موڑنا چاہیے آپ کے ملک کی اصل مشکل مالکیت اقتصاد اور آزادی کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ آپ کی تمام پریشانیوں کی اصل جڑ خدا پر اعتقاد نہ ہونا ہے، وہی مشکل جس نے مغرب کو بھی تباہی و بربادی کی انتہا تک پہنچا دیا ہے اور پہنچا کے رہے گی۔ آپ کی اصل مشکل مبداء وجود وہستی، خداوند عالم کے مقابلہ میں ایک عرصہ سے جاری فضول ٹکراؤ ہے۔

محترم گورباچوف صاحب!

یہ بات سب ہی پر روشن ہوچکی ہے کہ اب اس کے بعد کیمونزم کو دُنیا کی سیاسی تاریخ کے عجائب گھروں ہی میں ڈھونڈھنا پڑے گا۔ کیونکہ مارکسی نظریہ انسان کی واقعی ضروریات کو پورا کرنے سے قطعی قاصر ہے۔ اس لیے کہ یہ ایک مادّی نظریہ ہے۔ اور آج مشرق ومغرب کا معاشرہ جس بنیادی بیماری میں مبتلا ہے وہ ''بشریت کا معنویت پر عدم اعتقاد'' ہے اور اس بحران سے بشریت کو مادیات کے ذریعہ نجات نہیں دلائی جاسکتی۔

محترم گورباچوف صاحب!

ممکن ہے آپ نے مقام اثبات میں مارکسزم کے بعض پہلوؤں سے روگردانی نہ کی ہو، اور آج کے بعد بھی انٹرویو وغیرہ میں اس پر اپنے مکمل عقیدہ اور اعتماد کا اظہار فرمائیں۔مگر یہ بات آپ خود بھی جانتے ہیں کہ مقامِ ثبوت میں ایسا نہیں ہے۔

کمیونزم پر سب سے پہلی کاری ضرب چینی قیادت نے لگائی اور دوسری اور بظاہر آخری کاری ضرب آپ نے مل کر کمیونزم پر لگائی ہے۔ اب اس وقت دنیا میں کمیونزم نام کی کوئی چیز باقی نہیں ہے۔ لیکن میں آپ سے پوری سنجیدگی کے ساتھ اتنا ضرور چاہتا ہوں کہ مارکسزم کی خیالی دیواروں کو توڑنے میں آپ،مغرب اور شیطان بزرگ (امریکہ) کے زندان میں گرفتار نہ ہوجائیں۔

مجھے امید ہے کہ آپ دُنیائے کمیونزم کی ستّر سالہ کجی کے آخری بوسیدہ نقاب کوبھی اپنے ملک اور تاریخ کے چہرے سے نوچ کر پھینک دیں گے اور اس طرح واقعی ایک قابلِ افتخار کارنامہ انجام دیں گے۔

اب آپ کی طرفدار وہ حکومتیں بھی جن کے دل اپنے وطن واہلِ وطن کے لیے دھڑک رہے ہیں، کسی قیمت پر اپنے ملکوں کے زمینی وزیرِ زمینی ذخیروں کو کمیونزم کی کامیابی کے لیے جس کی ہڈیوں کے ٹوٹنے کی آوازیں خود ان کے فرزندوں کے کانوں تک پہنچ چکی ہیں، خرچ کرنے پر تیار نہ ہوں گی۔

محترم گورباچوف صاحب!

جس وقت آپ کی بعض جمہوریتوں میں واقع مسجدوں کے گلدستۂ اذان سے اللہ اکبر اور پیغمبر ختمی مرتبتؐ کی رسالت کی گواہی کی صدا ستر سال کے بعد سنی گئی۔ ''خالص اسلامِ محمدیؐ'' کے سب طرفداروں کی آنکھوں سے وفورِ شوق میں آنسو نکل آئے۔

لہٰذا میں نے ضروری سمجھا کہ یہ موضوع آپ کے گوش گزار کردوں کہ ایک بار پھر سے مادّی و الٰہی، دونوں تصوّرِ کائنات کا جائزہ لیجیے۔ مادّہ پرستوں نے اپنے تصوّرِ کائنات میں شناخت کا معیار ''حس'' کو قرار دیا ہے اور جو چیز دائرہ حس میں نہ آئے اس کو علم کے دائرہ حکومت سے باہر جانتے ہیں۔ اور ہستی کو مادّہ کا مثل مانتے ہوئے اگر کوئی چیز مادّہ سے مبرا ہے تو اس کا وجود تسلیم نہیں کرتے۔ اسی لیے یہ لوگ دُنیائے غیب۔ مثلاً وجودِ خدا، وحی و نبوت اور قیامت۔ کو سرے سے افسانہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ الٰہی تصوّرِ کائنات میں معیار شناخت حس و عقل دونوں ہیں۔ لہٰذا عقلی چیزیں بھی علم (سائنس) کے دائرہ حکومت میں داخل ہیں، چاہے انھیں حس اور تجربہ میں نہ لایا جاسکے۔ اس لیے ہستی! غیب و شہود دونوں کو شامل کرتی ہے اور غیر مادّی چیز بھی موجود ہوسکتی ہے۔ اور جس طرح مادّی وجود مجرد سے وابستہ ہے، شناخت حسی بھی شناخت عقلی پر متکی ہے۔ قرآن نے مادّی اندازِ فکر کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے، اور جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ خدا نہیں ہے کیونکہ اگر خدا ہوتا تو دکھائی دیتا۔

"لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً۔"

ارشاد ہوتا ہے:

"لَاتُدْ رِكُهُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَاَوَهُوَ اللّٰطِيْفُ الْخبِيْر۔"

قرآن مجید اور اس کے ان استدلالوں سے، جو اس نے وحی، نبوّت اور قیامت کے سلسلہ میں فرمائے ہیں، ہم قطع نظر کرتے ہیں، کیونکہ آپ کے نظریہ کے مطابق تو پہلے یہی محل بحث ہے۔

اصولی طور پر آپ کو فلاسفہ کے پُر پیچ مسائل، خصوصاً اسلامی فلسفہ کے مباحثہ میں اُلجھانا نہیں چاہتا۔ صرف دو ایک بہت ہی سادہ، فطری اور وجدانی مثالیں سند کے طور پر پیش کرتا ہوں جن سے سیاست دان حضرات بھی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

یہ مسلّمات میں سے ہے کہ مادّہ وجسم چاہے جو بھی ہو وہ اپنے آپ سے بے خبر ہے۔ انسان کے ایک سنگی یا مادّی مجسمہ کا ہر ہر حصہ اپنے دوسرے حصہ سے مخفی و پوشیدہ ہے۔ حالانکہ ہم واضح طور پر دیکھتے ہیں کہ انسان وحیوان اپنے ہر طرف سے آگاہ و باخبر ہے۔ انسان جانتا ہے وہ کہاں ہے؟ اس کے آس پاس کیا ہورہا ہے؟ دُنیا کے حالات کیا ہیں؟ اس لیے ماننا پڑے گا کہ انسان وحیوان میں ایک دوسری چیز بھی ہے جو مادّہ سے مافوق ہے اور وہ عالم مادّہ سے جدا ہے جو مادّہ کے مرنے سے نہیں مرتی، باقی رہتی ہے۔

فطرتاً انسان اپنے اندر ہر کمال کو مطلق طور پر پائے جانے کا خواہشمند ہوتا ہے اور آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ انسان دنیا کی قدرت مطلقہ کا طالب ہوتا ہے۔ اور کسی بھی ناقص قدرت سے اس کا دل نہیں بھرتا۔ اگر ایک پوری دُنیا اس کے قبضہ میں ہو اور اس سے کہا جائے کہ ایک دُنیا اور بھی ہے تو وہ فطرتاً اس بات کی طرف مائل ہوگا کہ وہ دُنیا بھی کسی طرح اس کے قبضہ میں آجاتی۔ انسان چاہے جتنا بڑا دانشور ہو، اگر اس سے کہا جائے دوسرے علوم بھی ہیں تو وہ فطرتاً ان علوم کو حاصل کرنے کی طرف مائل ہوگا۔ لہٰذا ایک قدرت مطلقہ اور علم مطلق کی ضرورت ہے جس سے انسان لولگائے۔

اور وہ صرف خدا کی ہی ذات ہے جس سے ہم سب کی امیدیں وابستہ ہیں چاہے ہم خود نہ جانتے ہوں۔ انسان کی خواہش ہے کہ ''حق مطلق'' تک پہنچ جائے تاکہ فنا فی اللہ ہوجائے۔ اصولی طور سے ہر انسان کی سرشت میں ابدی زندگی کی خواہش موجود ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ موت سے آزاد ہوجائے اور زندگی جاوید کا مالک بن جائے۔ اگر جنابِ عالی کو اس سلسلہ میں تحقیق کی خواہش ہوتو ان

علوم کے جاننے والے حضرات کو مغربی فلسفہ کے علاوہ مشائی فلسفہ میں فارابی، اور ابوعلی سینا رحمۃ اللہ علیہا کی وہ کتابیں پڑھنے کا حکم دیں جو اس موضوع پر لکھی گئی ہیں تاکہ ان پر واضح ہوسکے کہ علّیت و معلولیت کا قانون ''جس پر ہر طرح کی شناخت کا مدار ہے۔'' اس کا تعلق معقول سے ہے محسوس سے نہیں ہے۔ اسی طرح معانی کلیہ کا ادراک نیز تمام قوانین کلیہ ''جن پر ہر قسم کے استدلال کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔'' بھی سب کے سب معقول ہیں محسوس نہیں ہیں۔ اور پھر اشراقی فلسفہ میں بھی یہ لوگ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا مطالعہ کرکے آپ کو بتائیں کہ جسم نیز تمام مادّی موجودات بھی اس نورِ محض کے محتاج ہیں جو حس سے منزہ ہے، اور انسان کے لیے خود اپنی ذات اور اپنی حقیقت کا ادراکِ شہودی بھی حسّی وجود سے مبّرا ہے۔

آپ اپنے بزرگ دانشمندوں کو حکم دیں کہ وہ صدرالمتالہین رضوان اللہ علیہ خداوندعالم ان کو نبیّین وصالحین کے ساتھ محشور کرے، کی کتاب حکمتِ متعالیہ کا مطالعہ کریں تو ان کو معلوم ہو کہ حقیقت علم وہی وجود محض ہے جو مادّہ سے مجرد ہے اور ہر طرح کی فکر مادّہ سے مبّرا ہے اور احکامِ مادّہ اس پر جاری نہیں ہوسکتے۔

اب اس سے زیادہ میں آپ کو تھکانا نہیں چاہتا اور عارفین کی کتابوں خصوصاً محی الدین ابن عربی کی کتابوں کا نام نہیں لوں گا۔ ہاں اگر اس بزرگ شخصیت کے مباحث سے آپ واقف ہونا چاہتے ہوں تو چند ایسے ذہین و باخبر افراد کو، جو اس قسم کے علم میں مہارت تامّہ رکھتے ہوں، قم روانہ فرمائیں تاکہ چند سال خدا پر بھروسہ کرکے بال سے بھی زیادہ باریک ولطیف عرفانی منازل سے آگاہی حاصل کریں۔ کیونکہ علم و آگہی کا یہ سفر طے کئے بغیر وہاں تک رسائی ناممکن ہے۔

محترم گورباچوف صاحب!

ان مسائل و مقدمات کے ذکر کے بعد اب میں آپ سے یہ چاہتا ہوں کہ آپ پوری سنجیدگی کے ساتھ اسلام کے بارے میں تحقیق وتفحص کریں۔ اور یہ خواہش اس لیے نہیں ہے کہ اسلام اور مسلمین آپ کے محتاج ہیں، بلکہ اسلام کے آفاقی وعظیم اقدار کی بناء پر ہے جو تمام قوموں کی نجات کا سبب اور باعث راحت و آرام بن سکتے ہیں اور یہی بشریت کے بنیادی مشکلات کی گرہیں کھول

سکتا ہے۔

اسلام کا سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ کرنے سے ہوسکتا ہے کہ آپ کو مسئلہ افغانستان اور اسی قسم کے دُنیا کے دیگر مسائل سے ہمیشہ کیلئے نجات دلادے۔ ہم دُنیا بھر کے تمام مسلمانوں کو اپنے ملک کے مسلمانوں کی طرح سمجھتے ہیں اور ہمیشہ اپنے آپ کو ان کے حال میں شریک سمجھتے ہیں۔

آپ نے سوویت روس کے بعض جمہوریوں میں نسبتاً جو مذہبی آزادی دی ہے۔ اس سے لگتا ہے کہ اب آپ یہ خیال ترک کرچکے ہیں کہ مذہب معاشرہ کیلئے افیون ہے۔

سچ بتایئے جس مذہب نے ایران کو بڑی طاقتوں کے مقابلہ میں ایک پہاڑ کے مانند استوار کررکھا ہے، کیا وہ معاشرہ کیلئے نشہ آور ہوسکتا ہے؟ آیا جو مذہب پوری دنیا میں عدالت و انصاف کے اجرا کا مطالبہ کرتا ہے اور انسان کو ہر قسم کی معنوی و مادّی قیود سے آزاد دیکھنے کا خواہاں ہے وہ معاشرے کے لیے افیون ہے؟

البتہ جو مذہب اسلامی وغیر اسلامی ممالک کے مادّی ومعنوی تمام سرمایہ کو بڑی طاقتوں اور حکومتوں کے حوالہ کردینے کا سبب بنے اور برسرِ عام چیخ چیخ کر کہتا ہے کہ سیاست دین سے جدا ہے، یقیناً ملک وقوم کیلئے مخدر ونشہ آور ہے! لیکن وہ اس صورت میں واقعی مذہب نہیں کہا جاسکتا، بلکہ اس مذہب کو ہمارے یہاں کے لوگ ''امریکی مذہب'' کہتے ہیں۔

آخر میں پھر صاف لفظوں میں اعلان کرتا ہوں کہ جمہوری اسلامی ایران عام اسلام کا عظیم ترین و طاقتور ترین مرکز ہونے کی حیثیت سے بڑے اطمینان کے ساتھ آپ کے اعتقادی نظام کے خلا کو پُر کرسکتا ہے۔ بہرحال ہمارا ملک ماضی کی طرح حسن ہمسائیگی اور برابری کے روابط کا قائل ہے اور اس کا احترام کرتا ہے۔

والسّلام علی من اتبع الھدیٰ
(جو ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلام ہو)

روح اللّٰہ الموسوی الخمینی
۲۲/جمادی الاوّل ۱۴۰۹ھ (یکم جنوری ۱۹۸۹ء)

امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ
حالات و عظیم خدمات

پروفیسر سید اختر مہدی

انقلاب اسلامی ایران کے قائد عظیم الشان امام خمینی کی جانگداز موت نے دنیا بھر کے مسلمانوں کے جذبات کو اتنا برانگیختہ کردیا تھا کہ تاریخ کے دامن میں اس کی مثال نظر نہیں آتی۔ ان کے وفات کی خبر پھیلتے ہی عالم اسلام رنج وغم اور نالہ وشیون کے دریا میں ڈوب گیا اور غمزدہ انسانوں کا سیلاب مسجدوں اور دینی مرکزوں کی طرف امنڈ پڑا اور سوگواری وعزاداری کا لا متناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ لوگ سروسینہ پیٹ رہے تھے اور ان کی آنکھوں سے مسلسل اشک جاری تھے۔ سڑکیں سیارہ پوش عزاداری کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ ایک دوسرے کی پرواہ کئے بغیر لوگ نالہ وشیون میں مشغول تھے کسی میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ دوسرے کو تعزیت پیش کرسکے۔ گویا ہر آدمی خود کو صاحبِ غم سمجھ رہا تھا۔ سماج اور سماجی سرگرمیوں سے لا پرواہ اور کم متاثر ہونے والے لوگ بھی رنجیدہ اور غمزدہ لوگوں میں شامل تھے اور پورے ملک پر ہنگامِ حشر جیسی کیفیت طاری تھی۔ تمام اسلامی ممالک میں مختلف اعتبار سے رنج وغم کا مظاہرہ کیا جارہا تھا۔ سامراجی تسلط والے ملکوں میں زندگی بسر کرنے والے مسلمان بھی گرفتاری زدوکوب اور خوفناک سزا جیسے خطروں کے باوجود اپنے اندرونی جذبات کو روک نہ سکے اور امت اسلامیہ عالم کے قائد امام خمینی کی عزاداری میں مصروف ہوگئے۔

یہ تمام حوادث انسان کو اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ وہ خود اپنے آپ سے یہ سوال کرے کہ درحقیقت امام خمینی کون تھے؟ انہوں نے ایسا کون سا کارنامہ انجام دیا ہے کہ ان کی وفات نے امت اسلامیہ کے قلب کو اتنا مجروح کردیا؟ ایک ایسا آدمی جو قم، نجف اشرف اور بالآخر جماران کے اپنے حقیر و ناچیز مکان کے باہر بھی نہیں آیا تھا، اس نے دنیا بھر کے کمزور اور پسماندہ لوگوں سے ایسے تعلقات کیسے قائم کرلئے کہ آج اس کی موت نے تمام لوگوں کو اس قدر غمزدہ بنا دیا، اس کے غم میں ہزاروں نوحے پڑھے گئے ، اور لاکھوں آنکھیں اشکبار ہوئیں واقعی وہ کون تھے؟ اور انہوں نے کیا کارنامہ انجام دیا؟

ان سوالوں کا جواب حاصل کرنے کے لئے یہ لازمی ہے کہ امام خمینی کی نورانی حیات، ان کی شخصیت اور ان کے افکار وعقائد کا بغور مطالعہ کیا جائے اور ان کی عظیم خدمات کی طرف خصوصی توجہ دی جائے، سردست ہم اپنی اس مہم کو عملی جامہ تو نہیں پہنا سکتے تاہم ان کی حیات وعظیم خدمات کا ایک اجمالی تعارف حاضر خدمت ہے؛

ولادت بچپن اور ابتدائی تعلیم

امام خمینی ۲۰/ جمادی الثانی ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء شہر خمین کے محلّہ سادات میں پیدا ہوئے یہی تاریخ دختر پیغمبر حضرت فاطمہ زہرا (س) کی سالگرہ ولادت کا دن ہے، اس گھر میں ان کے دو بڑے بھائیوں اور تین بہنوں کی ولادت پہلے ہی ہوچکی تھی لہٰذا ان کے بچپن کا زمانہ انہیں لوگوں کے ساتھ شروع ہوا۔

امام خمینی کے والد محترم آیت اللہ مصطفیٰ موسوی بھی ۲۲/ رجب ۱۲۷۸ھ کو اسی شہر خمین پیدا ہوئے تھے اور آٹھ برس کی چھوٹی سی عمر میں اپنے والد جناب احمد موسوی کی شفقتوں سے محروم ہوگئے تھے اپنے والد کی موت کے بعد مرحوم مصطفیٰ موسوی پر گھریلو ذمہ داریوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور ان ذمہ داریوں کو دیکھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ اپنے اسلاف کی فقہ اجتہاد کی راہ ورش کو جاری نہ رکھ سکیں گے لیکن ذمہ داریوں کا بھاری بوجھ انہیں علم دین حاصل کرنے سے نہ روک سکا۔ چنانچہ خمین میں مرحوم آقا مرزا احمد خوانساری کی خدمت میں ابتدائی تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ حوزۂ علمیہ اصفہان کی طرف گامزن ہوجاتے ہیں جو اس زمانے میں غیر معمولی شہرت کا حامل تھا، وہاں انہوں نے مشہور زمانہ اساتذہ سے علوم شرعیہ میں مہارت حاصل کی اور ان علوم میں مکمل مہارت حاصل کرنے کے لئے نجف اشرف روانہ ہوگئے، وہاں وہ علمی سرگرمیوں میں ہمہ تن مصروف ہوجاتے ہیں اور اس زمانے کے مراجع تقلید سے اجازۂ اجتہاد حاصل کرنے کے بعد فخر المجتہدین کے لقب سے مشہور ہوجاتے ہیں اور اس طرح علمی مدارج طے کرنے کے بعد آیت اللہ مصطفیٰ موسوی اپنے وطن خمین واپس آجاتے ہیں اور وطن والوں کے شرعی امور کی نگرانی کا کام شروع کردیتے ہیں۔

عتبات عالیات میں اقامت کے دوران آیت اللہ مصطفیٰ موسوی نے علماء کی جدو جہد اور سیاسی امور میں اس طبقے کی مداخلت کو قریب سے دیکھا تھا اور تحریم تمباکو کے سلسلے میں آیت اللہ شیرازی کے

فتوے کے گہرے، وسیع اور نمایاں اثرات اور شرمناک تجارتی امتیازات کی واپسی کی صورت میں سامراجیت کے شکست کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ چنانچہ خمین آنے کے بعد انہوں نے گوشہ نشینی اور درویشانہ زندگی اختیار کرنیکے بجائے اور ایک مسئلہ گو مجتہد کی شکل اختیار کرنے کے بجائے ہمت کی آستین اوپر چڑھائی اور سماجی میدان میں داخل ہوگئے اور انتہائی دلیرانہ اور بے باکانہ انداز میں معاشرہ کے کمزور وپسماندہ محروم عوام کی حمایت میں سرگرم ہوگئے، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ انہوں نے علاقے کے ظالموں اور قاتلوں کی اعلانیہ مذمت شروع کردی اور اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے ان کا گھر مظلوموں اور محروم وپسماندہ لوگوں کی پناہ گاہ بن گیا اور مظلوم و بے سہارا عوام ان کے سایہ میں پناہ حاصل کرنے لگے۔

علاقے کے غنڈوں، ظالموں اور قاتلوں کو شاہی دربار کی حمایت حاصل تھی لہٰذا یہ لوگ شرارت پر آمادہ ہوجاتے ہیں اور آیت اللہ مصطفیٰ موسوی کو ختم کردینے کا منصوبہ بنالیتے ہیں۔ آخر کار علاقے کے غنڈے خمین کے راستہ میں ان پر قاتلانہ حملہ کرکے انہیں شہید کردیتے ہیں اور اس طرح آٹھ برس تک خمین والوں کی مخلصانہ خدمت انجام دینے کے بعد صرف ۴۲ر سال کی عمر میں وہ شہادت کے عظیم مرتبہ پر فائز ہوجاتے ہیں۔

بچپن اور حوزۂ علمیہ میں آمد سے پہلے ان کی تعلیم

والد گرانمایہ الحاج مصطفیٰ موسوی کی شہادت کے موقع پر امام خمینی کی عمر چار یا پانچ مہینے کی تھی لیکن بعد میں والد کی شہادت کا پورا واقعہ سننے کے بعد انہیں اپنے والد سے بڑی محبت پیدا ہوگئی اور وہ اپنے والد کی اس راہ وروش کی مدح وستائش کرنے لگے کہ وہ مظلومین اور ستم رسیدہ لوگوں کی حمایت کیا کرتے تھے، بہر حال بچپن کے ابتدائی مراحل سے گزرنے کے بعد امام خمینی تعلیم حاصل کرنے اور گونا گوں معمولات فراہم کرنے کے لئے آمادہ ہوجاتے ہیں۔ ابتدائی مرحلہ میں وہ مقامی عالمِ دین ملا ابوالقاسم سے علم حاصل کرتے ہیں اور انہیں سے قرآن پڑھنا سیکھتے ہیں اس کے بعد عمر میں وہ اپنی والدہ کے چچازاد بھائی شیخ جعفر سے ادبیات عرب کا درس حاصل کرتے ہیں۔ پھر ابتدائی تعلیم مرحوم مرزا محمود افتخار العلماء سے حاصل کرتے ہیں وار اس کے بعد اپنے ماموں مرحوم الحاج مرزا محمد مہدی کی شاگردی کے ساتھ ہی ساتھ اپنے بڑے بھائی آیت اللہ آقای پسندیدہ سے علم منطق کی تعلیم ،خمین

میں ہی حاصل کرتے رہے پھر اسی سال انہوں نے اصفہان جانے کا ارادہ کیا لیکن شیخ عبدالکریم اور ان کے مدرسہ کی شہرت نے انہیں اراک پہنچا دیا۔ وہاں انہوں نے حوزۂ علمیہ کے مشہور اساتذہ مثلا مرحوم محمد گلپا یگانی اور مرحوم آقای عباس اراکی سے درس حاصل کرنا شروع کردیا۔ایک سال کے بعد جب آیت اللہ حائری نے اراک سے قم کوچ کرنے کا فیصلہ کیا تو امام خمینی بھی ان کے ہمراہ قم چلے گئے۔

قم میں امام خمینی کی تعلیم

امام خمینی اپنی مخصوص ذہانت کے ساتھ نوتشکیل شدہ حوزہ علمیہ قم میں درس حاصل کرنے لگے اور پانچ برس کے اندر یعنی ۲۳ سال کی عمر میں انہوں نے ادیب تہرانی، سید محمد تقی خوانساری سید علی یثربی کا شانی، آیت اللہ شاہ آبادی اور شیخ علی اکبر یزدی جیسے نامور اساتذہ کی شاگردی میں اپنی علمی فقہی اور اصولی بنیادوں کی تکمیل کے بعد ۲۳ سال کی عمر میں درجہ اجتہاد پر فائز ہوگئے۔

اس مدت کے دوران امام خمینی نے علم فقہ میں ممتاز حیثیت حاصل کرتے ہوئے علوم ہیئت وفلسفہ وحکمت وعرفان میں بھی خصوصی شہرت ومہارت حاصل کرلی اور استادِ کامل شمار کئے جانے لگے۔

رضا خاں کے خلاف امام خمینی کی جدو جہد!

ظلم وگھٹن اور قتل وغارت گری پر مشتمل رضا خاں کی ۱۶ر سالہ حکومت کو قوی اور معنوی اعتبار سے ملک وملت کے لئے ایک خسارہ وسانحہ عظیم شمار کیا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں آزادی طلب مراکز اور تنظیمیں یعنی قوت عدلیہ، مقنّنہ واجرائیہ رضا خان کی ذاتی خواہشات کی غلام ہوگئیں اور وہ برطانیہ کے اشارہ پر رقص کرنے لگا۔

ایران میں برطانوی سیاست کو بروئے کار لانے کے لئے رضا خان کی حتی الامکان کوشش یہ تھی کہ دین کی جڑوں کو خشک کردے اور سرزمین ایران میں اتاترک کا کردار ادا کرنے میں کامیاب ہوجائے۔ اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے وہ طبقہ روحانیت کو کمزور بنانے میں مشغول ہوگیا اور حکومت کی طرف سے بے پردگی کا حکم جاری کردیا، مذہبی مجالس واجتماعات پر پابندی عائد کردی ارو علماء کو فوج میں بھرتی کرنے کا حکم صادر کردیا، امام خمینی تقریباً اسی زمانہ میں حوزۂ علمیہ قم میں داخل ہوئے تھے جب رضا خان نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تھی، اٹھارہ سالہ امام خمینی ان

اولین علماء میں تھے جنہوں نے رضا خان کی اعلانیہ مخالفت کی اور اپنے اٹل موقف کے ذریعہ اس کے سامراجی منصوبوں کو پورا نہیں ہونے دیا۔ رضا خان برطانوی سامراج کے جن منصوبوں کو عملی جامہ پہنانا چاہتا تھا اس کے خلاف بھر پور جدوجہد کیلئے امام خمینی نے مدرسہ فیضیہ میں ہفتے میں دو مرتبہ دینی اجلاس کا انعقاد کیا تا کہ اسلامی روایات اور اخلاقی محاسن کی ترویج کے ذریعہ اسلام دشمن سامراجی پروپگنڈہ کا مقابلہ کیا جائے۔لیکن رضا خان نے ان مذہبی اجلاس کی راہ میں رکاوٹ پیدا کردی، آخر کار امام خمینی ان اجتماعات کو ایک دور افتادہ محلے میں قائم کرنے پر مجبور ہوگئے جبکہ اس علاقے میں لازمی وسائل وامکانات کا فقدان تھا۔

امام خمینیؒ نے برطانوی سامراج اور اس کے غلام رضا خان کے خلاف اپنی اسلامی جدو جہد کو جاری رکھنے کا اٹل فیصلہ کر رکھا تھا لہٰذا دنیا کی کوئی طاقت انہیں اس کام سے روک نہیں سکتی تھی، منقول ہے کہ ایک دن امام خمینی نے ایک مسجد کے منتظم سے پوچھا کہ ''اگر رضا خاں تم سے یہ کہے کہ اپنا لباس اتار ڈالوں تو تم کیا کروگے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اپنے لباس کے احترام میں گھر کے اندر ہی بیٹھا رہوں گا اور گھر سے باہر نہ نکلوں گا۔ اس موقع پر امام خمینی ارشاد فرماتے ہیں کہ میں تو حسب معمول اپنا لباس پہن کر مسجد جاؤں گا اور لوگوں کے درمیان تبلیغ وہدایت کا کام جاری رکھوں گا۔

ایران تحریک کی چوکھٹ پر

فوجی تکنیک کی ترقی اور صنعتی راہ وروش کے فروغ کے ساتھ ساتھ تیل سے وابستہ بڑی حکومتوں کے درمیان رقابت شروع ہوگئی اور ایرانی تیل کے موضوع پر امریکہ، برطانیہ اور روس کے درمیان اس رقبات نے شدید روپ اختیار کرلیا۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنے ایجنٹوں اور غلاموں کے ذریعہ ایرانی تیل پر اپنا غاصبانہ قبضہ جمانے کی کوشش کرنے لگا، روس جو اس سے قبل آذر بائیجان کے وسیع علاقے پر قبضہ کر چکا تھا اپنے ایجنٹوں مثلاً آذر بائیجان میں پیشہ وری اور کردستان میں قاضی محمد اور ان کے ساتھیوں کے ذریعہ ایران کے دیگر علاقوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کرنے لگا، اس نے تو وہ پارٹی کے ضمیر فروش کارکنوں کے ذریعہ اپنے شرمناک منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کا کام شروع کردیا، معاہدہ پر کی گئی اپنی دستخط کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس نے سرزمین ایران میں اپنی فوجوں کے قیام کو برقرار رکھا اور کسی قیمت پر ایرانی سرزمین خالی کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوا۔لیکن جب اس کو امریکہ

وبرطانیہ کے مقابلے میں اپنی کمزوری کا احساس ہوا تو اس نے تیل سے مالا مال شمالی علاقے کے بدلے میں ایران سے اپنی فوج ہٹانے کی پیش کش کی۔ امام خمینی کو ان مسائل سے بخوبی واقفیت تھی لہٰذ ا انہیں مسلمانوں بالخصوص ایرانی مسلمانوں کی زبوں حالی پر سخت افسوس تھا اسی وجہ سے انہوں نے سامراجی چنگل سے مسلمانوں کی آزادی کو اپنا مشن بنا لیا تھا اور گرفتاری کے سیاہ ایام میں بھی وہ ایران اور مسلمانوں سے موجودہ ناگفتہ بہ حالت سے غافل نہیں ہوئے اور ہمیشہ مسلمانوں کی اصلاح اور ان کی ترقی وخوشحالی کے لئے پوری طرح کوشاں رہے۔

۱۳۵۵ھ میں آیت اللہ شیخ عبدالکریم حائری کی وفات کے بعد امام خمینی نے ایک آگاہ ومہربان مرجع تقلید کے انتخاب کے لئے بڑی کوشش کی کیونکہ امام خمینی کی نظر میں مرجعیت کی شرط فقہ واصول ہی تک محدود نہ تھی بلکہ اس کے لئے موجودہ سیاسی وسماجی حالات سے آگاہی اور شجاعت ودرایت کا ہونا بھی لازمی تھا، چنانچہ امام خمینی عہدۂ مرجع تقلید کے لئے آیت اللہ بروجردی کا انتخاب کرتے ہیں کیونکہ ظلم وگھٹن کے ماحول کے خلاف انہوں نے اسلامی موقف اپنایا اور آخر تک رضا خاں کی مخالفت میں سرگرم رہے اسی وجہ سے امام خمینی ان کی مرجعیت کی تبلیغ کرتے رہے اور وقتاً فوقتاً انہیں اسلام دشمن سازشوں نیز ملک کے مختلف علاقوں میں بیرونی طاقت کے ایجنٹوں سے آگاہ بھی کرتے رہے ور جب کبھی سیاسی امور میں آیت اللہ بردجردی کو اپنے نظریہ کا اعلان کرنا ہوتا تھا تو وہ پہلے امام خمینی سے مشورہ کرکے ان کی رائے ضرور معلوم کرلیا کرتے تھے مرجعیت کی اس مہم کے ساتھ ہی ساتھ امام خمینی ظلم واستبداد وسامراجیت کے خلاف اپنی اسلامی تحریک کو کامیاب بنانے میں بھی لگے رہے، طبقہ روحانیت کے کمزور اور طاقتور پہلوؤں کی مکمل شناخت ہونے کی وجہ سے انہوں نے حوزۂ علمیہ اور دینی مراکز میں ایک فکری تبدیلی وبیداری کا ماحول پیدا کردیا۔ امام خمینی اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ اگر وہ موجودہ مسائل سے تنہا ٹکراتے رہے اکیلے ہی اسلام دشمن سازشوں کی نابودی کی کوشش کرتے رہے تو انہیں وسیع کامیابی حاصل نہ ہوگی اور آیت اللہ مدرس یا آیت اللہ کاشانی کی طرح ان کی اسلامی تحریک بھی ناکام ہوجائے گی اور وہ فقط معدود سے چند سامراجی سازشوں کو نابود کرسکیں گے۔ لیکن اگر انہیں کچھ ہم فکر وہم عقیدہ ساتھی مل گئے تو وہ سامراج کی زیادہ سے زیادہ سازشوں کو ناکام بنانے میں کامیاب ہوجائیں گے، انہیں ملک سے سامراج کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکنے کا موقوع مل جائے گا اور عالمِ اسلام میں پھیلے ہوئے ان کے مکروہ فریب کے جال کو تباہ وبرباد کردیا جائے گا۔

آیت اللہ بروجردی اور آیت اللہ کاشانی کی وفات کے بعد حکومت اس بات کی جان توڑ کوشش کرتی ہے کہ آئندہ مرجع تقلید کے انتخاب میں مداخلت کا موقع مل جائے۔ حکومت کی نظر میں سب سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ کسی غیر ایرانی عالم دین کو مرجع تقلید بنا دیا جائے کیونکہ آیت اللہ بروجردی اور ان کے بعد آیت اللہ کاشانی کے جنازہ میں لاکھوں مسلمانوں کی شرکت سے ارباب حکومت کو مرجع تقلید کی مثالی طاقت ومقبولیت کا بخوبی اندازہ ہوگیا تھا اور ان لوگوں کو یہ فکر دامنگیر تھی کہ اگر عوام الناس کا امنڈتا ہوا یہ سیلاب کبھی حکومت کے منصوبے کی مخالفت پر کمر بستہ ہوجائے تو کیا ہوگا؟

صوبائی اور شہری انجمنوں کا جھگڑا

آیت اللہ بروجردی اور آیت اللہ کاشانی کی وفات کے بعد حکومت کا خیال تھا کہ اب روحانیت کا مسئلہ ختم ہوگیا اور چونکہ مرجعیت کے لئے کوئی غیر اختلافی شخصیت ابھر کر سامنے نہیں آرہی ہے لہٰذا اب مرجع تقلید کا انتخاب واعلان کوئی مشکل کام نہیں رہ گیا ہے لہٰذا وہ بڑی تیزی کے ساتھ ایسے قدم اٹھانے لگتی ہے۔ آیت اللہ بروجردی کا شانی اور آیت اللہ کاشانی کی زندگی میں وہ ان اقدامات کے سلسلے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ ان اقدامات میں صوبائی اور شہری کونسلوں کی تشکیل کا قانون بھی شامل تھا، حکومت کی طرف سے منظور شدہ اس قانون کے بموجب قومی کونسل کے لئے منتخب ہونے والوں اور انہیں منتخب کرنے والوں کا مسلمان ہونا لازمی نہیں رہ گیا تھا نیز قرآن مجید کی قسم کھا کر حلف برداری کرنے والی شرط کو بھی عمداً نظر انداز کردیا گیا تھا۔

یہ قانون اسلامی مقدسات کی توہین اور ملک کے آئین میں اعلانیہ مداخلت کو نمایاں کرتا تھا۔ جیسے ہی علماء اور طبقہ روحانیت کو حکومت کے اس قانون کی اطلاع ملی ان کے درمیان ایک ہلچل سی پیدا ہوگئی اور انہیں ایک مناسب وموثر ردعمل کے لئے مجبور ہونا پڑا۔ امام خمینی اور قم میں مقیم دوسرے کچھ علماء نے شاہ اور مختلف صوبوں کے نامور علماء کے نام ٹیلیگرام بھیج کر اس مسئلہ میں اپنی پریشانی وسخت مخالفت کا اعلان کردیا۔ بات فقط طبقہ علماء ہی تک محدود نہ رہی بلکہ مسجدوں اور عام محفلوں میں بھی لوگوں نے اس قانون پر اعتراض کرنا شروع کردیا اور اس طرح خطوط، ٹیلیگرام اور ٹیلیفون کے ذریعہ اکثر ایرانی عوام نے حکومت پر یہ واضح کردیا کہ اگر یہ قانون واپس نہ لیا گیا تو عوام اس جدو جہد میں علماء کی حمایت کے لئے ہمہ تن آمادہ ہیں۔

اس کے بعد اسلام دشمن حرکتوں کے خلاف کی جانے والی جدو جہد میں ایک نیا مرحلہ شروع ہوجاتا ہے اور حکومت کو اس حقیقت کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ ان کی بدعنوانیوں کے خلاف علماء کی جدو جہد ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔ چنانچہ ایک ٹیلی گرام کے ذریعہ حکومت علماء قم کو قانون کی واپسی سے آگاہ کردیتی ہے۔ ضمنی طور پر اس تحریک کے دوران ایرانی عوام امام خمینی کے چہرے سے اور زیادہ آشنا ہوجاتے ہیں اور حکومت کے خلاف علماء کی جدو جہد میں امام خمینی کو مرکزی حیثیت حاصل ہوجاتی ہے۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ اس واقعہ کے بعد امام خمینی کی مقبولیت میں غیر معمولی اضافہ ہوجاتا ہے اور دوسری طرف حکومت امام خمینی پر کڑی نگاہ رکھنے لگتی ہے۔ واضح رہے کہ شرمناک قانون کی واپسی کے سلسلے میں حکومت کی طرف سے جملہ علماء قم کے نام ٹیلیگرام روانہ کیا جاتا ہے اور امام خمینی کو جان بوجھ کر اس فہرست میں شامل نہیں کیا جاتا ہے تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ حکومت کی نظر میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ بہرحال حکومت کی طرف سے ملنے ولے اس ٹیلیگرام سے علماء تہران مطمئن ہوجاتے ہیں اور عوام اپنی کامیابی پر محفل چراغاں کرنے کا ارادہ کرتے ہیں لیکن اپنی غیر معمولی ہوشیاری د انشمندی کی وجہ سے امام خمینی لوگوں کو اس کام سے روک دیتے ہیں اور یہ اعلان کرتے ہیں کہ جب تک حکومت اس قانون کی واپسی کا باقاعدہ اعلان نہیں کرتی ہماری جدو جہد جاری رہے گی۔ صوبائی علماء کے نام ٹیلیگرام بھیج کر امام خمینی انہیں بھی اپنے اس فیصلے سے آگاہ کردیتے ہیں آخر کار ایک پریس انٹریو کے دوران وزیر اعظم علم یہ اعلان کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ صوبائی اور شہری انجمنوں کے سلسلے میں جو قانون پاس کیا گیا ہے اس پر عمل درآمد نہ کیا جائے گا۔

اس طرح ملت اسلامیہ ایران امام خمینی کی دانشمندانہ قیادت کے سایہ میں پہلی بار کامیابی کا مزہ چکھتی ہے اور امام خمینی کو ''زعیم ورشید ملت'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

انقلاب سفید کے بہانے سامراجی اصلاح

امریکہ کو اس حقیقت کا بخوبی اندازہ تھا کہ شاہی حکومت کو اپنے عوام کا اعتماد حاصل نہیں ہے چنانچہ امریکی حکمرانوں کو اس حکومت کی تقویت اور ایران پر اپنے سامراجی تسلط کو قائم کرنے کی فکر دامنگیر ہوگئی تاکہ ایرانی ذخائر وامکانات کی لوٹ کھسوٹ جاری رہ سکے اور دوسری طرف فریبانہ اصلاحی

پروگرام کے ذریعہ عوام کے درمیان روحانیت بالخصوص امام خمینی کے اثر و رسوخ کو ختم کیا جا سکے۔ چنانچہ شاہی اقتدار کے تحفظ کی خاطر چھ نکاتی نام نہاد سفید انقلاب کا اعلان کیا جاتا ہے اور استصواب عامہ کے لئے اسے عوام کے سامنے پیش کردیا جاتا ہے۔ امام خمینی اس سامراجی ہتھکنڈے سے اپنے عوام کو محفوظ رکھنے کے لئے استصوابِ عامہ میں شرکت پر شرعی پابندی عائد کردیتے ہیں اور یہ اعلان کرتے ہیں کہ ملت ایران کو اس امریکی سازش کے خلاف اپنے ردعمل کا مظاہرہ کرنا چاہئے، تہران اورقم میں لوگ مسجد میں اور مراجع تقلید کی رہائش گاہوں پر جمع ہوگئے، آخر کار ایرانی عوام نے اس استصواب کی مخالفت کا اعلان کردیا۔ اس عوامی تحریک کو رو کنے کے لئے پولیس نے فوری طور پر مداخلت کی اور زدوکوب کرکے کچھ لوگوں کو گرفتار بھی کرلیا۔ ادھر علماء قم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے شاہ ایران قم کی طرف روانہ ہوجاتا ہے لیکن شاہ کی آمد کی اطلاع ملنے کے بعد بھی قم کے علماء وعوام اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلتے ہیں شاہ اہل قم کے اس رویہ سے سخت ناراض ہوجاتا ہے چنانچہ حرم میں داخل ہوئے بغیر وہ شاہی قافلے کے ساتھ آئے ہوئے لوگوں پر مشتمل ایک مختصر سے اجتماع میں تمام علماء و طبقہ روحانیت کو گالیاں دینا شروع کردیتا ہے اورعوام کی نظر میں اپنے آپکو پہلے سے زیادہ ذلیل ورسوا کرلیتا ہے۔ آخر کار بہمن ماہ کی چھ تاریخ کو نمائشی استصواب عامہ منعقد ہوتا ہے اور شاہ کے نام نہاد سفید انقلاب کو منظوری حاصل ہوجاتی ہے اس واقعہ کے بعد ۱۳۴۲ھ ش مطابق ۱۹۶۲ء کو نو روز کے موقع پر عام عزاداری کا اعلان کیا جاتا ہے اور لوگ امام خمینی کی اس تحریک کا شاندار استقبال کرتے ہیں اور علماء وعوام کے درمیان قریبی تعلقات کے عظیم الشان مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اس دوران امام خمینی نے اپنی متعدد تقریروں میں شاہی حکومت کی بدعنوانیوں پر زبردست تنقید کی اور ''امسال علماء کے لئے عید نہیں'' انہوں نے اپنے بیان میں شاہی حکومت کی اسلام دشمنی کو بالکل بے نقاب کردیا اورٹھوس دلائل کے ذریعہ یہ ثابت کردیا کہ شاہی حکومت اسلام اور مسلمانوں کی نابودی کی خواہاں ہے۔ امام خمینی اس نام نہاد سفید انقلاب کو انقلاب سیاہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔
دوسری طرف حکومت اپنے جملہ وسائل وامکانات کو بروئے کار لاتے ہوئے اس بات کی کوشش کرتی ہے کہ شاہی منصوبوں کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کا گلا گھونٹ دیا جائے۔ حکومت کے زرخرید غلام پورے ملک میں اسلامی تحریک کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کردیتے ہیں اور شاہی سلامتی تنظیم کو یہ ہدایت دی جاتی ہے کہ وہ مخالفین کو گرفتار کرکے انہیں جیل خانوں میں ڈال دے۔

حکومت کی یہ کوشش تھی کہ وہ طبقہ علماء سے براہ راست نہ ٹکرائے لہٰذا وہ یہ پروپگنڈہ کررہی تھی کہ علماء شاہ کی سلامتی اور اس شاہی حکومت کی بقاء کے لئے دعا کررہے ہیں۔ اس بے بنیاد پروپگنڈہ کی وجہ یہ تھی کہ شاہی افسروں کو علماء کی غیر معمولی طاقت کا اندازہ ہوگیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ اس عظیم طاقت سے نہیں ٹکرانا چاہتے تھے اور مختلف النوع مکروفریب کے ذریعہ شرمناک منصوبے کو کامیاب بنانا چاہتے تھے۔

اسی بنیاد پر فروردین ماہ کی دوسری یا تیسری تاریخ کو شاہی افسروں کی ایک جماعت کو سادے لباس میں قم روانہ کیا جاتا ہے تاکہ وہ امام خمینی کی قیادت وہدایت کے سایہ میں اور علماء وعوام کے باہمی تعاون سے منعقد ہونے والی مجالس میں گڑبڑی پیدا کرکے وہاں باہمی اختلافات کی آگ بھڑکا دے، ان مجالس کا مقصد انقلاب سفید کے پردہ میں پیش کی جانے والی اسلام دشمن سامراجی سازشوں کے سلسلے میں عوام کو بیدار کرنا تھا۔ ان شاہی افسروں نے لٹیروں اور ڈکیتوں کی طرح مدرسہ فیضیہ پر دھاوا بول دیا اور مدرسہ فیضیہ اوراس کے اردگرد قتل عام کا بازار گرم کردیا۔ اس قتلِ عام کی وجہ سے لوگوں میں خوف ووحشت ومایوسی پھیل گئی اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ شاہی حکومت کے خلاف علماء کی اسلامی وعوامی تحریک ومثالی شکست سے دور چار ہوجائے گی۔ لیکن امام خمینی نے بڑی بہادری سے حالات کا مقابلہ کیا اور لوگوں کو ڈھارس اور دلاسہ دیتے رہے۔ انہیں اس بات کا زبردست خطرہ تھا کہ شاہی جلاد ان کے مکان پر بھی حملہ آور ہوسکتا ہیں لیکن وہ ہمت وحوصلہ سے کام لیتے ہوئے اپنے گھر کا دروازہ کھلا چھوڑ دیتے ہیں اور خود آگے بڑھ کر زخمی لوگوں کا استقبال کرتے ہیں اور ضروری علاج فراہم کرنے کے لئے انہیں اسپتال روانہ کرتے ہیں۔ اس شرمناک واقعہ کے بعد امام خمینی اپنے ایک بیان میں شاہی حکومت کی اس وحشیانہ وغیرہ انسانی حرکت کی بھرپور مذمت کرتے ہیں۔ دھیرے دھیرے اس واقعہ کی خبر ایران کے دیگر علاقوں اور اسلامی ملکوں میں بھی پہنچ جاتی ہے اور عالم اسلام میں شاہی حکومت کے مظالم کے خلاف غم وغصہ کی لہر دوڑ جاتی ہے آیت اللہ حکیم شاہی حکومت کے نام ایک اعتراض آمیز ٹیلیگرام روانہ کرتے ہیں اور دوسرے ٹلیگرام میں علماء قم کو نجف اشرف آجانے کی دعوت دیتے ہیں۔ امام خمینی آیت اللہ حکیم کے ٹیلیگرام کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جس منزل پر ہیں وہاں سے واپسی کے امکانات مفقود ہیں اور ہم لوگوں کے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے کہ ہم نے جوراہ اختیار کی ہے اسی پر گامزن رہیں کامیابی یا شہادت دو

چیزوں میں سے ایک بہر حال حاصل ہوگی۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک ایسے ملک میں، جہاں ذلیل خاندان حکومت کررہاہو سکون واطمینان کی زندگی بسر کرنا ذلت ورسوائی کے برابر ہے اور قرآن کریم کی پیروی کرنے والے اس ذلت ورسوائی کو برداشت کرنے والے نہیں بلکہ مردوں جیسی زندگی پر باعزت موت کو ترجیح دیتے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ امت اسلامیہ بالخصوص علماء اعلام باہمی اتحاد اور اسلامی اخوت کے ذریعہ سامراجی سازشوں کو شرمناک شکست سے دوچار کر سکتے ہیں۔

بہر حال مدرسہ فیضیہ کے شہیدوں کے چالیسویں کے موقع پر مجالس عزا کا ایسا لا متناہی سلسلہ شروع ہوتا ہے کہ حکومت کو خطرہ محسوس ہونے لگتا ہے مجلس عزا پر پابندی لگا دی جاتی ہے اور پورے ملک میں چھوٹی بڑی انقلابی سرگرمیوں کو کچلنے کا کام شروع ہوجاتا ہے۔ اسی دوران جہاد وایثار کی تعلیم دینے والا محرم کا مہینہ آجاتا ہے اور ابا عبداللہ الحسین کی عزاداری کے ساتھ ہی ساتھ فیضیہ ودیگر علاقوں کے شہداء کی عزاداری ملک کے ہر گوشہ میں حیرت انگیز جوش وخروش پیدا کردیتی ہے۔ حکومت احتمالی حوادث کو روکنے کے لئے یکے بعد دیگرے متعدد اقدام کرتی ہے اور لوگوں سے مطالبہ کرتی ہے کے عزائے حسینؑ مظلوم کو مظاہروں میں تبدیل کرنے سے پرہیز کریں۔

دوسری طرف امام خمینی علماء وواعظین کے نام اپنے پیغام میں ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اپنی تقریروں میں حکومت کی بدعنوانیوں کو پوری طرح بے نقاب کردیں اور اس کی اسلام دشمن سیاست سے اپنی نفرت وبیزاری کا مظاہرہ کریں ۔ مار پیٹ اورگرفتاری سے خوفزدہ نہ ہوں کیونکہ اسلام خطرہ میں ہے اور وہ لوگ ذمہ دار ہیں۔

بہر حال اسی سال تہرانی عوام نے یوم عاشورہ کو سیاسی مظاہرہ میں تبدیل کردیا اور اپنے فلک شگاف نعروں کے ذریعہ امام خمینی اور ان کے اغراض ومقاصد کی حمایت کا اعلان بھی کردیا، ادھر شہر قم پر انقلابی جوش وخروش طاری ہوجاتا ہے۔ حکومت مراسم عاشورہ کی سرگرمیوں کو روکنے کی بھر پور کوشش کرتی ہے اور طرح طرح کے ہتھکنڈے بھی استعمال کرتی ہے لیکن امام خمینی کی سوجھ بوجھ اور ثابت قدمی کی وجہ سے اس کی ہر کوشش ناکام ہوجاتی ہے۔

۱۵رخرداد کا خونین انقلاب

شاہی حکومت امام کو عوام سے دور رکھنے اور ان کی مقبولیت کو محدود رکھنے میں پوری طرح ناکام

ہوگئی اور ان کی ہدایت کے مطابق ملت اسلامیہ ایران نے شاہی حکومت کے خلاف عظیم الشان مظاہرے برپا کئے ، شاہی حکومت کے خلاف عوامی احتجاج و بغاوت پر قابو پانے کے لئے شاہی حکومت ۱۵/خراد کی شب میں امام خمینی کو گرفتار کرلیتی ہے اور رات کی تاریکی میں انہیں قم سے تہران منتقل کردیتی ہے۔ اس خبرکو سنتے ہی اہل قم گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں اپنے گھروں سے باہر نکل آئے اور ''یا موت یا خمینی'' کے فلک شگاف نعروں کے ساتھ لوگ روضہ معصومہ قم کی طرف بڑھنے لگے قم کے علاوہ تہران ، شیراز اور ملک کے دیگر شہروں میں بھی امام خمینی کی گرفتاری کے خلاف احتجاجی مظاہرے کئے گئے اور لوگوں نے حکومت کے اس شرمناک اقدام کے خلاف عوامی نفرت وبیزاری کا اعلان بھی کیا۔ ابھی اس مظاہرہ کے شروع ہونے کے بعد تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ فضا میں گولیوں کی آواز گونج اٹھی اور قم ''تہران'' اور دیگر ایرانی شہروں میں ہزاروں لوگ خاک وخون میں غلطاں ہوگئے۔

کچھ دنوں بعد حکومت پر عوام اور علماء کے غیر معمولی دباؤ کی وجہ سے امام خمینی کو قید خانے سے آزاد کرکے تہران میں ایک ساواک افسر کے گھر میں نظر بند کردیا جاتا ہے،اس دوران امریکی اشارہ پر اسکے زرخرید غلام امینی نے ۱۹۶۱ء میں جس ایرانی قومی کاؤنسل کو منسوخ کردیا تھا، نمائشی چناؤ کے ذریعہ دوبارہ اس کی تشکیل عمل میں آگئی ۔ اور ایرانی وزیر اعظم اسد اللہ علم جس کے ہاتھ ہزاروں گناہوں کے خون میں ڈوبے ہوئے تھے اور جس نے ۱۵/فروری اور کئی دوسرے قتل عام بھی کرائے تھے، منصور کو اپنا جانشین بنا دیتا ہے۔ اس تبدیلی کے ذریعہ شاہی حکومت ایرانی عوام کے دل سے ۱۵/خردار کے قتل عام کی ساری ذمہ داری سابقہ حکومت پر ڈال دیتی ہے اور ان سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ وہ شاہی حکومت کے درمیان دوتی اور صلح کا ماحول پیدا ہوسکے۔ اس نمائشی تبدیلی کے بعد منصور کی حکومت عوام کو دھوکا دینے اور صلح ودوستی کی زمین ہموار کرنے کے لئے اپنے وزیر داخلہ کو امام کے پاس ملاقات وگفتگو کے لئے بھیجتی ہے اور قتل عام کی ساری ذمہ داری سابقہ حکومت پر ڈال دیتی ہے اور ان سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ وہ شاہی حکومت اور علماء اسلام کے درمیان کوشگوار تعلقات کرنے کا ذریعہ ووسیلہ بن جائیں۔ اس ملاقات کے چند روز بعد امام خمینی کی رہائی کا اعلان کردیا جاتا ہے۔

شہر قم اور حوزۂ علمیہ کے لوگوں کے درمیان امام خمینی کی موجودگی سے عوام کو غیر معمولی روحانی تازگی محسوس ہوتی ہے اور امام خمینی کی قیادت میں اسلامی تحریک کو نئی زندگی حاصل ہوجاتی ہے، قید خانہ

سے رہائی کے چار دن بعد اپنی پہلی تقریر میں امام خمینی اپنے اسلامی موقف پر ثابت قدم رہنے کا اعلان کردیتے ہیں اور اپنی اس تقریر کے دوران وہ یہ بھی اعلان کردیتے ہیں کہ حکومت کی بدعنوانیوں کے خلاف ان کی جدو جہد جاری رہے گی اور علماء وحکومت کے درمیان صلح ودوستی کا یہ پروپگنڈہ محض ایک دھوکا ہے۔ اس کے بعد ۱۵/خرداد انقلاب کی سالگرہ سے قبل اپنی منصوبہ بند پالیسی کے تحت شاہی حکومت ملک کے اکثر واعظین کو گرفتار کرلیتی ہے اور کسی بھی قسم کی مجلس ترحیم وتعزیت پر پابندی لگادیتی ہے ۔ امام خمینی شہداء کی سالگرہ کے موقع پر قومی عزادری کا اعلان کرتے ہیں کہ ایسے حالات میں ترکِ نصیحت اور خاموشی میرے نزدیک گناہِ عظیم اور سیاہ موت کے استقبال کی حیثیت رکھتی ہے۔

ملت ایران امام خمینی کے اس بیان کا استقبال کرتے ہوئے اجتماعات اور مظاہروں کا سلسلہ شروع کردیتی ہے اور عوام وپولیس کے درمیان برہ راست ٹکراؤ ہوتا ہے۔

۱۹۶۳ء میں رونما ہونے والے حوادث کی روشنی میں شاہی حکومت کو اس حقیقت کا بخوبی اندازہ ہوگیا تھا کہ حکومت کے خلاف جاری انقلابی سرگرمیوں میں امام خمینی کا اہم اور فیصلہ کن کردار ہے اور وہ مخالف جماعت کی قیادت کررہے ہیں۔ لہٰذا شاہی حکام یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ انہیں گرفتار کرکے جلا وطن کردیا جائے ۔ اس سلسلے میں فوری قدم اٹھاتے ہوئے اسی سال ۱۳/آبان کو انہیں گرفتار کرکے ترکی میں جلا وطن کردیا گیا۔

امام خمینی کی جلا وطنی

امام خمینی نے اپنی جلا وطنی کے گیارہ مہینے ترکی میں بسر کئے، اس کے بعد شاہی حکومت نے امام خمینی اور ان کی اسلامی تحریک کے خلاف نئی شیطانی سازش کا جال بچھاتے ہوئے انہیں ترکی سے نجف اشرف جانے پر مجبور کردیا۔ اور اس طرح نجف میں جلا وطنی کی زندگی بسر کرتے ہوئے امام خمینی ایرانی عوام اپنی اسلامی تحریک کی قیادت کے فرائض انجام دیتے رہے اور اہم مواقع پر ایرانی عوام وملت اسلامیہ عالم کے نام تاریخ ساز پیغامات بھی جاری کرتے رہے۔

ایران دوبارہ مرکز انقلاب بن جاتا ہے۔

امام خمینی کی جلاء وطنی وناموجودگی کے زمانہ میں شاہی حکومت کو یہ موقع مل گیا کہ ملک وملت کو فساد وتباہی کی طرف راغب کردے، ملکی معاملات میں اغیار واجانب کی مداخلت کو رواج حاصل

ہوجائے اور قومی سرمایہ کی خاطر خواہ لوٹ کھسوٹ پر کوئی پابندی نہ رہے ملک پر مسلط ساوا کی نظام کی مدد سے شاہ کو اپنے ان شرمناک منصوبوں میں قدرے کامیابی بھی حاصل ہوگئی۔ وہ نیزہ کی نوک پر اپنی حکومت اور سامراجی سیاست کو باقی رکھنا چاہتا تھا۔ امام خمینی سے انتقام لینے کے لئے ایک شاہی ایجنٹ کی جانب سے امام خمینی کی توہین واہانت کے لئے اطلاعات اخبار میں ایک مقالہ شائع کیا گیا جس میں امام خمینی کے خلاف جھوٹے اور بے بنیاد الزامات کی بھرمار کی گئی تھی جس نے پوری ملت اسلامیہ ایران کے جذبات برانگیختہ کردیئے اور دیکھتے ہی دیکھتے قم، تبریز ، شیراز، تہران اور بتدریج پورے ملک میں عظیم الشان اسلامی انقلاب کی لہر دوڑ گئی، جاں بکف نوجوان انقلابی سرگرمیوں میں مصروف ہوگئے۔ اور سرزمین ایران پر جہاد وشہادت اور ایثار وقربانی کا ماحول چھا گیا۔

دوسری طرف عراقی حکومت کی طرف سے عائد کی گئی پابندیوں کی وجہ سے ایران میں رونما ہونے والے حوادث کی مکمل اطلاع امام خمینی تک نہیں پہنچ پاتی تھی اسی وجہ سے وہ لوگوں کی بروقت ہدایت اور اسلامی انقلاب کی خاطر خواہ قیادت نہیں کر پاتے تھے چنانچہ انہوں نے عراق سے فرانس چلے جانے کا فیصلہ کیا اور پیرس سے اسلامی انقلاب کی بھرپور وخاطر خواہ قیادت کے فرائض انجام دینے لگے یہاں تک کہ وہ وقت بھی آ گیا جب انہیں یہ محسوس ہوا کہ اب امت اسلامیہ کے درمیان رہ کر قیادت ورہنمائی کی ضرورت ہے لہٰذا انہوں نے وطن واپسی کے سلسلے میں اپنے اٹل فیصلے کااعلان کردیا اور جو وقت مقرر کیا تھا اسی وقت پر ایران پہنچ گئے ۔قدر شناس اور آگاہ بیدار ایرانی عوام اپنے قائد باشعور کا استقبال کرنے کے لئے ہوائی اڈے پر جمع ہوگئے۔ اور ہوائی اڈے سے بہشت زہرا تک عاشقین امام کا جم غفیر اکٹھا ہوگیا ایران میں امام خمینی کی آمد کے دس روز بعد ڈھائی ہزار سالہ شاہی حکومت کا کام تمام ہوگیا اور ملت اسلامیہ کے ٹھوس ارادہ ومستحکم قیادت کے سایہ میں ایران میں اسلامی جمہوری حکومت کی تشکیل میں آگئی۔

امام خمینی نے جس اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی تھی وہ معنوی ارمانات کے اصولوں پر مشتمل اور ہر قسم کی اقتدار پسندی سے کوسوں دور تھی۔ اسلام حکومت کو ایسے معیاری معاشرہ کی تشکیل کا ذریعہ قرار دیتا ہے جہاں برابری ، برادری ، دوستی، محبت صلح وصفائی اور عظمت سربلندی کا بول بالا ہو اور جو انسانِ کامل کی تخلیق کا ذریعہ بن جائے۔ امام خمینی اسلامی احکام اور قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ایسی ہی حکومت کے خواہاں تھے چنانچہ وہ صراط مستقیم وفلاح وکمال پر مشتمل مخلصانہ بندگی کا ماحول فراہم کرنے

کے لئے اس راہ پر گامزن ہوگئے۔

سامراجی ایجنٹ اس بات پر بہت ناراض تھے کہ ایران میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ ناراضگی کے ساتھ ہی ساتھ یہ لوگ ایسی حکومت کی تشکیل سے خوفزدہ بھی تھے لہٰذا انقلاب کے ابتدائی مرحلہ سے ہی اس کے خلاف سازشوں کا جال پھیلانا شروع کردیا اور اس کوشش میں ہمہ تن مصروف ہوگئے کہ امام خمینی اسلامی حکومت کی تشکیل میں کامیاب نہ ہوسکیں اور اسلامی نظامِ حکومت گونا گوں رکاوٹوں کا شکار ہوجائے۔

انقلاب دشمن سازشوں کی بھرمار

اسلامی انقلاب کی نمایاں شخصیتوں کے بے رحمانہ قتل عام، ملک میں بد امنی وقتل غارتگری کی ترویج، فوجی بغاوت، ملک میں خانہ جنگی اور مسلط کردہ جنگ پر مشتمل مختلف سیاسی اور فوجی سازشوں کے ساتھ ہی ساتھ عالمی سامراج نے ثقافتی اور سماجی اداروں میں کام کرنے والے اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ ملک گیر پیمانہ پر ثقافتی سازشوں کا جال بھی پھیلا رکھا تھا، واضح رہے کہ اسلامی انقلاب کے خلاف ثقافتی او سماجی سازشوں کا سلسلہ اس کی عظیم الشان کامیابی کے فورا بعد ہی شروع ہوگیا تھا جنہیں مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

الف :- مذہبی مطلق العنانی کی تشکیل کا پروپگنڈہ

اسلامی جمہوریت اور مسئلہ ولایت فقیہ کے سامنے آتے ہی عالمی سامراج نے اپنے ایجنٹوں کی مدد سے وسیع پیمانے پر یہ پروپگنڈہ کرنا شروع کردیا کہ یہ ملک مذہبی مطلق العنانی کے چنگل میں گرفتار ہوگیا ہے کیونکہ جن بنیادوں پر اس حکومت کی تشکیل عمل میں آتی ہے ان کے تحت عوام کے جائز حقوق اور ان کی آزادی کو خطرہ لاحق ہوجائے گا۔ یہ مرثیہ بھی پڑھاجانے لگا کہ ہزاروں شہیدوں کی عظیم قربانیوں کے نتیجے میں حاصل ہونے والی آزادی کا جلد ہی گلا گھونٹ دیا جائے گا۔ غرض کہ اس قسم کے متعدد پروپگنڈہ کے ساتھ ہی ساتھ عوام کی ہمدردی کے نام پر مگر مچھ کو آنسو بہائے جانے لگے۔

اگر چہ اسلامی جمہوری حکومت کی تشکیل کے بعد آہستہ آہستہ ان پروپگنڈوں کی حقیقت عوام پر ظاہر ہونے لگی تھی اور لوگوں کو یہ اندازہ ہونے لگا تھا کہ یہ محض اسلام دشمن سازشوں کا نتیجہ ہے لیکن پھر بھی ان حالات میں بعض سادہ لوح ذہنوں میں شک اور ذہنی پریشانی کا پیدا ہونا یقینی تھا لہٰذا کچھ

لوگ اسلامی انقلاب سے بدگمان ہو گئے۔

ب:- اسلامی قوانین نا قابل اعتماد در آمد ہیں

چونکہ دشمنان اسلام کا اس مذہب کی تعمیر اوراس کی تعمیری تعلیمات پر کوئی عقیدہ و ایمان نہ تھا اسی وجہ سے یہ لوگ شروع ہی سے اسلامی احکام کی تعمیل کے سخت مخالف تھے۔

چنانچہ جب اسلام اور انقلاب دشمن عناصر کے خلاف قصاص کی پالیسی اختیار کی گئی تو ان لوگوں کو پروپگنڈہ کرنے کے لئے ایک نیا اسلحہ مل گیا ور ریڈیو ٹیلی ویژن اور سامراجی ذرایع ابلاغ یعنی سامراجی اخباروں اور رسالوں کے ذریعہ عالمی سطح پر یہ کوشش کی جانے لگی کہ الٰہی قوانین کو عملی جامہ نہ پہنایا جائے۔ اس کام میں منافقین اور مغرب زدہ آزاد خیال لوگوں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اسلامی احکام وقوانین پر نکتہ چینی کرتے ہوئے انہیں نا قابلِ عمل بتایا گیا۔

ج:- مسئلہ حجاب اور اسکی مخالفت !

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ ہزاروں خدا طلب اور صاحبِ ایمان شہیدوں کے خون کی قیمت ادا کرنے کے بعد اور ملک کے ۹۸ فیصد عوام کے اعتماد کے سہارے جس مقدس اسلامی جمہوریت کی تشکیل عمل میں آئی تھی اس میں طاغوتی واسلام دشمن مناظر کی جلوہ نمائی کو جائز کیسے قرار دیا جاسکتا ہے چنانچہ اسلامی حکومت کی تشکیل کے بعد حکومت کے ذمہ دار افسروں نے یہ اعلان کیا کہ مسلمان خواتین کا با حجاب رہنا لازمی ہے کیونکہ انہیں اپنی مذہبی روایات کا تحفظ کرنا ہے۔ یہ اعلان شہوت پرست اور شیطان زدہ لوگوں کو اچھا نہ لگا اور انہوں نے اعتراض کرنا شروع کردیا۔

سماج میں اخلاقی مفاسد کی روک تھام اور معاشرہ کی مکمل اصلاح وسلامتی کیلئے اپنائے گئے اس قانون کی مخالفت کرنے والے لوگ سامراجی ایجنٹ تھے جنہوں نے بعض سادہ لوح لوگوں کو بھی اپنا ہم خیال بنا لیا تھا۔

د- اسلامی نظام کے خلاف عالم نما لوگوں کی نمائش

تاریخ گواہ ہے کہ اسلام کو ہمیشہ مقدس مآب افراد اور نام نہاد علماء کی ذات سے غیر معمولی نقصان پہنچا ہے۔ عام لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے عالمی سامراج کچھ ایسے لوگوں کو اپنا زرخرید غلام بنا لیتا ہے جو عالم اور مقدس ہونے کا ڈھونگ کئے رہتے ہیں یہ عالم نماافراد معاشرہ کو انحراف اور بے راہ

روی کی طرف راغب کرنے لگتے ہیں۔

ملک میں اسلامی نظامِ حکومت کی تشکیل کے بعد بھی عالمی سامراج نے اپنے اس ہتھکنڈے کا بھر پور استعمال کیا لیکن محافظین انقلاب نے اپنی سوجھ بوجھ سے دشمن کی اس سازش کو ناکام اور ان عالم نما لوگوں کو سماج کے سامنے بالکل بے نقاب کردیا۔ اورعوام نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ شرعی اقدام کو غیر شرعی قرار دینے والے یہ تمام لوگ وہی ہیں جو شاہی حکومت کے زمانے میں شاہ کا قصیدہ پڑھا کرتے تھے اور اسلامی انقلاب کے دوران خاموش تماشائی کا کردار ادا کررہے تھے۔ اور اسلامی نظام سے ان کی عداوت لوگوں کے اردگرد سامراجی ہتھکنڈوں کی موجودگی کی دلیل تھی۔

یہ محض سادہ خیالی نہیں ہے کہ ملک کی سرحدوں پر دشمن کی فوج نے قبضہ کرلیا ہے اوران عالم نمالوگوں میں سے ایک یہ اعلان کرتا ہے کہ جنگ میں مداخلت اور دشمن کے وحشیانہ حملات سے ملک وملت کے دفاع میں مصروف سپاہیان اسلام کی حمایت امام زمانہ کے خلاف جنگ کے مترادف ہے۔ یہ اعلان خود یہ بتارہاہے کہ یہ سامراجی خواہش ہے جس کا اعلان ان تمام نام نہاد علماء کی زبان سے کرایا جارہاہے۔

بہر حال امام خمینی اس قسم کے حوادث اور ایسے لوگوں سے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک رنجیدہ رہے اور متعدد بار اپنی قوم کے سامنے اس گہرے رنج کا اظہار بھی کیا ہے یہ کج فکر افراد ہمیشہ اس کوشش میں رہا کرتے تھے کہ اسلامی جمہوریہ کی طرف سے کوئی قدم اٹھایا جائے اور وہ اس کو خلاف شرع قرار دیں۔

یہ لوگ دین سے سیاست کی جدائی وعلیحدگی کا نعرہ بلند کرتے ہوئے امام زمانہ (عج) کی عالمی حکومت سے قبل کسی حکومت کی تشکیل کو غیر شرعی قرار دیتے ہوئے اس سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں! اگر چہ اپنے اس موقف کی وضاحت کے لئے کوئی دلیل پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

عالمی سامراج نے ان مقدس مآب افراد کی آڑ لے کر اسلامی جمہوریت پر شدید حملے شروع کردیئے اور سامراج غلام عناصر اسلامی انقلاب کے خدمت گزاروں کو کمیونسٹ، مذہب دشمن اور کافر وفاجر ثابت کرنے کی کوشش میں ہمہ تن مصروف ہوگئے تاکہ اس نظام کو موضوع سوال قرار دے سکیں اور ملت اسلامیہ کے ایک بڑے حصہ کو انقلابی سرگرمیوں سے الگ کردیں لیکن امام خمینی نے اپنی دانشمندانہ قیادت کے ذریعہ اس سامراجی ہتھکنڈے کو بھی ناکام کردیا۔

و:- انقلاب کے خلاف انسانی حقوق کا کوڑا

انسانی حقوق درحقیقت ایک دلکش انسانی موضوع کی حیثیت سے عالمی سامراج کے ہاتھوں میں ایک حربہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور عالمی سامراج جہاں ضروری سمجھتا ہے اس حربہ کو استعمال کیا کرتاہے۔ یہ بات دنیا کے کسی آدمی سے پوشیدہ نہیں رہ گئی کہ سردست انسانی حقوق تنظیم ایک ایسی کٹھ پتلی کی طرح ہے جس کو دنیا کے آزاد ملکوں کے خلاف استعمال کیا جاتا ہے ۔ چونکہ اس کٹھ پتلی کا دھاگہ بڑی طاقتوں کے ہاتھ میں ہے لہٰذا اشارہ پاتے ہی یہ انکی مرضی کے مطابق رقص کرنے لگتی ہے۔

اپنی سامراجی ماہیت کی وجہ سے اسلامی انقلاب سامراجی حملات سے محفوظ نہ رہ سکا اور اس کے خلاف انسانی حقوق سے بہتر اسلحہ اور کیا ہوسکتا ہے! لہٰذا اس انقلاب کے خلاف انسانی حقوق کا یہ کوڑا شروع ہی سے ہوا میں لہرانے لگا۔

حقوقِ بشر کی حفاظت کا ڈھونگ کرنے والوں نے فلسطین، لبنان، ارتیرہ، افغانستان، عراق وغیرہ میں اپنے غلاموں کی طرف سے بے گناہوں پر کئے جانے والے وحشیانہ مظالم کو پوری طرح نظر انداز کرکھا ہے ان لوگوں کی آنکھیں ان اعلانیہ مظالم کو دیکھنے سے عاجز ہیں اور دنیا کی آزاد سامراج دشمن حکومتوں میں قید خانوں کی زبوں حالی اور حقوق بشر کی پامالی کا راگ ہر وقت انکی زبان پر رہا کرتا ہے حالانکہ ان لوگوں کو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ جس ملک کی یہ لوگ بات کررہے ہیں وہ دنیا کے کس حصہ میں واقع ہے، مختصر لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ تنظیم بھی دنیا کی آزادی طلب اور عوامی تنظیموں کو کچلنے میں ہمہ تن سرگرم ہے۔

مسلمانوں کے درمیان تفرقہ واختلاف کی ایجاد

دنیا میں تفرقہ واختلاف پیدا کرنا سامراج کا کامیاب ترین حربہ رہاہے اور اب تک وہ اس حربہ کو استعمال کرتے ہوئے دنیا کے مختلف ملکوں میں اپنے سامراجی مقاصد کو عملی جامہ پہنا چکاہے۔

چنانچہ اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد اس انقلاب کی سامراج مخالف پالیسی کو نگاہ میں رکھتے ہوئے انقلاب دشمن وفتنہ انگیز مراکز کی سرگرمیوں میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا اور امت اسلامیہ کے درمیان تفرقہ واختلاف پیدا کرنے کا کام شروع کردیا۔

اس سلسلے میں سامراج نے عوام کے درمیان موجود قومی اور مذہبی فرقہ کا بھر پورا ستعمال کیا اور قومی ومذہبی جنگ چھیڑ دی، اسلامی انقلاب کی کامیابی کے فورا بعد قومی کشمکش اور شیعہ سنی مسئلہ کی ایجاد سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ عالمی سامراج اس کے ذریعہ اپنے شرمناک مقاصد کو عملی جامہ پہنانا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کامیابی انقلاب کے فوراً بعد عوام پسندانہ قومی موضوعات کے تحت قومیت کے احیاء کے لئے وسیع پروپگنڈہ شروع کردیتا ہے اور قومی جذبات کے پردہ میں آپسی جدائی اور بٹوارہ کی راگ بھی الا پنے لگتا ہے۔ اس مقصد میں کامیابی کے لئے عالمی سامراج سنی اکثریت والے علاقوں میں داخل ہو اور سنی شیعہ عقائدی اختلافات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا شروع کردیا تا کہ دونوں جماعتوں کے درمیان جھگڑا پیدا ہوجائے۔

عالمی سامراج نے سنی شیعہ اختلاف کی آگ کو بھڑکانے میں فقط ایران کی سرحدوں کو ہی کافی نہیں سمجھا بلکہ اس نے عالمِ اسلام میں مسئلہ عرب وعجم کی بات شروع کی۔ پھر اسلامی انقلاب کو شیعہ انقلاب بتاتے ہوئے اس عظیم انقلاب کو فقط ایک جماعت کے اندر محدود کرنے کی کوشش کی۔

عالمی سامراج اسلامی ممالک میں انقلابی اقدار کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور مسلمانوں میں اسلامی بیداری کے فروغ سے بہت خوفزدہ تھا لہٰذا اس نے اختلاف وتفرقہ بڑھانے کے لئے بھاری رقم بھی خرچ کی اور اسلامی ممالک میں اپنے مقاصد کی حفاظت کے لئے مختلف النوع افراد وعوامل کا بھر پور استعمال کیا۔ اس سلسلے میں کج فہم وانحرافی لوگ آگے بڑھے اور عالمی سامراج کی ہرممکن خدمت انجام دینے کے لئے ہمہ تن آمادہ ہوگئے۔

امام خمینی نے اسلامی انقلاب کی کامیابی کی ابتداہی میں عوام کو اس سامراجی سازش کی طرف بخوبی متوجہ کردیا تھا اور محافظین انقلاب کو یہ ہدایت دی تھی کہ وہ دانشمندانہ راہ وروش کے ذریعہ دشمن کی اس شرمناک سازش کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ چنانچہ امام خمینی کی قیادت اور ملک کے ذمہ دار افراد کی ذہانت وشجاعت کے ذریعہ دشمن کی یہ ساش کافی حد تک ناکام ہوگئی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اسکی وجہ سے مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کے درمیان ٹھوس اتحاد کی زمین بھی ہموار ہوگئی اور آج عالمی سطح پر سامراج کی اسلام دشمن سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لئے دنیا بھر کے سنی وشیعہ مسلمان ایک ہی صف میں کھڑے ہوئے ہیں اور مسلمانوں نے عالمی سامراجیت کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک عالمی اسلامی محاذ بنا رکھا ہے اور دونوں جماعتیں مثالی اتحاد کے ساتھ اسلام دشمن طاقتوں سے برسرِ پیکار

ہیں۔

انقلاب کے خلاف زہر آلود پروپیگنڈہ

عالمی سامراج اپنے جھوٹے اور بے بنیاد پروپگنڈہ کے ذریعہ مقدس اسلامی جموری نظام کے چہرے کو داغدار بنانے کی ہر ممکن کوشش میں سرگرم رہاہے اور اس سلسلے میں مختلف زہر آلود اور بے بنیاد پروپیگنڈوں مثلا ایران، اسرائیل خفیہ تعلقات ! ایران امریکہ تعلقات! اسرائیل سے اسلحوں کی خریداری ! دہشت گرد گروہوں کی برآمد! اوردنیا کے فلاں حادثہ میں ایران مفروضہ مداخلت کا سہارا لیا ہے۔ ان جھوٹے اور بے بنیاد پروپیگنڈوں کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ دنیا کے تمام ملکوں میں اسلامی انقلاب کے طرفداروں کو اس انقلاب سے بدگمان کردے۔

عالمی سامراج کو اس کام میں متعدد خبر رساں اداروں، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارورسالوں کی بھرپور حمایت حاصل رہی ہے اور ابتدائی انقلاب سے لے کر اب تک اسلامی جمہوریہ ایران کے نورانی چہرہ کو داغدار بنانے کی بارہا کوشش کرچکاہے لیکن ہر بار انقلاب کی الٰہی اور روحانی برکتوں سے ان زہر آلود پروپیگنڈوں کا بھانڈا پھوٹ گیا اور اسلامی انقلاب کے خلاف عالمی سامراج کی عداوت ناکام ہوکر رہ گئی۔

اقتصادی سازشیں

عالمی سامراج نے اسلامی انقلاب کے خلاف اقتصادی سازشوں کا بھی جال پھیلایا اور ایک بین الاقوامی اقتصادی سازش کے ذریعہ اسلامی انقلاب کو نابود کرنے کی ناکام کوشش کی۔ ان سازشوں کی فہرست میں انقلاب کے خلاف اقتصادی ناکہ بندی، تیل کی قیمت میں بھاری گراوٹ، ملک کے معدنی ذخائر میں کمی اور قومی سرمایہ کو غیر قانونی طور پر ضبط کیا جانا وغیرہ شامل ہیں۔

امام خمینی نے ان تمام اقتصادی سازشوں کے خلاف اپنی آواز بلند کی اور اپنی ہوشیاری واقتصادی سوجھ بوجھ کے ذریعہ ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیااور عالمی سامراج کی ان شرمناک سازشوں کوکامیاب نہیں ہونے دیا جبکہ ان میں سے ہر سازش اتنی خطرناک تھی کہ طاقتور ترین حکومتوں کو بھی صفحہ ہستی سے مٹایا جاسکتا ہے اور پہلے بھی دنیا کی مختلف حکومتوں کو ایسی سازشوں کے ذریعہ نابودی کا شکار بنایا جاچکا ہے۔

مختصر لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام، اسلامی انقلاب اور اسلامی جمہوریت کے خلاف

جھوٹے پروپگنڈوں کا لامتناہی ہی سلسلہ جاری ہے جس کا بنیادی مقصد مسلمانوں کے درمیان ایسے اسلام کی ترویج مقصود ہے جو مغربی تہذیب کی تڑک بھڑک اور فساد آمیز رعنائیوں کے خلاف مہر بلب رہنے کی تعلیم دیتا ہو۔ خداوند عالم کی عظمت و بزرگی کے اعتراف میں ہر لحہ اللہ اکبر کہنے والے مسلمانوں کو یہ باور کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ کھڑی کرے کہ مصلحت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے حسب ضرورت خانہ کعبہ کے بجائے سفید محل کی طرف سجدہ کرلیا جائے تو معاذ اللہ کوئی حرج نہیں ہے۔ جی نہیں ! یہ ایک انحرافی فکر ہے اور اسلام اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ حقیقی اسلام محمدی کے علمبردار ختمی مرتب حضرت محمدؐ نے اس دور کے سیکڑوں خداؤں کی نفی وتردید کرتے ہوئے یہ اعلان کیا تھا۔ ''قولوا لااله الا الله وتفلحوا ۔'' جی ہاں ! ہماری فلاح وبقا کا راز ہی یہی ہے کہ ہم خدای وحدہ لاشریک کے مقابلے میں ہر طاقت کی تردید کا اعلان کرتے ہوئے ایک خدا کی عبادت و بندگی میں سرگرم رہیں۔ خدای واحد پر ہمارا اٹل ایمان واعتقادی ہی ہماری بقا کی ضمانت ہے ۔

امام خمینیؒ اور اسلامی وحدت واتحاد

مولانا اسحٰق مدنی

ہمارے زمانے میں جو چیز ''اسلامی انقلاب'' کے نام سے ظہور پذیر ہوئی ہے وہ دوست اور دشمن ہر ایک کے تصورات سے بالاتر تھی۔ مختلف ممالک میں اسلامی تحریکوں کی مسلسل شکست کی وجہ سے مسلمان یہ سوچنے لگے تھے کہ جو وسائل و امکانات دشمنانِ اسلام کے اختیار میں ہیں ان کو دیکھتے ہوئے اسلامی حکومت کی تشکیل عملاً ممکن نہیں ہے۔ دوسری طرف مخالفین اسلام بھی اپنے منصوبوں اور سازشوں کے تحت مطمئن ہو چکے تھے کہ خود مسلمان اور اسلامی ملتوں کے درمیان انھوں نے مذہب، قوم، نژاد اور مسلکی مسائل کے نام پر جو اختلافات پیدا کردیئے ہیں ان کی بنیاد پر ان ممالک میں ''اسلامی حکومت'' نام کی کوئی شئے وجود میں لانا اب کسی کے بس کی بات نہیں رہ گئی ہے۔ خود ایران کے اندر گزشتہ پچاس برسوں میں پہلوی حکومت کے ہاتھوں اسلام کی جڑیں اکھاڑ پھینکنے کی کوششیں کی گئیں، پہلوی شہنشاہیت نے نہ صرف اپنے دربار میں بلکہ ملک کے تمام حساس مقامات پر اخلاقی اقدار کی پامالی کا بازار گرم کر رکھا تھا، شاہ ایران نے ڈھائی ہزار سالہ شہنشاہیت کا جشن برپا کر کے، جو دراصل مجوسیت کا مظہر تھا، اور جس نے ہجری تاریخ کا نام شہنشاہی تاریخ میں تبدیل کر کے، عالمی کفر اور استعمار کے تسلط کے لیے مکمل طور پر زمین ہموار کردی تھی۔ ایک ایسے ملک میں اسلامی انقلاب کی کامیابی یقیناً ناقابلِ تصور اور غیر معمولی چیز تھی۔

بلاشبہ جس ہستی نے اس انقلاب کی قیادت و رہبری کی، اور تمام تر ملکی و غیر ملکی رُکاوٹوں اور مادّی وسائل کی کمی کے باوجود پوری ملت کو اپنے گرد جمع کر کے اس نے نہ صرف اس اسلامی انقلاب کو ایران میں کامیابی سے ہمکنار کیا بلکہ پورے عالمِ اسلام میں اسلامی حریت کا بیج چھڑک دیا اور مسلمانوں میں ایک نئی امنگ اور ولولہ کے ساتھ بیداری و آ گاہی کی انقلابی کیفیت پیدا کردی۔ یقیناً یہ ہستی عالم اسلام کی ایک غیر معمولی اور استثنائی شخصیت کی حامل ہے۔ ظاہر ہے اس عظیم ہستی نے مسلمانوں کی آ گاہی و بیداری، ان کے درمیان اتحاد و یکجہتی، اور ان کے امراض کی تشخیص اور علاج کے سلسلہ میں بے پناہ زحمتیں اور مشقتیں اُٹھائی ہیں۔

اس وحدت اور استقلال و آزادی کی راہ میں امام خمینی طاب ثراہ نے جو کوششیں کی ہیں نہ تو ان کا احصاء کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی دنیا کی بڑی سے بڑی لکھنے اور بولنے والی شخصیت ان کو بیان کرسکتی ہے۔ میں نے وہ گفتگو اور تقریریں جو حضرت امام خمینی قدس سرہٗ نے صرف ایک ماہ اردیبہشت ۱۳۵۸ ہجری شمسی (اپریل ومئی ۱۹۷۹ء) کے دوران ملاقاتیوں کے سامنے مختلف جلسوں میں بیان فرمائی ہیں ان کا مطالعہ کیا اور دیکھا کہ شاید ہی کوئی ایسی نشست ہو جس میں آپ نے امت مسلمہ کے اصل مرض ''اختلاف اور فرقہ بندی'' کو ختم کرنے اور باہم ''وحدت و اتحاد'' قائم کرنے کے سلسلہ میں سخت تاکید و نصیحت سے کام نہ لیا ہو۔

حضرت امام خمینی قدس سرہٗ یکم اردبہشت (۲۱/اپریل ۱۹۷۹ء) کو سعودی عرب سے آنے والے علماء کے ایک وفد کے سامنے جو وہاں کی بڑی شخصیتوں کی نمائندگی کر رہا تھا فرماتے ہیں:

''میں چاہتا ہوں کہ اسلامی امتیں اُٹھ کھڑی ہوں اور ''وحدت کلمہ'' کے ساتھ اسلام اور ایمانی قوت پر بھروسہ کرتے ہوئے غیروں پر اور ان تمام طاقتوں پر جو ملت کو ہمیشہ اپنے اختیار اور تسلط میں رکھنا چاہتی ہیں غلبہ حاصل کریں، صدر اسلام میں مسلمانوں کی کامیابی کا راز یہی 'وحدتِ کلمہ' اور ایمانی قوت تھی۔''

اسی طرح ۲/اردبہشت (۲۲/اپریل ۱۹۷۹ء) کی تقریر میں فرماتے ہیں:

''اور اب احساس بھی کرتا ہوں اور لمس بھی کرتا ہوں کہ اگر ملت آپس میں اتحاد پیدا کرلے، اور مختلف اسلامی جماعتیں ایک ہوجائیں تو بڑی طاقتیں بھی ان کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔''

۴/اردیبہشت (۲۴/اپریل ۱۹۷۹ء) کو انتظامیہ پولیس اور شہر ساوہ کے عوام کے سامنے فرماتے ہیں:

''میں اُمید رکھتا ہوں کہ یہ اتحاد و ''وحدتِ کلمہ'' جو ہماری ملت کے تمام طبقوں کے درمیان موجود ہے، باقی رہے اور اسی وحدتِ کلمہ کے سہارے اسلامی تحریکیں آگے بڑھیں اور اسلامی حکومتِ عدل قائم کر کے تمام طبقے اپنے حقوق حاصل کریں۔''

۵/اردبہشت (۲۵/اپریل ۱۹۷۹ء) کو آمل سے آئے ہوئے لوگوں کے ایک گروہ سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''کامیابی کا راز ایران نے پالیا ہے، خدا پر یقین اور وحدتِ کلمہ اس کا راز ہے۔ اس

وحدت کلمہ کی حفاظت کیجئے۔''

اسی طرح شہر لوئی سے آنے والے ایک وفد کے سامنے ۷/اردیبہشت (۲۷/اپریل ۱۹۷۹ء) کو آپ فرماتے ہیں:

''خداوند تبارک وتعالیٰ اگر توفیق دے اور ہم اور ہماری ملت اس راز کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے تو مجھے اُمید ہے کہ ہم اس اسلامی حکومت اور اسلامی احکام کو استقرار دے سکتے ہیں لیکن اس کیلئے وحدتِ کلمہ کی ضرورت ہے، ہماری ملت کو اتحاد و یکجہتی باقی رکھنا چاہیے وہ ملّتیں جو مختلف شہروں اور علاقوں میں ہیں ہماری اس کوشش میں شریک ہوں اور سب کے سب متحد اور ایک آواز ہوکر اسلامی جمہوریہ اور اسلام کے مقدس احکام کی طرف آگے بڑھیں۔''

مورخہ ۸/اردیبہشت (۲۸/اپریل ۱۹۷۹ء) کو حضرت امام خمینی قدس سرہٗ حبیب بورقیبہ کے خط کے جواب میں فرماتے ہیں:

''مجھے امید ہے کہ اسلامی جمہوریہ (ایران) دنیا بھر کے مسلمانوں کے درمیان اتفاق و وابستگی کے سلسلہ میں اپنا مؤثر کردار ادا کرتا رہے گا۔''

۱۵/اردیبہشت (۵/مئی ۱۹۸۹ء) اسلامی تحریک آزادی کے مختلف جماعتوں کے نمائندوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہم اسلامی وحدت کو اپنا شعار بنائیں، وحدت کے ساتھ اور 'لا الہ الا اللّٰہ' کے پرچم تلے رہ کر ہی ہم کامیاب ہوسکتے ہیں۔ جب تک دنیا کے مسلمان ایران میں رونما ہونے والے اس راز سے آگاہی پیدا نہیں کرتے، کامیاب نہیں ہوسکتے۔''

۱۷/اردیبہشت (۷/مئی ۱۹۸۹ء) کو صومالیہ کے سفیر سے ملاقات کے دوران فرماتے ہیں:

''اسلامی حکومتوں کو باہم ایک حکومت کی مانند ہونا چاہیے، یہ سب ایک وسیع معاشرہ کی طرح ہیں، ایک پرچم ہے، ایک کتاب ہے اور ایک پیغمبر ہے۔ ان کو ہمیشہ متحد رہنا چاہیے اور آپس میں ہمہ جہت تعلقات و روابط رکھنا چاہیے چنانچہ اگر یہ آرزو پوری ہوجائے اور اسلامی حکومتوں میں ہمہ جہت وحدت پیدا ہوجائے تو امید ہے وہ اپنی مشکلات پر قابو پالیں گی اور دیگر تمام طاقتوں کے مقابل ایک بڑی طاقت بن کر سامنے آئیں گی۔''

۲۱/اردیبہشت (۱۱/مئی ۱۹۸۹ء) کو ڈاکٹر مصدق اسپتال کے ڈاکٹروں اور کارکنوں نیز

''ہلالِ احمر'' کی منتظم جماعت کے مجمع میں تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ وحدتِ کلمہ محفوظ رہنا چاہیے کیونکہ اگر خدانخواستہ یہ وحدتِ کلمہ ہاتھ سے چلی گئی اور خدانخواستہ ہم شکست سے دوچار ہوئے تو پھر کبھی ایران کے چہرے پر اس کی شادمانی لوٹ کر نہ آسکے گی۔ لہٰذا ہم سب کا فریضہ ہے کہ اس تحریک کی حفاظت کریں اور وحدتِ کلمہ کو محفوظ رکھیں۔''

اسی طرح اصفہان کی عدلیہ سے تعلق رکھنے والے ایک گروہ کے سامنے، جو آپ کی خدمت میں ۲۳/اردی بہشت (۱۳/مئی ۱۹۸۹ء) کو ملاقات کیلئے آیا تھا آپ نے فرمایا:

''آپ جانتے ہیں کہ یہ تحریک جو اس منزل تک پہنچی ہے، تمام طبقوں کے درمیان اتحاد اور اسلام سے وابستگی کی برکت کی وجہ سے ہے۔''

۲۴/اردی بہشت (۱۴/مئی ۱۹۷۹ء) کو ہندوستان و پاکستان سے آئے ہوئے ایک وفد سے فرماتے ہیں:

''وہ مختصر سے افراد ، جو آج سازشوں میں مصروف ہیں، انشاء اللہ بہت جلد ہی نابود ہوجائیں گے۔ جو اس خیالِ باطل میں گرفتار ہیں کہ ایک شجاع قوم کے خلاف وہ سازش کرسکتے ہیں، وہ دفن کردیئے جائیں گے لیکن شرط یہ ہے کہ مستضعفین وحدتِ کلمہ کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ تمام گروہ آپس میں متحد رہیں جیسے وہ اب تک باہم متحد رہے ہیں، اور اس تحریک کو وحدتِ کلمہ کے ساتھ خداوند عالم پر بھروسہ کرتے ہوئے یہاں تک پہنچایا ہے اور بڑی بڑی دیواروں کو گرایا ہے اب اس کے بعد بھی آپس میں متحد رہیں اور اس (کامیابی کے) راز کی حفاظت کریں۔ کامیابی کی کلید اپنے ہاتھ میں رکھیں، اگر یہ راز یعنی وحدتِ کلمہ خدائے عظیم پر بھروسہ اور خدائے عظیم کی طرف توجہ کے ساتھ محفوظ رہے، اگر مسلمان اس راز کی حفاظت کریں تو آخری کامیابی ان کے ہاتھ ہے۔''

حضرت امام خمینی قدس سرہ ایرانی تاجرین کے مختلف گروہوں کے مجمع میں ۲۵/اردیبہشت (۱۵/مئی ۱۹۸۹ء) کو فرماتے ہیں:

''سب کی ایک عمومی ذمہ داری ہے اور وہ یہ کہ ہم سب اپنی تمام تر قوت و طاقت کے ساتھ کوشش کریں کہ یہ انقلاب محفوظ رہے، یہ وحدت کلمہ محفوظ رہے، یہ انقلابِ الٰہی انقلاب کی صورت میں محفوظ رہے۔''

۳۱/اردیبہشت (۲۱/مئی ۱۹۸۹ء) کو جنوبی لبنان کے شیعوں کی نمائندہ جماعت سے

خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کو پہچانیں اور خود اپنے کو بھی پہچانیں، اس فکر میں نہ رہیں کہ بڑی طاقتیں بہت طاقتور ہیں۔

جی نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

اپنے امور کی ادائیگی میں بھی اپنے آپ کو پہچانیں اور سب کے سب باہم جمع ہوں، باہم اتحاد برقرار رکھیں تاکہ انشاء اللہ کامیاب ہوں اور انشاء اللہ کامیاب ہوں گے۔ مجھے امید ہے یہ انقلاب اور تحریکیں جو مسلمانوں کے درمیان وجود میں آ چکی ہیں، ہر جگہ متحد رہیں گی اور وحدتِ کلمہ کے ساتھ خداوند تبارک و تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہوئے، جو تمام کامیابیوں کا سرچشمہ ہے، آگے بڑھیں گی اور تمام اسلامی ممالک متحد ہوکر پرچم اسلامی کے زیرسایہ خوشحالی اور عزت کی زندگی بسر کریں گے۔

جب انسان دقت نظر سے کام لیتا ہے اور غور وفکر کرتا ہے تو یہ بات اس پر روشن ہوجاتی ہے کہ امام خمینی طاب ثراہ کی تمام تر توجہ ''وحدت'' واتحاد پر رہی ہے چنانچہ جیسا کہ میں عرض کرچکا ہوں، عالمِ اسلام کا اصل مرض یہی ہے۔ اسی وجہ سے امام قدس سرہٗ اتحاد و وحدت پر، جو اس کا واقعی علاج ہے، اس قدر زور دیتے ہیں اور اس راہ میں بے انتہا زحمتیں برداشت کرتے ہیں، اگرچہ ہوتا یہ ہے کہ جب انسان کو اپنی زندگی میں ایک کامیابی حاصل ہوجاتی ہے تو درحقیقت وہ ایک طرح کا آرام وسکون محسوس کرتا ہے لیکن چونکہ حضرت امام خمینی قدس سرہٗ کا مقصد صرف ایرانی مسلمانوں کی کامیابی تک محدود نہ تھا، لہٰذا وہ اس کامیابی کے باوجود پوری دنیا کے مسلمانوں کو متحد کرنے کے سلسلہ میں اپنی مجاہدانہ کوششیں جاری رکھتے ہیں، ایک جملہ جو آپ نے عید قربان کی مناسبت سے ارشاد فرمایا ہے اس حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے کہ شاید وہی احساس جو کامیابی سے قبل آپ کے قلب میں پایا جاتا تھا رحلت کے وقت بھی آپ کے قلب میں موجزن تھا اور وہ جملہ یہ ہے:

''اسلام کے لیے اور مسلمانوں کے لیے مبارک دن وہ ہے جب ظالموں کا ہاتھ قلم ہوجائے اور وہ اسلامی ممالک میں خون چوسنے کے قابل نہ رہ جائیں۔''

یعنی آپ نے عید کو اس دن پر موکول کردیا جب دنیا بھر کے مسلمان حقیقی معنوں میں استقلال و آزادی پیدا کرلیں اور ایسے حالات میں زندگی گزاریں کہ ان کے سروں پر بڑی طاقتوں کا وجود باقی نہ رہے اور واقعی طور پر انھیں استقلال و آزادی نصیب ہو۔''

یہاں اس نکتہ کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ وہ مرض جو امام خمینیؒ نے اس امت کے لیے تشخیص کیا، ایسا نہیں ہے کہ کسی دوسرے نے یہ مرض تشخیص نہ کیا ہو اور اس راہ میں تلاش و کوشش نہ کی ہو، لیکن وہ خصوصیت و امتیاز جو امام خمینیؒ ان مسائل میں رکھتے تھے شاید ان میں نہ ہو درحقیقت بہت سی شخصیتوں نے اس مرض کی تشخیص کی تھی اور اس کے علاج کی صورت بھی وہ جانتے تھے مگر وہ علاج میں کامیاب نہ ہوسکے۔ یہ فضیلت حضرت امام خمینیؒ کے نصیب میں تھی کہ مرض اور اس کے علاج کی تشخیص کے بعد علاج میں کامیاب بھی ہوئے اور اس کی کچھ خاص وجوہات تھیں جن کا ہم آخر میں ذکر کریں گے۔

پس مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس منزل میں ان شخصیتوں کا بھی ذکر کردیا جائے جنھوں نے اس راہ میں زحمتیں اُٹھائی ہیں اور اسی ضمن میں ہم یہ بھی بتانا چاہیں گے کہ کیوں امام خمینی قدس سرہٗ اس راہ میں کامیاب ہوئے اور وہ لوگ اس علاج میں کامیاب نہ ہوسکے۔ اگرچہ بہت سے لوگوں نے اس راہ میں تگ و دو اور کوششیں کی ہیں، لیکن ان میں سے بعض کی زحمتیں محدود پیمانے پر تھیں اور مختلف وجوہات کی بنا پر اور وسائل و امکانات کے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے کامیاب نہ ہوئے یعنی ان کو وہ وسائل نہ مل سکے کہ ان کی خدمتیں پورے عالم اسلام تک پہنچ سکتیں۔ اس منزل میں خاص طور پر ہم چار شخصیتوں کے نام لینا چاہیں گے جنھوں نے اس راہ میں بڑی کوششیں کی ہیں۔

عالمِ اسلام کی ان اہم شخصیتوں میں سے ایک عظیم ہستی، جسے ہمیشہ عالم اسلام کی نجات کی فکر رہی، سیّد جمال الدین اسدآبادی ہیں جنھوں نے امت اسلامی کے درمیان اتحاد پیدا کرنے اور عالم اسلام کو استقلال دلانے کے سلسلہ میں بے پناہ کوششیں کی ہیں۔ سیّد جمال الدین نے بھی حضرت امام خمینیؒ کی طرح ملّتِ اسلامی کی بیماری اور اس کا علاج تجویز کرلیا تھا، جس طرح امام فقید طاب ثراہٗ ہمیشہ وحدت اور اس کے راز کے بارے میں گفتگو فرماتے رہتے تھے۔ سیّد جمال الدین کا بھی یہی کردار رہا، وہ بھی ملّت اسلام کا علاج اتحاد اور صدر اسلام کی طرف بازگشت خیال کرتے تھے لیکن افسوس ان کی تمام کوششیں جو دراصل اتحاد و یکجہتی اور ملّت اسلام کے استقلال کے لیے تھیں خود ان کی زندگی میں بارآور نہ ہوسکیں۔

دوسری شخصیت جس نے عالمِ اسلام خاص طور پر عرب دُنیا کو بیدار کرنے کے سلسلہ میں

قابل ذکر کردار ادا کیا اور ہر ہر قدم پر سیّد جمال الدین اسدآبادی کے ہمراہ رہی مفتی شیخ محمد عبدہ کی ذات تھی اور یہ بھی اپنی محنتوں کا پھل دیکھنے سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہوگئے۔

تیسری شخصیت جس نے اسلامی وحدت و استقلال کی راہ میں سیّد جمال الدین اسدآبادی اور مفتی عبدہ کی نسبت زیادہ تر اثرات چھوڑے ہیں اقبالؒ لاہوری کی ذاتِ گرامی ہے، لیکن یہ بھی بعض وجوہات کی بنا پر اپنے کام میں کامیاب نہ ہوسکے۔ ایک تو اپنی زندگی کا وہ زمانہ اور وہ مدت جو انھوں نے اپنے کام کے لیے منتخب کیا بہت ہی مختصر تھا، اس کے علاوہ ثقافتی وتعلیم یافتہ گروہ ہی آپ کے افکار سے استفادہ کرسکتا تھا، آپ کے افکار ونظریات یونیورسٹیوں اور کتابوں سے دُور عوام النّاس کے درمیان نہ تو نفوذ پیدا کرسکے اور نہ ہی ان پر اپنے اثرات مرتب کرسکے۔

مسلمانوں کی کامیابی کے راز یعنی وحدت اور یہ کہ مسلمانوں کو استقلال و آزادی حاصل کرنے کے لیے آپس میں متحد رہنا چاہیے۔ علامہ اقبالؒ نے بھی امام خمینی قدس سرہٗ کی مانند حصولِ اتحاد کی مختلف راہیں بیان کی ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ قوت و طاقت اورعظمت وشوکت کے بغیر اسلام کا تصور درست نہیں ہے۔ علامہ اقبالؒ کہتے تھے کہ مسلمان کو قوی اور کامیاب ہونا چاہیے اس کے اندر کمزوری کا احساس نہیں پیدا ہونا چاہیے۔

اقبال کا عقیدہ تھا کہ تین صورتوں سے ملت اسلام کو متحد کیا جاسکتا ہے۔ پہلی صورت جو اتحاد کی سب سے زیادہ مثالی صورت ہے وہ یہ کہ پوری ملتِ اسلامیہ کی رہبری ایک ہاتھ میں ہو، دوسری صورت یہ کہ تمام اسلامی ممالک متحد جمہوریوں کی شکل میں ایک واحد نظام کے تحت کام کریں اور تیسری صورت یہ ہے کہ تمام اسلامی ممالک اپنی خودمختاری کو محفوظ رکھتے ہوئے آپس میں بھی سیاسی، اقتصادی اورفوجی معاہدوں کے تحت ایک دوسرے سے ہمہ جہت تعاون و ہم آہنگی قائم رکھیں۔

چوتھی شخصیت جس نے ملّت اسلام خصوصاً نئی نسل میں وحدت و ہم آہنگی، اتحاد و استقلال اور بیداری وآگاہی پیدا کرنے میں مؤثر کردار ادا کیا اور اس راہ میں اپنی جان کی قربانی پیش کردی حسن بنّاء شہید کی ذات ہے۔ وہ اسلام سے متعلق اپنے تمام تر علم ومعرفت اور آگاہی کے باوجود چونکہ روایتی علماء کے گروہ سے تعلق نہیں رکھتے تھے لہٰذا عوام النّاس کو اپنی جانب جذب کرنے میں ناکام رہے اور اقبال کی مانند زیادہ تر ان کی مقبولیت یونیورسٹیوں سے وابستہ افراد اور روشن فکر طلاب تک محدود رہی۔

امام خمینی رضوان اللہ علیہ کی خصوصیات میں سے ایک اہم چیز آپ کا تقدس اور پاکیزہ نفسی

تھی۔ گویا خود حضرت امام طاب ثراہ ابتدائے زندگی سے اس بات کی طرف متوجہ تھے کہ خداوند عالم نے آپ کو ایک عظیم کام کیلئے خلق کیا ہے۔ دورانِ عمر یقینی طور پر ہر انسان کی زندگی میں بہت زیادہ نشیب و فراز پائے جاتے ہیں۔ انبیاء و ائمہ علیہم السلام جن کو خداوند عالم نے لوگوں کی ہدایت کے لیے منتخب فرمایا معصوم ہیں اور اس عظمت کے بعد جس کے وہ حامل رہے ہیں، ان کی زندگیاں ہر طرح کی آلودگیوں سے پاک رہی ہے۔لیکن غیر معصومین کے یہاں وہ چاہے کتنی ہی اہم شخصیت کے حامل کیوں نہ ہوں یہ بات کہ کسی طرح کا کوئی کمزور پہلو ان کے یہاں موجود نہ ہو بہت مشکل ہے لیکن امام خمینیؒ کی پاکیزگی اس منزل پر نظر آتی ہے کہ حتیٰ کہ آپ کے سخت ترین دشمن بھی آپ کے یہاں کوئی معمولی سا ضعیف پہلو پیدا کرنے سے قاصر رہے ہیں، جس وقت پہلوی حکومت نے آپ کے خلاف افواہ پھیلانا چاہی کہ اس طرح آپ کی شخصیت کو کسی عنوان سے مجروح کیا جاسکے تو سب سے بڑی بات جو وہ کہہ سکے یہ تھی کہ آپ ''ہندی الاصل'' اور ہندوستان سے ایران آئے ہیں، بالفرض اگر یہ بات ثابت بھی ہوجائے تو اس میں کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ ایک انسان اپنی پوری زندگی ہر طرح کی آلودگی اور لغزش سے محفوظ رہ کر بسر کردے یقیناً کوئی آسان بات نہیں ہے۔ اور یہ وہ خصوصیت ہے جو بہت ہی نادر طور پر دنیا کی گنی چنی شخصیتوں میں ملتی ہے۔

امام خمینیؒ کی دوسری خصوصیت ان کی روحانیت تھی، وہ ریاضت و مجاہدت، وہ توجہ اور دل سوزی اور وہ خاص روحانی کیفیات جن کے آپ حامل تھے، کے ذریعہ ہر دیکھنے والے بلکہ جو بھی آپ کے درس میں حاضر ہوتا تھا، اس کو اپنی طرف جذب کرلیتے تھے، یہی روحانیت مسلمان ملتوں اور اسلامی شخصیتوں کے قلوب تسخیر کرلینے کا سبب بنتی تھی۔

امام خمینی کی ایک اور خصوصیت انسانوں کے دِلوں کی گہرائیوں میں اُتر جانا اور عوام کا آپ کی بے دریغ حمایت کرنا تھی، یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ پیغمبرانِ خدا، ائمۂ معصومین اور صدر اسلام کی عظیم شخصیتوں کے بعد قلوب میں گھر کرجانے کی یہ کیفیت کسی عالم اور روحانی شخصیت میں نظر نہیں آتی۔ وہ شخص جس کا ایک بیٹا یا دو تین بیٹے شہید ہو چکے ہوں جس وقت اس سے انٹرویو لیا جاتا ہے تو کہتا نظر آتا ہے ہمارے بچے اسلام اور امام (خمینی) پر قربان ہوئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ امام خمینیؒ سلامت رہیں، اور یہ کہ ایک جماعت حاضر ہو اور اپنے قلوب ہدیہ کرے تاکہ امام خمینیؒ

زندہ رہیں۔ لوگوں کے درمیان یہ مقبولیت ممکن ہے اس کے نمونے دوسری جگہوں پر بھی مل جائیں لیکن وہ عاشقانہ کیفیت اور والہانہ جوش وخروش جس سے سرشار ملت امام خمینیؒ کا وطن واپسی پر استقبال کرتی ہے اور وہ حالت کہ جس وقت آپ خطاب فرماتے تھے سب کے سب مشتاقانہ انداز میں گوش بر آواز رہتے تھے یا وہ کیفیت جو آپ کی تشییع جنازہ کے وقت دیکھنے کو ملی۔عوام کے درمیان آپ کی غیرمعمولی مقبولیت اور ان کے قلوب میں بے مثال اور غیرمعمولی نفوذ کی نشاندہی کرتی ہے۔

حضرت امام خمینیؒ کی ایک اور خصوصیت جو آپ کی کامیابی میں بہت زیادہ مؤثر ثابت ہوئی، آپ کا مرجعِ تقلید ہونا تھا۔ یہ امر سبب بنا کہ جو افراد داخلی طور پر انقلاب کے کرتادھرتا تھے آپ کے افکار قبول کرنے پر دل و جان سے آمادہ ہوئے اور وہ خود کو اس بات کا مکلّف اور ذمہ دار سمجھتے تھے کہ ان افکار کی تبلیغ وترویج کریں اور زندگی کے آخری لمحات تک ان کا دفاع کریں۔ یقیناً اگر امامؒ مرجع تقلید نہ ہوتے تو آپ کے پاس بھی سیّد جمال الدین اسدآبادی اور شیخ عبدہ کی مانند ان میں آگاہی پیدا کرنے اور انقلابی تحریک کے تئیں ان کو معتقد بنانے کا کافی وقت نہ تھا۔ حقیقت میں اس گروہ نے جو امام خمینیؒ کا مقلد تھا اور شرعاً خود کو امام خمینیؒ کے افکار پر عمل کرنے کے سلسلہ میں مکلّف سمجھتا تھا، کامیابی میں بنیادی کردار ادا کیا اور حضرت امام قدس سرہٗ کے اِردگرد اس گروہ کا اجتماع دیگر اسلامی معاشروں میں مسلمانوں کی روح کو تقویت پہنچانے کا سبب بنا۔

امام خمینی رضوان اللہ علیہ کی ایک اور خصوصیت مسلسل طور پر باربار اتحاد کی دعوت اور عوام و خواص کے درمیان اس کی طرف شدت کے ساتھ تاکید تھی، یہاں تک کہ بعض وقت کج فہم افراد کی جانب سے آپ کو متہم بھی کیا گیا۔ امام خمینیؒ ان دوسرے بہت سے افراد کے برخلاف جو فروعی مسائل اُٹھا کر مسلمانوں کے کسی ایک یا چند گروہوں کو دائرۂ اسلام سے خارج کردینے کا سبب بنتے تھے خود اسلامی اتحاد اور اسلامی حکومت کو، جو اسلام کی اصل و اساس ہے، دیگر فروعی مسائل پر ترجیح دیتے تھے۔

ایک اور امتیاز جس کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے امام خمینیؒ کے ترقی یافتہ اور انوکھے افکار تھے۔ آپ کے نظریات کچھ ایسے تھے کہ تمام پڑھے لکھے افراد، طلبہ اور اساتذہ، ملازم اور مزدور، کسان اور تاجر حتیٰ کہ اَن پڑھ افراد بھی اپنے تمام کے تمام مطالبات امام خمینیؒ کے افکار میں مشاہدہ کرتے تھے۔ اسلام کے بلند افکار جن کو امام خمینیؒ نے اپنے مخصوص انداز میں پیش کیا، لوگوں

کے اندر بیداری و آگاہی اور بھولے سبق دوبارہ یاد آنے کا سبب بنے اور ملّت ایران اس انقلاب کے گرد جمع ہوگئی۔

حضرت امام خمینی کی دیگر خصوصیات میں سے ایک آپ کا طریقۂ کار بھی تھا جو دراصل وہی انبیاء علیہم السلام کا انداز وشیوہ تھا، یعنی اس تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے آپ نے کوئی حزب اور جماعت تشکیل نہیں دی کہ کچھ مخصوص افراد تحریک کے اصل محور اور آرگن کے طور پر سامنے آجائیں اور پھر کامیابی کے بعد حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیں اور دوسرے ان کے مطیع وفرماں بردار بن جائیں۔ بہت سے اسلامی ممالک میں وہ جماعتیں جو اسلام کے نام پر کام کر رہی ہیں عموماً انھیں قابل ذکر کامیابی نہیں مل سکی ہے اور اس کی ایک وجہ یہی ہے کہ خود یہ گروہ تحریک کے تئیں عوامی ہم فکری کی راہ میں مانع ہوتے ہیں۔ امام خمینی قدسرہٗ نے انبیاء علیہم السلام کی سیدھی سادی سیرت کا انتخاب کیا اور ایک عالم دین کے عنوان سے لوگوں کو اسلامی مسائل سے آشنا و باخبر کیا اور خود کو ہر طرح کی پارٹی و جماعت کی تشکیل سے دُور رکھا، امام خمینیؒ کا یہ سادہ اور صاف ستھرا برتاؤ اس انقلاب کی کامیابی میں بہت ہی مؤثر ثابت ہوا ہے۔

اسلامی انقلاب کی کامیابی اور موجودہ دُنیا میں اسلامی تحریک کو وسعت بخشنے میں جن چیزوں نے مؤثر اور قابلِ توجہ کردار ادا کیا ان میں سے ایک امامؒ کی یہ خصوصیت بھی تھی کہ آپ نے عالی دماغ مفکرین اور علماء پر مشتمل اپنے شاگردوں کے ایک وسیع گروہ کی بڑی ہی اعلیٰ سطح پر تربیت کی تھی جنھوں نے دقیق طور پر امامؒ کی باتوں کو سمجھا اور آپ کی زندگی کے دوران آپ کے قوی و مستحکم بازو بنے رہے۔ حضرت امام خمینیؒ نے مفتی اروانیاس یا دیگر شخصیتوں کے برخلاف کہ جن کی تحریکیں خود ان کی ذاتوں سے وابستہ ہوکر رہ گئیں اور ان کی موت کے بعد کوئی ان کی راہ پر چلنے والا نہ رہا، علماء اور دانشوروں کی ایک توانا جماعت تربیت کردی تھی جن میں سے ہر ایک نے قوی بازو کی مانند تحریک کی حمایت کی اور انقلاب کی کامیابی، یہاں تک کہ آخری لحۂ حیات تک امام خمینیؒ کے ساتھ رہے اور آپ کی رحلت کے بعد بھی آپ ہی کے نقش قدم پر آگے بڑھ رہے ہیں جنھوں نے حضرت امامؒ کی وفات کے بعد اس راہ میں کسی طرح کا خلل پیدا ہونے کی مہلت ہی نہیں دی۔ مجھے اُمید ہے کہ جس طرح اسلامی ملت نے اپنے مخلصانہ عمل سے اس انقلاب کو کامیابی تک پہنچایا ہے آئندہ بھی اس اسلامی

تحریک اور انقلاب کی حفاظت کریں گے اور ہم (انشاء اللہ) ساری دنیا میں کلمۃ اللہ اور شعائر اللہ کی بلندی و برتری کا نظارہ کریں گے۔

امام کی خصوصیات میں سے ایک بہت ہی روشن و تابناک خصوصیت، انقلابِ اسلامی کی کامیابی کے پہلے اور بعد بھی، مختلف ملکوں میں زندگی بسر کرنے والے مظلوم و ستم دیدہ مسلمانوں، خصوصاً فلسطینیوں کی بے دریغ حمایت تھی، باوجود اس کے کہ یہ حمایت ایران کے اسلامی انقلاب کے بعد اس نوزائیدہ اسلامی حکومت کے حق میں بڑی مشکلات پیدا کرنے کا سبب بنی، اور باوجود اس کے کہ ان ممالک میں ظلم و ستم کا شکار مسلمانوں کی اکثریت سنّی المذہب تھی، پھر بھی امام خمینیؒ کی بے لوث حمایت بتاتی ہے کہ آپ عالمِ اسلام کے مسائل کے سلسلہ میں، چاہے وہ سنّیوں سے مربوط ہوں یا شیعوں سے یکساں طور پر فکر کرتے تھے۔ اور یہی چیز ان ممالک کے لاکھوں مسلمانوں کے قلوب امام امت اور اسلامی انقلاب کے تئیں جذب ہوجانے کا باعث بنی ہے۔

یہ وہ خصوصیات اور امتیازی موارد تھے جو میری فکر میں آسکے ہیں۔ یقیناً بہت سے ایسے موارد ہیں جن تک ہماری فکری رسائی نہیں ہوسکی ہے۔ خداوند متعال سے اُمید ہے کہ وہ ہم سب کو توفیق عنایت فرمائے کہ حضرت امام قدس سرہٗ الشریف کے ارفع و اعلیٰ مقاصد اور آرزوؤں کی تکمیل کرسکیں اور ''تمام اسلامی سرزمینوں سے غیروں کے تسلط کے خاتمے، اسلامی حکومت کی تشکیل اور نورِ اسلام سے پوری دنیا کے منور ہونے'' کی راہ میں کوشاں رہیں اور دعا کرتا ہوں کہ دنیا کے تمام انقلابی اور حریت پسند افراد امام خمینی رضوان اللہ علیہ کے نشانِ قدم کو اپنا نصب العین قرار دیں اور آپ کے جانشین رہبرِ ملّت اسلام ولی امر المسلمین آیت اللہ خامنہ ای، جو اس وقت امام کے نزدیک ترین ساتھیوں میں سے ہیں، کی اطاعت و پیروی کرتے ہوئے اسلام کے آخری اور اعلیٰ ترین ہدف تک رسائی حاصل کریں۔ انشاء اللہ!

اسلام میں خواتین کے حقوق اور امام خمینی

محترمہ زہرا مصطفوی (دختر حضرت امام)

اس موضوع کے ضمن میں میں دو اہم باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسلام میں خواتین کے حقوق کا تحقیقی تجزیہ پیش کرنا چاہتی ہوں۔

پہلے مرحلہ میں کوشش یہ ہوگی کہ اس موضوع کے سلسلہ میں یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اسلام اور اس کی روشنی میں حضرت امام خمینیؒ عورت کو مرد سے جدا ایک الگ وجود نہیں سمجھتے اور اسے پیدائش وخلقت، بندگی داطاعت نیز جزاوسزا میں مرد کے برابر جانتے ہیں۔کبھی کبھی تو بعض امور مثلاً ''یوم خواتین'' کے سلسلہ میں نہ کہ ''مردوں کا دن'' پراس قدر اصرار و مطالبہ اور اس کے مانند شبہ میں ڈالنے والے مقاصد یوں نظر آتے ہیں گویا، ایک کم قیمت اور حقیر چیز کو بیش قیمت بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

دوسرے یہ کہ عورت کی حقیقت اور اس کے حق بجانب حقوق کے سلسلہ میں ہر طرح کے سطحی اور غلط افکار کو دور کرنے کی راہ میں تحقیق و تجسّس کا ایک خلاء محسوس ہوتا ہے اور وہ دوسرے تمام موجودات کی معرفت ان کی حیثیت اور قدر و قیمت کے مانند، اسلامی مکتب فکر میں،عورت کے پاکیزہ وجود کی صحیح پہچان اس کے حقیقی مرتبہ اور اس کی طبیعی واجتماعی حیثیت کی شناخت کا مسئلہ ہے۔ اس کائنات، میں،جس کا یقیناً ایک وسیع اور عالمی پیمانہ پر مطالعہ کیا جانا چاہیے۔ چونکہ اقدار کا ہر سر چشمہ نظریات ہوا کرتے ہیں لہٰذا عورت یا مرد کے حدود یا دائروں کی تعیین کا سرچشمہ بھی یہی افکارونظریات ہیں اور اس انتظار میں نہ رہنا چاہیے کہ ایک الٰہی معاشرہ عورت کو جس نگاہ اور جس توجہ سے دیکھتا ہے مادی۔ بنیادوں پر استوار معاشرہ بھی عورت کو اسی حیثیت سے دیکھے گا۔ دوسرے لفظوں میں جس کی فکری بنیادیں اقتصادی ستونوں پر استوار ہوں وہ توحیدی نظریہ رکھنے والے کے برخلاف عورت کو ایک دوسری نگاہ سے دیکھتا ہے۔لیکن بحث یہ ہے کہ سبھی اس بات کے مدعی ہیں کہ عورت کو اس کے صحیح و حقیقی حقوق ملنا چاہیے اور شاید اس کی کوشش بھی کرتے ہیں لیکن ان میں سے کون اس سلسلہ میں واقعیت سے زیادہ نزدیک ہے؟ سرمایہ دارانہ نظام اقتصادی نظام یا اسلامی نظام؟

ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ جب تک نظریات میں تبدیلی نہ آئے اور تصوّر کائنات سے متعلّق افکار میں فرق نہ پیدا ہو اور اس عالم ہستی کے اندر عام طور سے انسانی منزلت و مقام اور خاص طور سے عورت کی حیثیت سے متعلق تحقیق و مطالعہ نہ کیا جائے تمام بحث وکوشش بے کار ہے۔ خلقت کائنات کے مقصد سے لاتعلق ہوکر یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ ہم نے عالم ہستی میں عورت کے لئے اس کے مرتبہ کے مطابق حقوق عطا کردیئے۔ اس بنا پر ہمارا عقیدہ ہے کہ خداوند عالم جو خالق بشر اور اس کے وجود کے ہر پہلو نیز اس کی تمام ظاہری و باطنی خواہشوں سے آگاہ نیز عالم و آدم پر مکمل تسلّط و احاطہ رکھتا ہے، صرف وہی بشریت کے لئے قانون اور عادلانہ نظام معین کرنے والا ہے۔

مغربی افکار نے تمام ملکوں پر جو ماہرانہ تسلّط ونفوذ پیدا کررکھا ہے اور اکثر و بیشتر انسانی معاشروں کے اعمال و عادات و اطوار پر اپنی اجارہ داری قائم کررکھی ہے اس کا سرسری جائزہ لینے سے شاید میری یہ بات قبول نہ کی جائے کہ ایک مسلمان عورت اپنے دقیق اور منظّم منصوبوں اور اپنے ان قیمتی اخلاقی فرائض کے تحت جو خداوند عالم کی جانب سے اس پر عائد کئے گئے ہیں موجودہ دنیا میں اپنا تشخص منوانے کے ساتھ ہی اپنے شائستہ وممتاز مرتبہ کو بھی محفوظ رکھ سکتی ہے، چہ جائیکہ وہ عورتوں سے متعلق جدید ترین اور ترقی یافتہ افکار کی قافلہ سالاری بھی کرے۔

لیکن اس سلسلہ میں غور وفکر ہمیں یہ نوید بخشتی ہے کہ مسلمان عورت، قرآنی تربیت اور حقیقی مسلمان حکام و سرپرستوں کی حمایت و رہبری کے سایہ میں، تیزی کے ساتھ عورتوں سے متعلق ذلّت آمیز و رُسواکن افکار و خیالات کو غلط اور بے حقیقت ثابت کرسکتی ہے اور ان کے ظاہری رنگ و روپ کوزائل کرسکتی ہے، نیز مغرب زدہ افراد کی طرف سے اسے جو ہمیشہ یہ جھڑکیاں ملتی ہیں کہ مغربی تہذیب نے عورت کو آزاد بنایا ہے اور اسے استقلال بخشا ہے، وہ یہ ثابت کرسکتی ہے کہ اس نے اسلام اور قرآن سے ناحق دل نہیں لگایا ہے بلکہ تمام انسانوں اور خصوصاً ان کے انسانی حقوق کے سلسلہ میں اسلام کا نظریہ مساوات کی بنیاد پر دیگر افکار وخیالات سے برتری رکھتا ہے، عورت اس بات کی حقدار ہے کہ دنیا میں اپنے باارزش مقام ومرتبہ کو دوبارہ حاصل کرے چنانچہ دقیق نظر کے ساتھ غور وفکر وتحقیق کے بعد ہر انصاف پسند اس کی حقانیت اور اس کی اہمیت کا اعتراف کرے گا جیسا کہ گفتگو کے مفہوم سے ظاہر ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اس طرح کے تحقیقات و مطالعات اور سیمیناروں کے ساتھ ساتھ تسلّط پسند استعماری نظاموں کی سازشوں اور حیلہ بازیوں کی شناخت سے متعلق بحث سے

بھی گریز نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ عورت جیسے باارزش اور قابل قدر وجود کی ماہیت اور اس کی ذاتی حقیقت کے سلسلہ میں تحقیق نیز ان خرابیوں کی چھان بین کے بجائے جن کا سرایت کرنا عورت میں شر و فساد خود پسندی اور مجموعی طور پر اس کے انحطاط وتباہی کے لیے زمین ہموار کرتا ہے دوسری ساری کوششیں لاحاصل و بیکار ہیں۔

البتہ اس بات سے کسی بھی صورت میں میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہم اپنے مکتب فکر کی غیر معقول جانبداری اور دوسرے مکاتب فکر اور طور طریقوں کی خرابیاں بیان کرنے پر اڑے رہیں۔ کیونکہ غیر معقول اور اوچھی طرفداری اور بلاوجہ کی ملامت و سرزنش دونوں ہی اسلامی عقل وخرد کے شایان شان نہیں ہیں بلکہ یہاں غیر جانبدارانہ طور پر ایک ایسی حقیقت کو پہچنوانا مقصود ہے جو حتیٰ دوستوں کے نزدیک بھی محروم و بے کس رہی ہے۔ البتہ یہ بات بھی کہنے کے قابل ہے کہ یہ بے کسی و تنہائی نہ صرف بیرونی عوامل کا نتیجہ ہے بلکہ اس تباہی کے سلسلے میں عورت کو خود اپنے آپ پر، مسلمان امراء وسلاطین پر اور ظاہر بین فقہی و دینی بزرگوں پر بھی گریہ کرنا چاہیے۔[۱]

بس ایک جملہ میں میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس انہدام و تاسیس اور تخریب وتعمیر کی دنیا میں ایک تحقیقی روش کی بنیاد پر اور مغربی و مشرقی صنعتی ترقیات کی تائید و حمایت کے ضمن میں جہاں تک دوسروں کے نظریات و اعمال ہمارے اسلامی مسلک ومشرب اور عورتوں کی ترقی کے موافق ہیں ہم ان سے ہم آہنگ ہیں، دوسری صورت میں ان کی آگ میں جلنے اور ان کی آواز میں آواز ملانے کے بجائے بغیر کسی چشم پوشی اور بے جا شرم وحیا کے ان سے جدائی کی آواز بلند کریں گے اور اگر ضرورت ہوئی تو فراق وجدائی سے بڑھ کر قہر وغضب پر آمادہ ہوجائیں گے۔ امام خمینیؒ ۲۰/ دی ۵۷ھ (۱۰ جنوری ۷۹ء) کولگزمبرگ کے ٹیلی ویژن کو انٹرویو دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اسلامی حکومت رجعت پرست نہیں ہے اور تمام تہذیبی مظاہر کے موافق ہے، مگر یہ کہ ان سے قوم کی بحالی کو نقصان پہنچتا ہو اور وہ ملت کی عمومی عفت و پاکیزگی کے خلاف ہوں۔ اسلام نہ صرف عورت کی آزادی کا حامی ہے بلکہ وہ خود عورت کے تمام وجودی پہلوؤں کی آزادی کا بانی ہے۔''[۲]

پس یہ ضروری ہے کہ عورت کی حقیقت اس کے حقوق نیز اس کی جسمی و روحی ضروریات توقعات اور فطری خواہشات کی معرفت وآگاہی حاصل کی جائے اور اس حقیقت کو محسوس کیا جائے کہ

غلطی سے صرف عورت کا جسم ہی مرد کی توجہ کا مرکز قرار پایا ہے اور بس۔ اس کے بعد صحیح تدبیروں کے ذریعہ کج فکریوں کا مقابلہ کیا جائے۔ وہ غلط اور بے جا تصورات جو ماضی میں مشرقی اور مغربی دونوں معاشروں کے اندر عورت کو سماج سے دور گھر کی چار دیواری میں محدود کرنے یہاں تک کہ شادی اور خاندان کی تشکیل حتیٰ کبھی کبھی دین کے نام سے اس پر طاقت فرسا روحی وجسمی بوجھ ڈالنے کا جوعمل جاری رہا ہے اور آج بھی جاری ہے۔ ان دباؤں، سختیوں اور بندشوں کے نہ ٹوٹنے کا براہِ راست ردعمل مغرب میں بڑی تیزی کے ساتھ گمراہی و کجروی کی گہری کھائی میں گرنے اور حقیقی مذہب اور دین کے متوازن قوانین اور بلند احکام کی طرف سے بے توجہی و بے اعتمادی کی شکل میں ظاہر ہوا اور یہی حال مشرق کا ہوا جہاں خدا اور وحی وغیرہ سے سراسر انکار کا دور دورہ تھا اور یہ تمام تصورات اوہام شمار کئے جاتے تھے اور سب کے لیے ضروری تھا کہ مشین کی طرح معاشرہ کے پہیہ کو گردش میں لائیں اور چونکہ انسان بھی مادی ہے لہٰذا مادیات کے ذریعہ اس کی ضرورتیں پوری ہونا چاہئیں۔

لیکن دراصل مشرق و مغرب دونوں کی حقیقت وماہیت ایک ہی ہے اور دونوں ایک ہی مقصد کی طرف رواں دواں ہیں فقط اس تک پہنچنے کے وسائل میں فرق ہے۔ ایک اجتماع کو بنیادی حیثیت دیتا ہے اور دوسرا فرد کو محور قرار دیتا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے دونوں کا آزمودہ ہتھیار سب سے پہلے دین کی ظاہری صورت کی نفی ہے اس کے بعد دین کے اصل مقصد اور ماحصل کی نفی و نابودی کا منصوبہ ہوتا ہے۔ دونوں نظاموں نے اس تصور کو وسعت دی اور اسے اپنے زیر تسلّط ممالک نیز تیسری دنیا تک کھینچ لائے کہ امام خمینیؒ آئے اور انھوں نے ان چنگاریوں کو جو زمانہ کی راکھ کے نیچے دبی رہ گئی تھیں پھر سے شعلہ ورکر دیا اور اپنی دور رس نظروں کے ذریعہ اس اسلام کو جس میں نہ کلیسائی نظام کی گھٹن تھی نہ کمیونزم کی دہریت بلکہ یہ وہی حضرت محمدؐ کا حقیقی و خالص اسلام تھا جسے آپ نے دوبارہ زندہ کیا اور انسان کو نیز اسی کے ساتھ عورت کو گمراہی سے نکلنے اور خود اپنے آپ کو پہچاننے کی دعوت دی۔

پس جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا، امام خمینیؒ نے پہلی منزل میں مسلمان عورت میں یہ یقین و اعتقاد پیدا کیا کہ وہ خود کو اسلامی معارف کے صاف و شفّاف سرچشمہ میں تلاش کرے اور اپنی حقیقی معرفت حاصل کرے، بیدار ہو، گمراہیوں اور کج رویوں کو بھی اچھی طرح پہچانے اسے اس بات سے

بھی آ گاہ کیا کہ ایک مسلمان عورت انقلاب لاتی ہے، خود منقلب نہیں ہوتی تغیر پیدا کرتی ہے خود متغیر نہیں ہوتی...... وہ یہ جان لے کہ عورت کے سلسلہ میں غلط تصورات کے ناخوشگوار نتائج اور ان کے بُرے اثرات انسانی تہذیب کے دوسرے تمام پہلوؤں کو بھی متاثر کریں گے اور ان پر غالب ہوجائیں گے۔ لہٰذا عورت اپنے آپ کو پہچانے کہ وہ ایک ایسا وجود ہے جو انسانی کمال کی بلند ترین منزل تک آسانی کے ساتھ پرواز کرسکتا ہے اس کے وجود نے تاریخ کو تابناک بنایا ہے نیز انقلابوں اور تحریکوں کو روشنی بخشی ہے۔

عورت تاریخ کے مختلف ادوار میں انسانوں کو جہالت اور طاغوتیت کے پنجوں سے رہائی دلانے والی تحریکوں کی روح رواں رہی ہے پھر بھی مختلف معاشروں میں اس پر ظلم وستم روا رکھا گیا اور اس کی شخصیت کو پامال کیا گیا ہے جبکہ اس کی ذات کو اہمیت و وقعت دی گئی ہے۔ اگر پندرہ صدیوں پہلے عرب کے بدو انسان عورت کے جسم کو زندہ درگور کردیتے تھے تو آج کے خلائی دور میں اس کی روح کو زندہ درگور کیا جاتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ''عجبتُ لمن ینشد ضالته وکیف لاینشد نفسه۔'' مجھے تعجب ہے اس پر جو اپنی کھوئی ہوئی چیز کو تلاش کرتا ہے اور خود اپنے آپ کو تلاش نہیں کرتا۔ اور امام خمینیؒ فرماتے تھے: ''سلوک کی پہلی منزل'' یقظه'' ہے یعنی بیداری اور خواجہ عبداللہ انصاری نے کتاب منازل الصالین میں، جس میں انھوں نے اہل سلوک کے منازل بیان کئے ہیں۔ تحریر فرمایا ہے: پہلی منزل کو منزل یقظہ یعنی بیداری کی منزل کہتے ہیں اور دلیل کے طور پر یہ آیت بھی ذکر کی کہ خداوند عالم فرماتا ہے ''اَنْ تَقُوْمُوا...'' یعنی بیدار ہوجاؤ۔ بیدار ہونا بھی ایک طرح کا قیام ہے اور تمام تحریکیں جو دنیا میں برپا ہوتی ہیں یہ بھی قیام ہیں۔ خواب سے قیام، بیداری کے بعد قیام اور ہم جو کیف عالم طبیعت کی بنا پر کھوئے ہوئے ہیں اور خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، ہماری آنکھیں اور ہمارے کان عالم طبیعت کی طرف لگے ہوئے ہیں۔ یہاں خدا کی جانب سے یہ موعظہ و نصیحت ہے کہ اس غفلت اور گہری نیند سے بیدار ہوجاؤ۔''[۳]

لیکن چونکہ ''تعرف الاشیاء باضداها'' (یعنی چیزیں اپنی ضد یا مقابل سے پہچانی جاتی ہیں) لہٰذا پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ یہ اپنے آپ سے غفلت کیسی ہے اور یہ کاہلی انسان میں کیسے پیدا ہوئی ہے؟ اس کا جواب ہم اپنے عظیم رہبر کی لفظوں میں دیتے ہیں، آپ نے فرمایا:

جو کام غلط ہیں وہ ظلمت و تاریکی ہیں، بداخلاقی ظلمت ہے، نور وہ ہے جس کی طرف خداوند عالم نے دعوت دی ہے اور اسلام نے جس کی ہدایت فرمائی ہے۔ اسلامی احکام پر عمل کرنے کی کوشش کیجیے اور دوسروں کو بھی اس پر مائل کیجیے۔[۴]

یہ فطری بات ہے کہ اگر حقیقی الٰہی وانسانی اقدار بے رنگ ہوجائیں اور اپنی رونق کھوبیٹھیں۔ فطری و ذاتی اچھائیاں رخصت ہوجائیں۔ جو خیر ہے شر میں اور وجود، عدم میں تبدیل ہوجائے تو گویا غفلت نے انسانی وجود میں اپنا گھونسلا بنالیا ہے اور وہ اپنے آپ سے بیگانہ ہوگیا ہے اور انگریزوں کی اصطلاح میں Alienation یعنی بیزاری کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے، لیکن اس خلا کو کوئی نہ کوئی دوسری چیز ضرور پُرکردے گی اور یہی وہ منزل ہے جہاں حیلہ باز افراد اور تسلّط پسند طاقتیں اپنا کام شروع کرتی ہیں تاکہ انسانی وجود خاص طور سے عورت کو جو انسانوں کو تربیت کرنے والی اور انھیں انسان بنانے والی ہے، خود فراموشی، غیر پرستی، علمی احساس کمتری اور اسی جیسی دوسری زہر آلود باتوں سے آشنا کریں تاکہ جو کچھ خود اس کے پاس ہے وہی وہ غیروں سے طلب کرے۔ اور اس مقصد کے حصول کیلئے تیسری دنیا کے انسانوں، خاص کر مسلمانوں کی تحقیر کی جائے۔ ان کے مذہب، ان کے افکار ان کے ماضی اور تاریخ سب کی تحقیر کی جائے اور ان کو یہ جتلایا اور یقین دلایا جائے کہ ان کی تمام تر کوشش، جدوجہد، خواہشیں اور آرزوئیں یہ ہونی چاہئیں کہ زیادہ سے زیادہ ان (مغربیوں) سے مشابہت پیدا کریں اور خود کو ان کے جیسا بنائیں۔

جی ہاں! مسلمان عورت کو اپنے آپ سے بیگانہ بنادینے کی راہ میں اب نوبت یہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان کی خواہشوں و آرزوؤں اور ان کے استعماری منصوبوں وفارمولوں کے مطابق ایک نسل وجود میں آجائے لہٰذا مورخین، جامعہ شناس، اقتصاد داں اور تعلیم و تربیت کے ماہرین سرمایہ اور طاقت کے بل بوتے پر اپنے اپنے کام میں مشغول ہوتے ہیں اور عورت کو جو بذات خود اصیل و الٰہی فطرت "فطرۃ اللّٰہ الّتی فطرالنّاس علیھا" کی بنیاد پر خلق ہوئی ہے کھوکھلا اور ذلیل بنادیتے ہیں اس طرح اس کے سامنے یہ بحران پیدا ہوجاتا ہے کہ خود اس کی اپنی حقیقی حیثیت معدوم ہوجاتی ہے اور پھر مغربی استعمار اسے اپنے خود ساختہ قالب میں ڈھال لیتا ہے۔

یہ وہ منزل ہے جہاں امامؒ کی تیغ بیان کی تیز دھار عورت کو اس کی حقیقت کی طرف متوجہ کرتی ہے اور اسے اغیار کے پیدا کردہ امراض سے نجات دلاتی ہے۔ امام "یومِ خواتین" کی مناسبت

سے— مورخہ ۱۵/۲/۵۹ھ مطابق ۲۰ جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ کو اپنے ایک پیغام میں فرماتے ہیں ۔

فاطمہ (س) ایک عورت ہیں جن کے فضائل پیغمبر اکرمؐ اور خاندان عصمت و طہارت کے لامحدود فضائل کے ہم پلّہ ہیں۔ہمیں عورت کے فضائل کی طرف توجہ دینا چاہیے، کیونکہ پہلوی دور کی اس تاریک و ذلّت آمیز نصف صدی میں زہریلےقلموں اور غیر متمدن و بدتہذیب زبانوں نے عورت کو خریدی اور بیچی جانے والی ایک چیز بنا دینا چاہا تھا۔۵

آپ موضوع کی تعین اور اس کے ذاتی صفات وخصوصیات کی شناخت کراتے ہوئے مستقبل قریب ہی میں اس کے براہِ راست اور درخشاں نتائج کا وعدہ دیتے نظر آتے ہیں، عورت کو معاشرہ کی مربّیہ اس کی آغوش کو انسانوں کے لیے جائے امن اور کمال ومعراج کی تعبیر سے یاد کرتے ہیں۔ اسے تعمیر انسانیت کے لیے ماں اور زوجہ جیسا اٹوٹ کردار شمار کرتے ہیں اہل طاقت و اہل دولت کے ہاتھوں کا کھلونا نہیں سمجھتے اور بین الاقوامی حقوق انسانی کے ادارہ (ایمنسٹی انٹرنیشنل) کے نمائندہ کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: عورتیں اسلام کی نگاہ میں معاشرہ کی تعمیر میں ایک حسّاس کردار رکھتی ہیں۔ اسلام عورت کو اس حد تک بلندی عطا کرتا ہے کہ وہ معاشرہ کے اندر اپنے انسانی مقام ومرتبہ کو دو بارہ حاصل کرلے۔ ایک ''چیز'' ہونے کی حد سے باہر نکل آئے اور اپنی اس ارتقا کی مناسبت سے وہ اسلامی حکومت کے نظام میں مختلف عہدوں ومنصبوں پر فائز ہوسکتی ہے۔۶

کیونکہ ''عورت انسانی آرزوؤں کی تکمیل کا مظہر ہے''۷

اور ''ماں کی آغوش خیر یا شر کا گہوارہ بن سکتی ہے'' ۸

اورعورت عظیم عورتوں ومردوں کو پروان چڑھانے والی ہے۔عورت ہی کی آغوش سے مرد معراج کو پہنچتا ہے۔۹

نیز ''ماں کے فرائض کو حقیر و ذلیل ظاہر کرنا اغیار کی سازش ہے۔ ۱۰

یعنی امامؒ ان فکر سے عاری روشن خیالوں اور غیر متمدن مہذّب نماؤں کے خلاف آواز اُٹھاتے ہیں جنھوں نے نادانستہ یا خودغرضانہ طور پر عورت کو اس کی حقیقی روش کے خلاف چلنے پر مجبور کیا اور بلاسوچے سمجھے اس کے معنوی ارتقاء کمال یعنی اس کے کارساز کردار سے اسے جدا کر کے اس کے لیے ظاہری و بیہودہ قسم کی کھوکھلی ترقی یعنی دفتری میز کے پیچھے بیٹھنے کے قائل ہوئے ہیں۔ کیونکہ آپ اس اصل کو ترقی نہیں بلکہ تنزل و رجعت پسندی کی اصل و اساس قرار دیتے ہیں۔ ارتقاء کی

اصل، معنوی و حقیقی کمال کی جانب پیش قدمی ہے نہ کہ تن پروری و مادہ پرستی۔

اب میں یہاں اپنی پہلی بات یعنی توحیدی تصور کائنات کی بنیاد پر مرد وعورت کے درمیان نہ کوئی فرق ہے اور نہ کسی کو کسی پر کوئی برتری حاصل ہے۔عرض کرنا چاہوں گا کہ ۱۹۷۵ء کو عورتوں کا بین الاقوامی سال اعلان کیئے جانے کے بعد سے عورتوں کے مسائل کے سلسلہ میں عالمی پیمانہ پر بہت کچھ کہا اور سنا گیا ہے، لیکن معاشرہ میں عورت کی موجودہ صورت حال پر توجہ یورپ میں ''ماڈرنائزیشن'' کے آغاز کے بعد شروع ہوئی اور چونکہ موجودہ مغربی معاشرہ کا رُخ ''مشینی کیپٹلزم'' کی طرف ہے اور اس نے اپنی سرگرمیوں کا محور اجتماعی اور اقتصادی بنیادوں پر قائم کرکے رفتہ رفتہ تہذیبی وتمدنی بنیاد کو ذہن سے دُور کردیا ہے نتیجہ میں مختلف مسائل میں تغیر وتبدل پیدا ہونے کے سبب عورت ومرد کے روابط میں بھی گہرے اور بنیادی تغیرات پیدا ہوگئے ہیں۔موجودہ معاشرہ کی حیرت انگیز ترین خطاؤں میں سے ایک مختلف قسم کی موجودات کے درمیان تمام کیفیاتی فرق کو مٹا کر ڈیموکریسی کے نام پر سب کو ایک ہی پلیٹ فارم پر لاکھڑا کرنے کی خطا ہے۔

ہمارے زمانہ میں ہر چیز کی قیمت مادی اعتبار سے لگائی جاتی ہے، ساتھ ہی ساتھ کیفیت کے بجائے مقدار پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ یہ رجحان موجودہ معاشرہ کو نقصان اور صدمہ پہنچانے کا سبب بنا ہے اور یہ غلطی خاص طور سے مرد وعورت کے درمیان رابطہ اور معاشرہ میں عورت کے کردار کے سلسلہ میں محسوس طور پر سامنے آچکی ہے۔ اسلام کی پوری تاریخ میں عورتوں کی حالت مسلمان معاشرہ کے اندر کبھی مکمل طور پر اسلامی احکام وقوانین کے مطابق نہ رہی، مسلمانوں کے اندر اسلامی احکام کی اطاعت میں تنزلی کا اوسط مسلمان معاشروں کی فکری سطح نیچے آنے اور مختلف مشکلات کے پیدا ہونے کا سبب بنا ہے جبکہ اسلام انسانی فطرت کے سلسلہ میں اور یہ کہ انسان دوجنس سے خلق کیا گیا ہے اپنے دامن میں خاصی تعلیمات رکھتا ہے ساتھ ہی ساتھ توحید کا بھی ذکر کرتا ہے اور اسے کائنات ہستی کی خلقت کا محور قرار دیتا ہے۔ یعنی تمام مخلوقات اپنے اجزا کے درمیان لامحدود فرق و تفاوت کے باوجود ایک ہی سطح پر قائم ہیں، یعنی تمام موجودات خداوند عالم کی مخلوق ہیں، لیکن چونکہ انسان سب سے زیادہ قوی وتوانا ہے لہٰذا نظام ہستی کا ذمہ دار ہے۔مغربی معاشرہ کے برخلاف اسلام میں جنسیت کی اہمیت اور عورت ومرد کے درمیان فرق، صرف تعلقات و روابط کی حد تک ہے، حیثیت اور نظام کی بنیاد پر نہیں۔ جیسا کہ قرآن فرماتا ہے:

"یَا اَیُّهَا النَّاس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدةٍ و خلق منها زوجها وبث منهما رجالاً کثیراً ونساء واتقوا اللّٰہ الذی تسائلون بہٖ والارحام ان اللّٰہ کانَ علیکم رقیباً۔" [۱۱]

ملاحظہ کیجیے کہ پہلے مرحلہ میں خداوند عالم نے ایک ''نفس واحدہ'' کو پیدا کیا جو ابوالبشر ہے، اس کے بعد اس کا جوڑا خلق فرمایا، اب خلقت کے بعد یہ دونوں ایک دوسرے کے کفو اور ہمسر اور حقیقت انسانیت میں ایک دوسرے کے شریک ہیں اور ان دونوں کے درمیان فقط تقویٰ کا رابطہ پایا جاتا ہے۔ توحید کا عقیدہ رکھنے والے معاشرہ میں ہر فرد کو چاہیے کہ اپنا مخصوص کردار ادا کرے اور اپنے اعمال کی ذمہ داری قبول کرے۔ ایک باایمان انسان کا سب سے پہلا فریضہ ہے کہ ایک بامقصد اور شریعت پر مبنی معاشرہ وجود میں لائے۔ اسی طرح مومن اپنے آزادی بخش پیغام کے ذریعہ ان لوگوں کے افکار و عقائد پر خط کھینچ دیتا ہے جنھوں نے عورت کی شخصیت کو نظر انداز کیا، یا اسے حقارت و اہانت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور وہ عورت میں قرب پروردگار اور معنوی کمالات کے ادراک تک، جو بندگی کا عالی ترین رتبہ ہے، معراج حاصل کرنے کی توانائی پاتا ہے جیسا کہ خداوند عالم حضرت مریم (س) کے سلسلہ میں فرماتا ہے۔''لیس الذکر کالانثی"[۱۲]

امامؒ یوم خواتین کی مناسبت سے اپنے ایک پیغام میں فرماتے ہیں:

''عورت کے مختلف پہلو ہیں، جیسا کہ مرد اور (مجموعی حیثیت سے) انسان کے مختلف پہلو ہیں یہ صوری وطبیعی ورق (ظاہری شکل وشمائل) انسان یا عورت و مرد کا سب سے نچلا وادنیٰ مرتبہ ہے لیکن اسی ادنیٰ مرتبہ سے کمال کی جانب سیر بھی ہے۔ انسان ایک متحرک وجود ہے۔ طبیعت کے مرتبہ سے غیب کی منزل تک اور وہاں سے فنافی اللہ تک۔''[۱۳]

استاد شہید مطہریؒ فرماتے ہیں: علم کی یہ کوشش بھی ہوتی ہے کہ جس طرح وہ انسان کو دنیا و مافیہا سے آگاہ کرتا ہے خود اپنے آپ سے بھی اسے آشنا کرے لیکن اس طرح کی معرفت عطا کرنا نہ علم کا کام ہے نہ فلسفہ کا کیونکہ علم و فلسفہ کبھی کبھی غفلت کا سبب بھی بن جاتے ہیں۔ پس الٰہی بنیاد پر اپنے آپ کو پہچاننے والا انسان خلقت کی ساری عظمت کو سمیٹے ہوئے ہے،اس میں خدا سے منسوب سارے خصوصیات پائے جاتے ہیں لیکن نچلی سطح پر، وہ بھی خدا کی طرح عالم، مرید انتخاب کرنے والا، خلق کرنے والا، تربیت کرنے والا، مسخر کرنے والا اور اپنی تقدیر اور معاشرہ اور تاریخ کو بدل دینے

والا ہے یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک انسان سب سے عظیم انسانی قدر و منزلت یعنی نفی کے بعد اثبات کی منزل حاصل نہ کرلے۔ برائیوں اور پستیوں، ظالموں اور جابروں کی نفی اور ان سے دوری اختیار کرنا اس کے بعد خوبیوں، کمالات اور حقائق کا اثبات اور انھیں اپنانا اسی کو "لا الٰہ الا اللّٰہ" کہتے ہیں۔ چنانچہ امامؒ بزرگوار فرماتے ہیں:

لاالٰہ اِلااللّٰہ ایک عبارت ہے لیکن اس کی عظمت اکثر و بیشتر اوراد و اذکار سے زیادہ اور اس کی معنویت کا حجم کہیں وسیع تر ہے اعمال کے اندر اخلاص، عمل کی روح کی حیثیت رکھتا ہے اور تمام حیوانات سے انسان کے امتیاز کا سبب اس کی معنویت کا پہلو اور انسانی روح ہے۔ ۱۴

اپنی گفتگو کے اس حصّہ میں چاہتی ہوں کہ قرآن کریم اور سیرت ائمہ ہدیٰ میں موجود احکام کی حضرت امامؒ کے بیانات کی روشنی میں حسب ذیل عنوان سے دستہ بندی کروں:

(الف) عورت کے انسانی حقوق، جو عالم ہستی میں اس کی خلقت اور اس کے وجود سے مربوط ہیں۔

(ب) عورت کے سیاسی حقوق، جو انقلاب، جنگ اور اسلام کی خدمت میں اس کے کردار کو مشخص کرتے ہیں۔

(ج) عورت کے سماجی حقوق جس کے تحت ہم سماج میں اس کے کردار اور اس کے وجود کی حیثیت کا جائزہ لے سکتے ہیں۔

(د) عورت اور مرد کے ایک دوسرے پر حقوق، جن کے ذریعہ شادی، طلاق نیز خاندان میں عورت کے رول پر روشنی پڑتی ہے۔

(ہ) آیندہ نسل کی نگرانی و حفاظت کے سلسلہ میں عورت کے حقوق۔

عورت کے انسانی حقوق

حضرت امامؒ ایک انٹرویو کے دوران فرماتے ہیں۔ عورت اور مرد میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ دونوں انسان ہیں ہاں بعض موارد میں عورت اور مرد کے درمیان کچھ فرق پائے جاتے ہیں جو ان کی انسانی حیثیت سے ربط نہیں رکھتے۔ ۱۵ یہ اس سوال کا جواب ہے جو عورتوں کے حقوق کے سلسلہ میں کیا گیا تھا اور آپ نے بڑے ہی دلچسپ اور نپے تلے انداز میں انسانی حقوق سے متعلق اپنی بات کا آغاز کیا ہے اور عورت کے انسان ہونے پر زور دیتے ہوئے اس بات کی تاکید کی ہے کہ

عورت، عورت ہونے سے پہلے ایک انسان ہے اور اس کے بعد آپ نے ''تفاوت'' وفرق کے مسئلہ پر خاص طور سے توجہ کی ہے کہ یہ فرق انسانی حیثیت کی طرف نہیں پلٹتا، بلکہ چونکہ عورت و مرد کے یہ دو وجود اس عالم طبیعت وفطرت میں ایک دوسرے کے مکمل ہیں اس لیے دونوں آپس میں کچھ عرضی فرق رکھتے ہیں کہ ایک مناسب زندگی برقرار کرنے کے لیے ان میں سے ہر ایک اپنے مخصوص حقوقی نظام کے تحت تمام نعمتوں اور انسانی حقوق کی آزادیوں سے بہرہ مند ہے اور یہ عورت کے سلسلہ میں عالمی افکار کا ایک قابل توجہ جواب ہے کیونکہ وہ لوگ مرد کو جسمانی طاقت اور ظاہری توانائی وسختی کی بنا پر، جس کے ذریعہ وہ دشوار کاموں کو انجام دینے پر بھی قادر ہے، عورت سے برتر جانتے ہیں اور اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مرد حاکم اور اطاعت کے قابل ہے اور عورت حکم بجالانے والی ہے۔ مثلاً جب ارسطو یہ دیکھتا ہے کہ غلام تلوار اپنے آقا کے ہاتھ میں دے کر یہ کہتا ہے مجھے سزا دو، حتیٰ مجھے جان سے مار ڈالو۔ تو وہ یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ خداوند عالم نے دو طرح کے بندے پیدا کئے ہیں، ایک آقا دوسرا غلام۔ اس مثال سے مقصد یہ تھا کہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اکثر خود عورتیں اس ذلّت وحقارت کو قبول کرتے ہوئے اس پر راضی رہتی ہیں، جبکہ ہم نے کئی مرتبہ حضرت امام خمینیؒ سے یہ سنا ہے کہ نہ عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ خود کو ایک ''چیز'' ہونے کی حیثیت تک گرائے اور نہ مرد، عورتوں کے سلسلہ میں ایسا سوچنے کا حق رکھتے ہیں۔ آپ ہمیشہ فرماتے تھے کہ عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنی انسانیت کے بلند مقام پر فائز رہیں کیونکہ خداوند عالم نے انھیں کرامت وبزرگی کے ساتھ خلق فرمایا ہے اور عرفان پروردگار عالم یہ ہے کہ: ''لَقَدْ کَرَّمنا بنی آدم''۔ (ہم نے بنی آدم کو بزرگی و عظمت عطا کی ہے) پس عورت یا مرد ہونا یا بازوؤں کی قوت وتوانائی دونوں کی انسانی حیثیت میں کوئی فرق پیدا نہیں کرتی اور اس طرح کا فرق کسی کے کمزور اور کسی کے طاقتور ہونے کی بنیاد ہرگز نہیں بن سکتا۔ کیونکہ ایسی صورت میں حیوانات اور درندے تو زیادہ قوی ہوتے ہیں لہٰذا وہ سب سے برتر ہوئے! پس اس جواب کے ذیل میں چند قیمتی نکتے سامنے آتے ہیں۔

(۱) عورت انسان ہونے کے اعتبار سے مرد کے دوش بدوش اور دنیائے آفرینش میں اس کی ہم خلقت ہے۔

(۲) اسے خود ''معاشرہ یا فرد'' کی طرف سے کسی بھی طرح کی ذلّت یا حاکمیت قبول نہ کرنا چاہیے۔

(۳) مردوں کے غلط اعمال اور بیہودہ افکار خود بہت اہم پیمانہ ہیں لہٰذا خود مردوں کو چاہیے کہ عورتوں

کو ان کے حقوق دلائیں چنانچہ

عورت کے انسانی حقوق میں سے ایک اس کی اپنی آزادی ہے۔

لیکن آزادی کا مطلب کیا ہے؟ افسوس کہ ہر تہذیب اور ہر مکتب فکر میں لفظ آزادی کا ایک خاص مطلب و مفہوم ہے لیکن جب ہم کہتے ہیں کہ ''پرندہ پنجرہ سے آزاد ہوگیا'' تو یہ آزادی کا صحیح مفہوم ہے کیونکہ پرندہ اُڑنے کے لیے خلق ہوا ہے اور پنجرہ اس کی یہ آزادی اس سے چھین لیتا ہے، لیکن عورت کے سلسلہ میں اس لفظ کے استعمال سے کون سا مفہوم نکلتا ہے؟ عورت کیسی مخلوق ہے؟ اس کی قوت پرواز اور اس کا کمال کس چیز میں ہے؟ اس کا پنجرہ کیا ہے؟ آزادی کا مفہوم اس کے سلسلہ میں کیا تعبیر رکھتا ہے؟ بہتر ہے کہ اب ہم آزادی کے دوسرے اصطلاحی مفہوم پر غور کریں، یہ مفہوم عالمی استعمار کی زبان میں اپنے غیر انسانی اعمال کی توجیہ میں رائج ہے اور اس کا مطلب یہ ہے ہر اس پابندی اور قانون سے رہائی و آزادی جو انسان ہونے کے اعتبار سے اس پر نافذ و حاکم ہے۔ چنانچہ یہ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے عورت کو آزاد کردیا ہے تو کس چیز سے آزاد کردیا ہے؟ کیا عورت اسیر و مقید خلق ہوتی ہے کہ یہ لوگ اسے آزاد کرنا چاہتے ہیں؟ خود یہ دعویٰ ہی عورت کی خلقت و آفرینش کی سراسر تحقیر و اہانت ہے۔ فکر کی یہ بے مائیگی اور عورت کے سلسلہ میں ان افکار سے پیدا ہونے والے سوالات روزنامہ گارڈین کے ایک انٹرویو میں بخوبی واضح نظر آتے ہیں۔ محترمہ الیزبتھ تارگود سوال کرتی ہیں کہ: کیا عورتیں اسلامی حکومت کے پرچم تلے اس پر قادر ہوں گی کہ انھیں پردہ اور مغربی لباس میں سے کسی ایک کو آزادی کے ساتھ انتخاب کا حق حاصل ہو؟ اور جواب میں امامؒ فرماتے ہیں کہ ''عورتیں اپنے کام اور سرگرمیوں اپنی قسمت کے فیصلہ اور اسی طرح اپنے لباس کے انتخاب میں قوانین کی رعایت کے ساتھ پوری طرح آزاد ہیں۔'' [۱۶] اس سوال و جواب پر ذرا غور کرنا ضروری نظر آتا ہے۔ پہلی بات تو اس عظیم انقلابی تحریک کے بارے میں جو اپنے آخری مراحل میں ہے اور یقیناً ایسے انقلاب کا قائد و رہبر تحریک کی اصل بنیاد اس کے حقیقی زاویوں پر غور کررہا ہے اور انھیں مستقبل کے آئینہ میں دیکھ رہا ہے۔ وہ انقلاب جو کاخ سفید اور قصر کریملن کی بنیادوں کو متزلزل کرنے والا ہے اور وقت کے قیصر و کسریٰ کو خدا کی نصرت لیکن ان ہی عورتوں و مردوں کی مدد سے ان کے تخت سے اُتار پھینکنے والا ہے گویا سوال کرنے والی کی نگاہ میں عورت کی پوری شخصیت اس کی توانائی

اور حقانیت نیز اس کی تمام تخلیقی صلاحیتیں صرف پردہ ہی کے مسئلہ میں چھپی ہوئی ہیں کہ وہ سوال کرتی ہے کہ مغربی لباس یا پردہ؟

اور دوسری طرف امامؒ جو ''یقیناً سوال کی بے مائیگی اور کھوکھلے پن کی طرف متوجہ ہیں'' جواب میں ایسے الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں جو ان کی دور اندیشی کے دریائے بے کراں نیز اسلام کی اطاعت و پیروی کے سلسلہ میں عورتوں سے ان کے عظیم توقعات اور عورتوں کے اندر ان توقعات کو پورا کرنے کی پوری صلاحیت و توانائی کو اُجاگر کرتے ہیں۔ مشاغل و سرگرمیاں، قسمت کے فیصلے اور لباس و حجاب (وہ بھی اس لیے کہ سوال بے جواب نہ رہے) جیسی عبارت اپنے تمام حقوق اور زندگی کے تمام امور پر عورتوں کے مکمل تسلط کو ظاہر کرتی ہے یعنی کام اور مشاغل جو اصطلاحاً معاشرہ میں انسان کے وجود اور سماج کے امور میں اس کی براہ راست شرکت کو ظاہر کرتے ہیں ان کا انتخاب عورت کا مسلّم حق ہے۔ اس کے بعد اس سے بلند تر مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ گویا ان تمام لوگوں کے نظریہ پر خط کھینچ دینا چاہتے ہیں جو انسانوں کے مقدر کو ثابت، اٹل اور پہلے سے تحریر شدہ سمجھتے ہیں، اس طرح امام قدس سرّہ عورت کو اس امر میں انتخاب کا حق دیتے ہیں کہ یہ کوئی اٹل فیصلہ نہیں ہے بلکہ عورت اپنی قسمت کے فیصلہ میں خود مختار اور صاحب ارادہ ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

"اِنَّ اللّٰہ لایغیر مایقومٍ حتّٰی یغیروا مابانفسھم" (سورہ رعد/ ۱۱)

''بلاشبہ خداوند عالم اس وقت تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ لوگ خود اپنے آپ کو نہ بدلیں۔''

اور یہ جواب بذات خود ایک بلند نعرہ ہے کہ عورت کی آزادی کا مطلب نہ تو لباس سے اس کی آزادی ہے کہ یہ خود ایک طرح سے عورت کو ضائع اور تباہ کرنا ہے۔ اور نہ گھر اور خاندان سے علاحدگی اس کی آزادی ہے کہ اس سے بھی اس اکائی کے بنیادی ستون متزلزل ہوجاتے ہیں اور نہ ہر طاقت فرسا کام کے انتخاب میں آزاد ہونا اس کی آزادی ہے کہ یہ بھی اس کی فطرت اور خلقت کے لئے ناسازگار ہے، بلکہ معاشرہ میں اس کا وجود اس کے مشاغل اور اس کا لباس وحجاب سب کچھ دستورات وقوانین کے مطابق ہونا چاہیے کیونکہ ہر انسان، انسان ہونے کی بنا پر ایک پُرسکون اور

آرام دہ زندگی کا محتاج ہے اور یہ بات اس قانون کی برقراری کے بغیر جس کی پیروی سب پر واجب ہو ممکن ہی نہیں ہے۔ پس عورت کو بھی نہ صرف اپنے لباس وحجاب بلکہ اپنے کام کے انتخاب نیز اپنی قسمت کے فیصلوں کے سلسلہ میں قوانین کا پاس و لحاظ رکھنا چاہیے۔ البتہ یہ بات واضح ہے کہ ہر معاشرہ اپنے خاص نظریہ پر مبنی قانون رکھتا ہے اور اسلامی معاشرہ بھی اس کلیہ سے الگ نہیں ہے یہاں معاشرہ پر حاکم قانون الٰہی قانون ہے جو انسانی فطرت کے مطابق اور اس کے وجودی رشدو کمال کی طرف گامزن ہے عورتوں کو اجتماعی و سیاسی کاموں میں اسی عمومی عفّت کے ساتھ حصّہ لینا چاہیے کیونکہ یہ طے ہے کہ اگر عورت ان تمام قوانین کی رعایت کئے بغیر۔ جو اسلام میں اس کی اور معاشرہ کی حفاظت کے لئے معین کئے گئے ہیں معاشرہ میں قدم رکھتی ہے تو وہ اپنی صلاحیت نیز تخلیق اور رشد و کمال میں اپنی تاثیر کی قوت سے ہاتھ دھوبیٹھتی ہے اور فساد کی راہ پر لگادی جاتی ہے۔ پھر نہ صرف وہ معاشرہ کے اعلیٰ مقاصد کو آگے بڑھانے کا سبب نہیں رہ جاتی بلکہ ایک سالم معاشرہ کو ترقی سے روکنے اور خراب کرنے کا کردار ادا کرتی ہے اور اس کی تباہی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

عورت کے سیاسی حقوق اور خدمت اسلام:

اب رہے عورت کے سیاسی حقوق اور انقلاب و جنگ میں اس کا کردار نیز دوسرے انسانی، اجتماعی و سیاسی تغیرات میں اس کا حصّہ لینا تو حضرت امام قدس سرہٗ نے فرمایا کہ: ''خواتین سیاست میں حصہ لینے کا حق رکھتی ہیں اور یہ ان کا فریضہ ہے۔'' ۱۷ اور اس سے بڑھ کر ''عورت کے لیے لازمی ہے کہ وہ حکومت کے بنیادی مقدرات و امور میں حصّہ لے'' ۱۸ اور ''اسلام کی حفاظت، ملت کے دفاع، اسلامی وقار کے تحفظ اور آخری حد تک اسلامی ملک کا دفاع، عورتوں، مردوں اور بچوں سب پر واجب ہے، دفاع کا مسئلہ سب کیلئے ایک عمومی امر ہے، جو بھی طاقت رکھتا ہے اسلامی ملک کا دفاع کرے۔'' ۱۹

عورت کے سیاسی حقوق کی وضاحت کرنے کے سلسلہ میں شاید امام خمینیؒ کے محکم و قاطع ارشادات کے مانند کوئی اور بیان نہ مل سکے۔ جو بات طے ہے وہ یہ ہے کہ سیاسی امور میں حصہ لینے۔ اپنی اور معاشرہ کی سرنوشت میں دخل و اختیار نیز دیگر امور مثلاً انتخابات میں ووٹ دینے اور لینے قوم کی طرف سے منتخب ہونے اور اس کی نمائندہ اور نجات دہندہ ہونے، مختلف حکومتوں سے ارتباط یا قطع

تعلق کرنے، جنگ و صلح یا ملکی وغیر ملکی ثقافتی و اقتصادی قوانین بنانے کے سلسلہ میں ایک تو عورت خود انسانی حیثیت سے ایک شخصیت کی مالک ہے دوسرے وہ خود مختار اور صاحب ارادہ ہے اور تیسرے وہ ایک قوی، سیاسی فکر اور خلاق و فعال ذہن کی مالک ہے کہ حضرت امامؒ نے عورتوں کو ان خصوصیتوں کی طرف اپنے مندرجہ بالا ارشادات اور ان سے مشابہ دوسرے بیانات میں متوجہ فرمایا ہے۔حتی دفاع اور جنگ کے سلسلہ میں بھی اسے مردوں کے برابر اور ان کے دوش بدوش قرار دیتے ہیں اور مذکورہ بالا تمام امور کو اس کا فریضہ قرار دیتے ہیں آپ عورت کی رائے کو قیمتی قرار دیتے ہوئے اسے عقیدتی و سیاسی افکار و نظریات کا اظہار کرنے میں آزاد و خود مختار جانتے ہیں کہ جیسا وہ چاہتی ہے سوچے سمجھے اور صلاحیتوں کو بروئے کار لائے اس طرح امام نے ہمیشہ کے لیے اور پوری قاطعیت کے ساتھ ان تمام دل کے اندھوں کو — جو عورت کو کبھی دین کے نام پر اور کبھی معاشرتی خرابیوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھنے کے نام پر گھر اور اس کے امور میں محصور و محدود کردیتے ہیں اور ان کی ہدایت اور قیادت و رہبری کو مردوں کے سپرد کردیتے ہیں فریضہ اور حکم کی صورت میں خبردار کرتے ہیں۔ انھیں اس کج فکری سے روکتے ہیں اور عورتوں کو ان کے ضائع شدہ حقوق کا حقدار ثابت کرنے کے لیے انھیں عورتوں کی توانائیوں سے آگاہ کرتے ہیں۔

عورت کے معاشرتی حقوق و کردار

امریکہ کی روٹگرز یونیورسٹی کے اُستاد ڈاکٹر جیم کوکلرزفتھ کے ساتھ انٹرویو میں حضرت امامؒ عورت کے اجتماعی حقوق سے متعلق بڑا واضح اور صریح انداز اختیار کرتے ہیں کہ ''ہم عورت کے کام کرنے کے مخالف کیوں ہوں؟ عورت حکومتی امور کیوں انجام نہیں دے سکتی؟ اسلام نے عورت کو جو احترام و آزادی بخشی ہے کسی بھی قانون یا مکتب فکر نے نہیں دی ہے۔'' [۲۰]

آپ نے مختلف موقعوں پر فرمایا ہے:

''عورتیں اسلامی معاشرہ میں آزاد ہیں۔ انھیں یونیورسٹیوں، دفتروں، اور اسمبلی و پارلیمنٹ میں جانے سے ہرگز روکا نہیں جاتا۔ لیکن جہاں تک اخلاقی فساد کی بات ہے اس میں عورت اور مرد دونوں برابر ہیں اور یہ دونوں کے لیے حرام ہے۔'' [۲۱] ''عورت اور مرد دونوں یونیورسٹی جانے کے لیے آزاد ہیں'' [۲۲] ''اسلامی نظام میں عورت کے بھی وہی حقوق ہیں جو مرد کے ہیں، کام کا حق تعلیم

حاصل کرنے کا حق، مالکیت کا حق...'' ۲۳؎

عورت کے اجتماعی و معاشرتی حقوق میں سے ایک تعلیم حاصل کرنے اور فکر میں کمال و بلندی لانے کا حق ہے۔ اگر چہ کیا ماضی اور کیا موجودہ زمانہ مختلف سماجوں کے اندر عورت کو اس کے اس مسلّم حق سے محروم رکھا جاتا رہا ہے۔ لہٰذا امامؒ عورت کو نہ صرف اس عمل خیر و سعادت کا حقدار سمجھتے ہیں بلکہ اعلیٰ مراتب و مدارج کے حصول کے لیے جہاں تک اہل علم کی راہ مردوں کو میسر ہے عورتوں کے لیے بھی اس راہ کو باز دیکھتے ہیں۔

لیکن امامؒ جو عورتوں کے سلسلہ میں صراحت کے ساتھ حکومتی سرگرمیوں میں کام اور مالکیت کے حق کا ذکر فرماتے ہیں وہ اس اعتبار سے ہوسکتا ہے کہ ایسے اعتقادات ونظریات موجود ہیں جو ایک تو عورت کو گھر ہی میں محدود اور منحصر رکھتے ہیں اور اسے اجتماعی جدوجہد نیز بنیادی اور حکومتی کاموں کے لائق نہیں جانتے ساتھ ہی اسے اپنی محنتوں اور کوششوں کی پاداش کا مستحق شمار نہیں کرتے۔ دوسرے الفاظ میں چونکہ اسے ایک مکمل انسان نہیں جانتے یعنی ایک مستقل و عاقل انسان نہیں جانتے جس کے اندر اپنے حقوق کی مالکیت اور ان سے استفادہ کرنے کے شرائط موجود ہوں، لہٰذا ان موارد میں بھی ہمیں امامؒ کے صریح اور راہ گشا ارشادات نظر آتے ہیں۔ لیکن مذکورہ بالا تمام امور میں عورت کی شرکت کو آپ نے ہمیشہ اس کی عفّت و پاکدامنی کے ساتھ واجب قرار دیا ہے جس کا ذکر اور اسباب وعلل ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔

شادی اور طلاق کے سلسلے میں عورت اور مرد کے باہمی حقوق

اپنی گفتگو کے اس حصّہ کو بھی میں حضرت امامؒ کے کلام سے شرف بخشتی ہوں کہ شادی بیاہ کے سلسلہ میں اسلام نے عورت کو شوہر کے انتخاب میں آزادی عطا کی ہے۔

''ہر عورت جس مرد کو اپنا شوہر منتخب کرنا چاہے، اسلامی قوانین کے دائرہ میں اسے اُس کا پورا اختیار ہے۔'' ۲۴؎ یا اس استفتاء کے جواب میں کہ طلاق کے سلسلہ میں عورت کے اختیار کی کیا صورت ہے؟ فرماتے ہیں ''محترم عورتوں کے لیے شارع مقدس نے آسان راہ معین فرمائی ہے تاکہ وہ خود طلاق کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے سکیں اور وہ اس صورت میں کہ عقد و نکاح کے دوران اگر وہ یہ شرط کرلیں کہ بطور مطلق یعنی جب بھی ان کا دل چاہے گا یا مشروط طور پر یعنی اگر مرد بد قماشی

یا ظلم پر اُتر آئے گا یا مثلاً دوسری عورت سے شادی کرلے گا تو وہ شوہر کی طرف سے وکیل ہوں گی کہ خود کو طلاق دے لیں۔ ایسی صورت میں عورتوں کیلئے کوئی دُشواری پیش نہیں آتی اور وہ خود کو طلاق دے سکتی ہیں۔'' ۲۵؎

جیسا کہ ظاہر ہے حق ازدواج وطلاق کے سلسلہ میں امامؒ کا کلام اس قدر صریح اور واضح ہے کہ اس میں کسی طرح کے شبہ یا وضاحت کی گنجائش نہیں ہے۔ امامؒ عورتوں کو اپنے پسندیدہ شریک زندگی کے انتخاب میں مکمل آزادی دیتے ہیں۔ البتہ ''اسلامی قوانین کے دائرہ میں'' کی قید اس عظیم حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ شادی چاہے عورت کیلئے ہو یا مرد کیلئے، صرف جنسی خواہشات کی تکمیل کیلئے نہیں ہے بلکہ اس کا ایک اہم اور بلند مقصد بھی ہے اور وہ ان گلوں کی پیدائش جو نسل انسانی اور امت اسلامی کی بقا و دوام کا سبب ہیں اور یہ عظیم مقصد اس وقت تک ہاتھ نہیں آسکتا جب تک عورت و مرد شادی سے پہلے اس سلسلہ میں خوب غور وفکر نہ کریں۔ وہ ایسے شریک زندگی کا انتخاب کریں جو ایک سالم اور صالح نسل کو وجود عطا کرنے میں ان کا مددگار ہو جیسا کہ صادقِ آلِ محمدؐ علیہم السلام نے فرمایا ہے ''الولد الصالح ریحانة من ریاحین الجنَّة'' ۲۶؎ نیک و صالح فرزند جنت کے پھولوں میں سے ایک پھول ہے یہ پھول جو الٰہی امانتیں ہیں، سالم پیدا ہوں۔ اچھی تربیت پائیں اور رسولؐ خدا کی آنکھوں کا نور قرار پائیں اس کیلئے بہت ہی مناسب اور صالح شریک حیات کے انتخاب کی ضرورت ہے۔

اب رہا طلاق تو چاہے یہ مسئلہ عورت کی جانب سے ہو یا مرد کی جانب سے ناپسند اور مذموم ہے اور ایک ایسا امر ہے جو عرش الٰہی کو بھی لرزا دیتا ہے۔ لیکن (آخری چارہ کار اور راہ حل کی حیثیت سے) بعض ادیان کے برخلاف جو راہ حل کو سرے سے بند اور مسدود جانتے ہیں اسلام نے یہ راہ بند نہیں رکھی ہے۔ لیکن چونکہ عورت! مرد ممکن ہے غلط راہ اختیار کریں اور ہوا و ہوس میں مبتلا ہوں، خودسری اور لڑائی جھگڑے پر اُتر آئیں لہٰذا اس نکتہ کو کہ عورتیں اگر چاہیں تو حق طلاق کی شرط کرلیں مکمل طور سے جائز شمار کیا ہے۔ اس طرح امامؒ نے طرفین کی بہت سی مشکلوں کو حل کیا ہے۔ زوجین کو مزید اطمینان خاطر بخشا ہے اور خاندان کو بہتر استحکام وثبات عطا فرمایا ہے۔

عورتوں کے حقوق اور نسل آئندہ کی حفاظت و نگہداشت

یہ کلام یوم خواتین کی مناسبت سے حضرت امام خمینیؒ کے ایک پیام سے انتخاب ہوا ہے تاکہ گفتگو کے اس حصہ کو واضح کرسکے'' دنیا میں عورتوں کا ایک مخصوص کردار رہا ہے۔ کسی معاشرہ کی اچھائی یا برائی اس معاشرہ کی عورتوں کی اچھائی یا بُرائی سے پیدا ہوتی ہے۔ عورت ہی وہ تنہا وجود ہے جو اپنی آغوش سے ایسے افراد معاشرہ کے حوالہ کرسکتی ہے جس کی برکتوں سے ایک معاشرہ کیا بہت سے معاشرے استقامت و پائداری اور بلند انسانی اقدار سے ہم کنار ہوسکتے ہیں یا اس کا اُلٹا بھی ہوسکتا ہے۔ ۲۷؎

جیسا کہ ماہرین نفسیات کی تلاش و تحقیق سے پتہ چلتا ہے۔ ایک بچہ کی شخصیت سات سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے ایک ڈھرہ اور ایک رُخ اختیار کرلیتی ہے اور بچے زیادہ تر اپنی عمر کے یہ سال ماں کے سایہ میں بسر کرتے ہیں اور مہر و محبت، ایثار و فدا کاری، فرحت ونشاط، دلگرمی وخوش بینی ایمان وعقیدہ عزم و ثبات نیز دوسرے بلند اخلاقی مفاہیم یا اس کے برعکس بغض وکینہ، رشک و حسد بے اعتقادی و بے ایمانی، خست و بخل، بدبینی وتعصب، غم واندوہ، کاہلی و سستی کا پودا ماں کی طرف سے اس کے دل و نہاد میں لگایا جاتا ہے اور اس میں شگوفے پھوٹتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام بزرگوارؒ ماں کو اصلاح و فساد کا منبع ومصدر قرار دیتے ہیں۔

آخر کلام میں وہ باتیں جو حضرت امامؒ سے نسبی قرابت ہونے کی بنا پر مجھ سے مربوط ہیں اور جنھیں میں نے تحقیق و مطالعہ سے نہیں بلکہ ذاتی مشاہدہ سے حاصل کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امامؒ کی باتیں اور ان کی گفتگو حقیقت وعینیت پر مبنی ہوا کرتی تھیں۔ دوسرے الفاظ میں جن چیزوں پر ان کو یقین اور عقیدہ تھا دقیق طور سے وہی کچھ ان کی زبان پر جاری اور ان کے اعمال پر طاری ومسلّط تھا حقیقت میں وہ عورتوں کی جس شخصیت، قدر وقیمت اور حقانیت کے زبان سے قائل تھے عمل کے ذریعہ بھی اس کا اظہار فرماتے تھے۔ یہ امامؒ ہی تھے جنھوں نے ایک نئی بنیاد رکھی اور اپنی بات پر عملی طور سے بھی جمے رہے۔ اپنی گفتگو میں پیغامات میں نیز عملی طور سے بھی ایک عورت کو پیغام بر کی صورت میں روس بھیج کر برابری و مساوات کو مستحکم کردیا۔ انھوں نے ہر موقع پر چاہے لفظاً ہو یا عملاً اپنی صداقت کا ثبوت پیش کیا اور اس صداقت وسچائی کے ساتھ جو ان کا ملکہ تھی انھوں نے کسی طبقہ یہاں

تک کہ عورتوں سے بھی قول وعمل میں دو رنگی اختیار نہیں کی، لہٰذا جب وہ آواز بلند کرتے تھے کہ عورتوں اور مردوں کے درمیان کسی بھی حقوقی امر میں کوئی فرق نہیں ہے تو اسے سچ کر دِکھاتے تھے اور عملی جامہ بھی پہناتے تھے۔

میں یہ بات پورے زور اور تاکید کے ساتھ کہتی ہوں کہ وہ کسی بھی سلسلہ میں کوئی بات لاف وگزاف یا تکلف کے انداز میں یا اپنی شہرت ومحبوبیت کے لیے نہیں کہتے تھے اور جو کچھ کہتے تھے الٰہی احکام کے اجراء اور رضائے پروردگار کے حصول کے لیے فرماتے تھے، جس نے آپ کے پورے وجود کو پر کر رکھا تھا اور اس سلسلہ میں اس قدر دقت نظر سے کام لیتے تھے کہ اکثر اس کا تصور بھی دشوار ہے۔ ایک مثال یہاں پیش کرتی ہوں جو شاید کسی حد تک اس بات کو واضح کر سکے۔

ایک روز آپ نے کسی مناسبت سے ایک پیغام لکھا تھا لیکن فوراً ہی حکم دیا کہ وہ پیغام واپس کیا جائے فوراً حکم کی اطاعت کی گئی۔ غالباً لشکر اسلام کے نام پیغام تھا، انھوں نے اس پیغام میں کچھ تبدیلی کی اور واپس کر دیا۔ جب میں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں نے لکھا تھا کہ میں اپنی تمام آرزوؤں کے ساتھ تم سب کے لیے دعا کرتا ہوں لیکن بعد میں یہ احساس ہوا کہ شاید یہ بات حقیقت کے مطابق نہ ہو لہٰذا دوبارہ لکھا کہ میں اپنی بیشتر آرزوؤں کے ساتھ تم سب کے لیے دُعا کرتا ہوں۔ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ جو شخص اس طرح اور اس حد تک اپنے قلم اور بیان کو اپنے ضمیر و باطن سے ہم آہنگ رکھتا ہے کہ اس کے دشمن بھی اس پر دورنگی اور ریاکاری کا الزام نہیں لگا سکے، یہ محال ہے کہ انھوں نے تمام مسائل اور خاص طور سے عورتوں کے بارے میں جو باتیں کہی ہیں اور جن کا بہت مختصر نمونہ یہاں ذکر کیا گیا ہے ان میں ذرّہ برابر بھی حقیقت سے دُوری، ظاہر داری، تکلّفات اور لاف وگزاف سے کام لیا ہو۔

اس منزل پر جیسا کہ میں عرض کر چکی ہوں اپنی قرابت کی بنیاد پر چاہتی ہوں کہ تحریری مثالوں کے علاوہ کچھ عینی مثالیں بھی پیش کروں اور اس تہذیب کی طرف اشارہ کروں، جو انھوں نے گھر میں رائج کر رکھی تھی۔ محبت و مفاہمت کی بنیاد پر استوار روابط اور ذمہ داریوں کا احساس جو اسی تہذیب کی دین تھا، دوسروں کے حقوق کا احترام اپنے فرائض پہچاننے اور ذمہ داریوں کو انجام دینے کی تہذیب حریم اہل خانہ کی حرمت و پاسداری کی تہذیب نیز احباب و اقربا سے مسالمت آمیز برتاؤ کا ماحول۔

میں اپنی والدہ محترمہ کا قول نقل کرتی ہوں، فرماتی ہیں: ''حضرت امامؒ نے شادی کے بعد مجھ سے فرمایا کہ میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ واجبات پر عمل کرو اور محرمات سے پرہیز کرو۔ تمہارے مستحب و مباح ذاتی امور میں کوئی دخل نہیں دوں گا۔ اپنی خصوصی زندگی پر تمھیں پورا پورا اختیار ہے۔'' یعنی دقیق طور پر امامؒ نے اپنی بیوی سے اسلام پر عمل کا تقاضا کیا ہے اور بس۔ اور حقیقت بھی یہی تھی کہ آپ والدۂ گرامی کے مسائل میں کسی طرح کی مداخلت نہیں فرماتے تھے حتیٰ کہ ان سے ایک گلاس پانی کا تقاضا کرنے سے بھی گریز کرتے تھے اور صرف یہ کہنے پر اکتفا فرماتے تھے کہ ''محترمہ حکم دیجئے کہ میرے لیے فلاں چیز لے آئیں۔''

میری والدہ محترمہ ایک واقعہ اور بیان فرماتی ہیں کہ ''بچوں کی پرورش کے دوران راتوں میں دو گھنٹہ وہ بچہ کی نگرانی فرماتے تھے، میں سوتی تھی اور دو گھنٹہ میں بچہ کی دیکھ بھال کرتی تھی، وہ سوتے تھے، حتیٰ کہ یہ مقدار بھی میری رضامندی کے مطابق تھی۔'' اے کاش! میں ان تمام مناظر و لمحات کو قلم بند کر کے ان کی تصویر کشی کر سکتی جن میں وہ اپنی زوجہ، اولاد اور اقربا کے حقوق کی رعایت فرماتے تھے۔

آج امام خمینی کے تمام ماننے والوں خصوصاً عورتوں کا یہ فرض ہے کہ ان کی جلائی ہوئی اس فروزاں مشعل کو خاموش نہ ہونے دیں اور اسلام و امام کے پیرو بھائیوں پر لازم ہے کہ اسلام نے عورتوں کے لیے جو حقوق معین کیے ہیں اور امامؒ نے جنھیں نافذ فرمایا ہے اپنی مسلسل سعی اور بھرپور طاقت کے ساتھ ان کی رعایت کریں کیونکہ ان کا لحاظ نہ کرنے کے برے نتائج زیادہ سے زیادہ خود ان ہی بھائیوں اور ساتھ ہی معاشرہ کو بھگتنا ہوں گے اور خاندانوں کا سکون و قرار جو نسل آئندہ کے پھلنے پھولنے کے لیے ضروری ہے غارت ہو کر رہ جائے گا۔

حوالے:

۱۔ کتاب پیام انقلاب: ص-۱۵۱۔ خواہرانِ مکتب توحید سے امامؒ کا خطاب، مورخہ ۱۶/۷/۵۷ھ ش

۲۔ کتاب پیامِ انقلاب: ص۱۵۸۔ انجمن خیریہ اصفہان کی ممبر خواتین سے ملاقات کے موقع پر امامؒ کا خطاب، مورخہ ۲۰/۸/۵۸ھ ش

۳۔ کتاب صحیفۂ نور: جلد-۱۲، ص-۲۷

۴۔ کتاب طلیعۂ انقلاب اسلامی: ص-۱۰۰، مورخہ ۱۹/آبان ۵۷ ھ ش مطابق ۱۰/نومبر ۷۹ء

۵۔ صحیفۂ نور: جلد ۶، ص ۱۹۴

۶۔ صحیفۂ نور: جلد ۸، ص ۱۶۲

۷۔ صحیفۂ نور: جلد ۸، ص ۱۶۲

۸۔ صحیفۂ نور: جلد ۶، ص ۱۹۴

۹۔ سورہ نساء، آیت نمبر ۱

۱۰۔ سورہ آلِ عمران: ۳۶

۱۱۔ صحیفۂ نور: جلد ۶، ص ۱۵۸، مورخہ ۲۶/۲/۵۸

۱۲۔ پیامِ انقلاب: ص ۵۲، مکتب توحید کی خواتین سے خطاب، مورخہ ۸/۱۰/۹۷ء-۱۶/۷/۵۸ھ ش

۱۳۔ ہالینڈ کے ایک روزنامہ ''دی راسٹ گرانٹ'' کو انٹرویو: ۱۶/۸/۱۳۵۷ھ (۷/۱۱/۷۸ء) از کتاب صحیفۂ نور: ج ۳، ص ۴۶

۱۴۔ مؤرخہ ۱۰/۸/۵۷ھ پیرس

۱۵۔ شہر لنگرود کے تعلیمی محکمہ والوں سے خطاب، ۲۶/۶/۵۸ھ ش۔ از کتاب کیمائے زن در کلام امام خمینیؒ

۱۶۔ سپاہ پاسدار کے کمانڈروں سے خطاب، ۲۸/۵/۶۰ھ ش۔ از کتاب کیمائے زن در کلام امام خمینیؒ

۱۷۔ مورخہ ۷/۱۰/۵۷ ش۔ از کیمائے زن در کلام امام خمینیؒ

۱۸۔ سیمائے زن در کلام امام خمینیؒ مورخہ ۱۵/۱۲/۵۷ھ (۶/۲/۷۹ عیسوی)

۱۹۔ لاس اینجلس ٹائمز امریکہ کے نامہ نگار سے انٹرویو، مورخہ ۱۶/۹/۵۷ (۱۷/۱۲/۷۸ عیسوی)

۲۰۔ مورخہ ۲/۹/۵۷ (۱۱/۱۲/۷۸ عیسوی)

۲۱۔ صحیفۂ نور جلد چہارم، ص ۳۳ (امل سے انٹرویو مورخہ ۱۶/۹/۵۷ھ (۷/۱۲/۷۸ عیسوی

۲۲۔ از کتاب سیمائے زن در کلام امام خمینیؒ، مورخہ ۷/۱۰/۵۷

۲۳۔ طلاق کے سلسلہ میں امام خمینیؒ کا ایک فتویٰ، کتاب سیمائے زن در کلام امام خمینیؒ، تاریخ ۷/۸/۵۸ ۳۔ وسائل الشیعہ

۲۴۔ کتاب سیمائے زن در کتاب امام خمینیؒ، تاریخ ۲۵/۱۲/۵۸

آیت اللہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ

ایک عرفانی شاعر

ڈاکٹر محمد تقی علی عابدی

پیرم ولی بگوشه چشمی جوان شوم
لطفی که از سراچه آفاق بگذرم

پیری میں جوانی کا جوش و ولولہ رکھنے والے آیت اللہ سیّد روح اللہ خمینیؒ کی ابتدائی تعلیم کے بعد فلسفہ، منطق، کلام، اصول، فقہ، حدیث، تفسیر، ادب وغیرہ کی تعلیم حاصل کر کے ۱۸ سال کی عمر میں ہی آیت اللہ عبدالکریم حائری یزدی، آیت اللہ میر سید علی یثربی کاشانی، آیت اللہ شیخ محمد رضا نجفی اور آیت اللہ شیخ ابوالقاسم کبیر جیسے جید علماء کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور بہت جلد اجتہاد کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوگئے۔ نیز حوزۂ علمیہ قم میں فلسفہ کا درس دینا شروع کیا اور کچھ دن بعد فلسفہ کے ساتھ ساتھ ہفتہ میں ایک دن درس اخلاق و عرفان بھی شروع کردیا۔ اس کا چرچا ایران میں ہر چہار جانب ہونے لگا۔ نتیجتاً آیت اللہ خمینیؒ نے شائقین کی کثرت نیز درس اخلاق و عرفان کی افادیت و اہمیت کے مدنظر درس کو ہفتہ میں دودن کردیا۔ اس درس میں عوام کی دلچسپی سے پہلوی حکومت خوفزدہ ہوئی جس کی بنا پر حکومت نے اس درس کو ختم کرنے کی ناکام کوشش بھی کی، لیکن اس وقت تک آیت اللہ خمینیؒ کے بصیرت افروز بیان سے بہت سے شاگرد ایسے تیار ہوچکے تھے جو ظلم و جور، قید و جلاوطنی سے نہیں ڈرتے تھے۔ وہ مسکراتے ہوئے دار کی طرف بڑھنے اور دہکتی ہوئی آگ میں کود پڑنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔

بہرحال ایک طرف ان افراد نے آیت اللہ خمینیؒ کی اخلاقی و عرفانی تقاریر سے متاثر ہوکر ایران کی ظالم و جابر اور غیر اسلامی حکومت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کردیا اور دوسری طرف آیت اللہ خمینیؒ شاہی حکومت کے ظلم کا نشانہ بن کر قید و جلاوطنی کی زندگی گزارنے لگے پھر بھی آیت اللہ خمینیؒ ایران کی شاہی حکومت کے خلاف سخت بیانات جاری کرتے رہے اور عوامی تحریک زور پکڑتی رہی،

جس کی وجہ سے ایران کی صدیوں پرانی شہنشاہیت کا تختہ پلٹا اور جمہوری اسلامی کا قیام عمل میں آیا۔ آیت اللہ خمینیؒ نے اسی جمہوری اسلامی ایران کی دس بہاریں دیکھ کر ۲۸؍شوال ۱۴۰۹ھ-۳؍جون ۱۹۸۹ء کو انتقال کیا۔

آیت اللہ خمینیؒ صرف ایک انقلابی یا مذہبی رہنما یا مدرس ہی نہیں بلکہ محقق و مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ عرفانی شاعر بھی تھے۔ سید مرتضیٰ حسین فاضل نے اپنی کتاب ''آیت اللہ خمینیؒ قم سے قم تک'' میں آیت اللہ خمینیؒ کی ۲۶ کتابوں کے نام درج کیے ہیں، جس میں مصباح الہدایہ، تحریر الوسیلہ، ولایت فقیہ، جہادِ اکبر، معراج السالکین، تہذیب الاصول، توضیح المسائل عربی اور فارسی کتابیں شامل ہیں۔

آخر عمر میں آیت اللہ خمینیؒ نے اپنی بہو فاطمہ طباطبائی کے اصرار پر کچھ غزلیں کہی تھیں جنھیں ان کے فرزند سیّد احمد خمینی نے ''سبوی عشق'' کے نام سے علامہ خمینیؒ کے چہلم کے موقع پر شائع کیا۔ سیّد احمد خمینی لکھتے ہیں:

"اماما، اکنون که در غم هجرانت می سوزم، غزل هاے از مجموعه اشارت را که به اصرار همسرم، فاطمه طباطبائی در سال های اخیر سروده ای به تشنگانِ زلالِ کوثر هدایت و عرفانیت تقدیم می نمایم۔"

مذکورہ مجموعہ میں آیت اللہ خمینیؒ کی ۱۳۶۵ش ھ-۱۹۸۶ء سے ۱۳۶۸ش ھ-۱۹۸۹ء کے درمیان کہی ہوئی عرفانی غزلوں کو خلوتِ مستان، مستی عاشق، محفل زندان، غمزۂ دوست، چشم بیمار، دریائے فنا، جامہ در آن اور حسن ختام عنوان کے تحت پیش کیا گیا ہے۔

ان کی غزلوں کے اشعار لفظی و معنوی خوبیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ انھوں نے اپنی غزلوں میں عشقِ الٰہی کی طرف خاص توجہ دی ہے۔ یوں تو عشق ہر فرد کے لیے لازمی ہے۔ چاہے وہ عشقِ مجازی ہو یا حقیقی۔ عش مجازی صرف حسن ''صورت'' سے وابستہ ہے اور عشقِ حقیقی حسن ''وجہ'' سے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے جس کے لیے قرآن میں ملتا ہے:

"وَيَبْقىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلالِ وَالْاِكْرَامِ۔" **(سورہ رحمٰن، آیت ۲۷)**

حقیقت یہ ہے کہ عشقِ حقیقی میں انسان اپنے کو بھول جاتا ہے۔ وہ دنیا میں ہر کام خدا کے لیے کرتا ہے۔ اس کی موت و حیات، خوشی و غم، سب کچھ خدا کے لیے ہوتا ہے۔ ایسے ہی عاشق صادق

کے لیے شاعر نے کہا ہے:

میں تو جیتا ہوں کہ دنیا میں ترا نام رہے
یہ بھی ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے

یہی خدا کیلئے زندگی بسر کرنا اور اس کو وحدہٗ لاشریک ماننا زندگی کا اصل مقصد ہے۔

علاّمہ خمینیؒ بھی عشقِ الٰہی میں سرشار شخص کو زمانے میں عاقل تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ عشق الٰہی میں سرشار ہوکر اس قدر بے خود ہوجاتا ہے کہ اس کے دل و دماغ سے دنیا کے تفکرات محو ہوجاتے ہیں اور وہ اپنی ظاہری ہستی ختم کر کے فنا فی اللہ ہوجاتا ہے اور جو عارف کامل فنا فی اللہ ہوتا ہے اسی کو بقائے دائمی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کی نظر میں جو شخص عاشقِ الٰہی نہیں وہ عاقل نہیں:

دل که آشفتهٔ روئ تو نباشد دل نیست آن که دیوانه خال تو نشد عاقل نیست
مستی عاشق دلباخته از بادهٔ تست بجزاین مستیم ازعمردگرحاصل نیست
عشقِ روی تو در این بادیه افگند مرا چه توان کردکه این بادیه راساحل نیست

ان کی نظر میں اگر انسان عشق الٰہی میں سرشار ہوئے بغیر اپنی ساری زندگی گزار دیتا ہے تو اس کی اس زندگی کا کچھ حاصل نہیں۔ اور پھر انسان کے پاس اپنا کیا ہے؟ جو کچھ ہے وہ حسن وعشق اور محبت کا جذبہ اللہ کا دیا ہوا ہے لیکن خدا نے عشق کا یہ جذبہ انسان کے علاوہ کسی دوسرے کو نہیں دیا۔ اور انسانوں میں بھی ان انسانوں کو عشق الٰہی کا بار سونپا جو عشق وعشرت کے دلدادہ نہیں بلکہ تمام اسباب راحت و آرام کو ختم کر کے اپنے کو رنج وغم میں مبتلا کر لیتے ہیں۔ ایسے ہی عاشق صادق، محبوب حقیقی کے دیدار کے لیے ساری دنیا میں سرگرداں اور پریشاں پھرا کرتے ہیں۔ علامہ خمینیؒ کے مذکورہ شعر سے بھی اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ عشقِ حقیقی کے ذریعہ اس جنگل (بادیہ) میں پہنچ گئے ہیں جس کا کوئی ساحل نہیں ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ تلاش یار میں ہر میکدے، بتکدے، مسجد اور دیر کے بھی چکر لگائے نیز سجدے کیے کہ شاید محبوبِ حقیقی کا دیدار ہوجائے لیکن ہر جگہ سے مایوس ہی لوٹنا پڑا۔

بر در میکده و بتکده و مسجد و دیر
سجده آرم که تو شاید نظری بنمائی

مذکورہ شعر سے علامہ خمینیؒ کی وسیع المشربی کا احساس ہوتا ہے۔ یعنی وہ یہ ثابت کردینا چاہتے ہیں کہ مسجد، دیر، بتکدہ، میکدہ ہر جگہ صرف ایک عمل انجام دیا جاتا ہے اور وہ ہے تلاش حق۔ تلاش حق کے لیے شراب عشق الٰہی کا پینا لازمی ہے، جس کو وہی پی سکتا ہے جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو۔ شراب عشق پینے کے بعد انسان غم و الم اور تفکرات کو بھلا کر دل و جان میں تازگی محسوس کرتا ہے۔ اسی لئے علامہ خمینیؒ کہتے ہیں:

من خواستار جام می از دست دلبرم

این راز با که گویم و این غم کجا برم

یعنی آیت اللہ خمینیؒ محبوب کے ہاتھوں سے شراب چاہتے ہیں، لیکن یہ راز دنیا کے کسی دوسرے فرد سے نہیں بتائے، کیونکہ سب ہی خاص طور سے ظاہر پرست شریعت کی آڑ میں طرح طرح کے الزام لگاتے ہیں اور وہی حال ہوتا ہے جو منصور کا ہوا، لیکن دوسری غزل میں آیت اللہ خمینیؒ اسی پوشیدہ راز کو افشا کرتے ہوئے کہتے ہیں:

من بخال لبت ای دوست گرفتار شدم چشم بیمار تو را دیدم و بیمار شدم

فارغ از خود شدم و کوس انا الحق بزدم همچو منصور خریدار سر دار شدم

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ:

بگذارید که از بتکده یادی بکنم من که بادست بت میکده بیدار شدم

لیکن پھر بھی شہر کا واعظ اپنے پند و نصیحت سے آزار پہنچاتا رہتا ہے۔ اسے یہ نہیں معلوم کہ عاشق صادق اپنا دل کھول کر ایک مصیبت میں مبتلا ہوجاتا ہے اور اس مصیبت کو بھلانے میں شراب ہی مددگار ثابت ہوتی ہے۔

واعظ شهر کو از پند خود آزارمم داد از دم رند می آلوده مددگار شدم

اسی لئے آیت اللہ خمینیؒ اُسی غزل میں کہتے ہیں:

در میخانه گشائید برویم شب و روز که من از مسجد و از مدرسه بیزار شدم

مسجد و مدرسہ سے بیزار ہونے کی وجہ ایک دوسری غزل سے معلوم ہوتی ہے:

در مدرسه از دوست نخواندیم کتابی در مأذنه از یار ندیدیم صدائی

اور ایک غزل میں مسجد و مدرسہ سے بیزار ہونے کے بعد شرابِ عشقِ الٰہی کے لیے یہاں تک کہتے ہیں کہ:

الایا ایها الساقی زمی پرساز جامم را که از جانم فروریز و هوای ننگ و نامم را

از آن می ریز در جامم که جانم را فنا سازد برون سازد زهستی هسته نیرنگ و دامم را

مذکورہ اشعار میں غالباً ساقی سے مراد خالقِ کائنات، مئے سے مراد عشق و محبت اور جام سے مراد قلب ہے۔ دراصل سب سے بڑا ساقی وہی عزوجل ہے جو اپنے نیک بندوں کو طاہر شراب پلاتا ہے جس کے لیے قرآن میں ہے:

وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَاباً طَهُوْرًا" **(سورۂ دہر، آیت ۲۱)**

گویا خالقِ کائنات ہی مجھے عشق و محبت کی ایسی شراب پلاسکتا ہے جس کے ذریعہ میں اپنی دلی خواہشات کو ترک کر کے اس ہستی سے آزاد اور ہستی مطلق (خدا) سے ملحق ہوسکتا ہوں اور ہستی مطلق سے مل جانا ہی حیاتِ دائمی کو حاصل کرلینا ہے۔ شاید اسی لیے آیت اللہ خمینی یہ تمنا کرتے ہیں:

کاش روزے بسر کوی تو ام منزل بود که در آن شادی و اندوه مراد دل بود

یا:

آید آن روز که خاک سر کویش باشم ترک جان کرده و آشفته رویش باشم

اور:

جز سرکوی توای دوست ندارم جائی در سرم نیست بجز خاک درت سودائی

گویا اس منزل تک پہنچنے کی اس قدر آرزو ہے کہ اگر اس سلسلے میں جان بھی چلی جائے یعنی تیرے در کی خاک بھی بن جاؤں تو مضائقہ نہیں کیونکہ ایک پروانہ شمع کے قریب ہونے کے لیے اپنی جان کو نثار کردیتا ہے۔ علامہ کہتے ہیں:

جان باختم بحشرت دیدار روی دوست پروانه دور شمعم و اسپند آذرم

مذکورہ شعر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علامہ خمینیؒ ہستی مطلق سے ملحق ہونے کے لیے اپنی جان کو اسی طرح نثار کردینا مناسب سمجھتے ہیں جس طرح ایک پروانہ شمع پر نثار ہوکر اسپند کا کام انجام دیتا ہے۔

علاّمہ خمینیؒ کے بعض اشعار سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ریاکار اور ظاہر پرست عالم کے ظاہری لباس سے سخت نالاں تھے کیونکہ وہ اس ظاہری لباس کی آڑ میں سیدھے سادے لوگوں کو فریب دینے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ ان کی نظر میں ظاہری لباس جاہلوں کا لباس ہے اور وہ خود

ایسے لباس سے آزاد ہونے کی دعا کرتے ہیں:

دست من گیر و از این خرقه سالوس رهان که در این خرقه بجز جایگه جاهل نیست

یعنی کہ خدا! میرے ہاتھ کو پکڑ کر اس ظاہری لباس سے آزادی دلا دے، کیونکہ یہ لباس تو جاہلوں کا لباس ہے جس سے خود بینی اور خودنمائی ہوتی ہے۔ یہ درحقیقت ریاکاری کا جامہ ہے۔ اس کو پہننے والے کا باطن کچھ اور ہوتا ہے اور ظاہر کچھ اور۔ اسی لیے وہ ظاہری زہد و ریا کے لباس کو اُتار کر پیرخراباتی بنا پسند کرتے ہیں۔ کہتے ہیں:

جامهٔ زهد و ریا کندم و بر تن کردم خرقهٔ پیر خراباتی و هشیار شدم

یعنی پیرخراباتی کا لباس پہننے کے بعد انسان ہوشیار ہوکر حوزۂ عرفان میں داخل ہوجاتا ہے جس کے لیے آیت اللہ خمینیؒ کہتے ہیں کہ علم وعرفان تک پہنچنے کا راستہ خرابات کے علاوہ کچھ نہیں:

علم و عرفان بخرابات ندارد راهی که بمنزلگه عشاق ره باطل نیست

اور جب انسان حوزۂ عرفان میں داخل ہوجاتا ہے تو:

چون بعشق آمدم از حوزهٔ عرفان دیدم آنچه خواندیم و شنیدیم همه باطل بود

مختصر یہ کہ انھوں نے مے، جام، میکدہ، بتکدہ، زہد، ریا، دیر، مسجد، مدرسہ، خرقہ، سالوس، پیر وغیرہ کا استعمال روایتی انداز میں کیا ہے، جن کے مطالب و مفاہیم کو صوفیانہ اصطلاحات کے بغیر نہیں سمجھا جاسکتا ہے۔ انھوں نے اپنی غزلوں میں تلاشِ حق کے لیے فنا فی اللہ ہونے، زہد و ریا کا ظاہری لباس اُتارنے اور ترک خود پرستی کرنے پر خاص طور سے زور دیا ہے۔ علامہ کا یہ پیغام کسی خاص فرقہ، مسلک، مکتبِ فکر، خطہ یا عہد سے متعلق نہیں بلکہ عوامی پیغام ہے جو اپنی وسعتوں میں ہر دور کو سمیٹے ہوئے ہے جس کی وجہ سے کلام میں، علم وعرفان کی خاص رنگینی اور چاشنی ملتی ہے۔ اسی لیے علامہ خمینیؒ کو بیسویں صدی کا مصلح اور صوفی شاعر تسلیم کیا جاتا ہے جو اپنی آخری منزل پر بھی پیرصومعہ کو یہ پیغام دیتے ہوئے جاتا ہے:

بساغر ختم کردم این عدم اندر عدم نامه
به پیر صومعه برگو ببین حسن ختامم را

امام خمینیؒ کی زندگی کے آخری دنوں کی یادیں

امام خمینی رضوان اللہ علیہ کی تاریخ ساز شخصیت کا تعلق فقط ایرانی عوام سے نہیں ہے بلکہ دنیا کے تمامسلمان اور کمزور وپسماندہ عوام انہیں آج بھی اپنا قائد ورہنما سمجھتے ہیں اور ان کے ارشادات کو مشعل ہدایت کا درجہ دیتے ہیں۔ ان حقیقتوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے امام خمینیؒ کے قریبی خدمت گزاروں کی مدد سے ان کی سادہ ودرس آموز زندگی کی آخری یادوں کا اجمالی تجزیہ پیش کیا جاتا ہے تا کہ موجودہ اور آئندہ نسل اس سے سبق حصل کرسکے۔

چونکہ امام خمینیؒ کا تعلق پوری امت اسلامیہ سے تھا اور عصر حاضر کی اس تاریخی شخصیت کی ہدایت اور رہنمائیاں بھی تمام مسلمانوں کے لئے تھیں لہٰذا اسلامی تعلیمات پر عقیدہ وایمان رکھنے والے تمام لوگوں کو ان کی خدمت گزاری کا شرف حاصل ہے۔لیکن اسمیں کوئی شک نہیں کہ کچھ لوگوں کو ان کی براہ راست خدمت گزاری کا شرف وافتخار حاصل رہاہے اور ان لوگوں نے ان کی روز مرہ کی زندگی کو قریب سے دیکھا ہے اور ان کی راہ وروش اور طرز معاشرت سے بخوبی واقف ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کی سیرت ہم لوگوں کے لئے بہترین نمونہ عمل ہے اور امام خمینیؒ نے اپنی نقل وحرکت اور طرز زندگی کے ذریعہ عصر حاضر میں ان سیرتوں کو دوبارہ زندہ کردیا یہی وجہ ہے کہ موجودہ مادیت زدہ ومشینی نظام کے دور میں دنیا کے ہر گوشے میں اسلام کا بول بالا دکھائی دیتاہے۔

امام خمینیؒ کے قریبی خادم الحاج عیسیٰ سے جب امام خمینیؒ کے معمول حیات کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے اشک آلود نگاہوں کو پاک کرتے ہوئے کہا کہ امام خمینیؒ قرآن اور دعا کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور اپنی زندگی کے آخری لمحات کے دوران بھی وہ ذکر الٰہی سے قطعی غافل نہیں ہوئے اور عام لوگوں کی خدمت میں اس قدر محو رہتے تھے کہ اپنے آرام کا کبھی کوئی خیال نہیں کیا۔ الحاج عیسیٰ نے بتایا کہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں بھی وہ تلاوت قرآن اور ملک کی رپورٹوں کے مطالعے وتجزیے میں مشغول رہا کرتے تھے۔ انہوں نے مزید ایک واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میں نے ہفتہ کی صبح کو دیکھا تو مجھے ایسا لگا کہ پہلے کے مقابلے میں اب انکی حالت بہتر ہے۔ یہ ان کی زندگی کا آخری دن تھا۔ میں قدرے ان کے قریب گیا۔ انہوں نے بڑی مشکل سے آنکھ کھولی اور اشارہ سے مجھ سے کہا۔''میرے پوتے علی کو میرے قریب لاؤ تا کہ میں اس کو بوسہ دوں'' اس طرح

امام نے آخری وقت میں اپنے پوتے کو الوداع کہا۔

اپنے گھر میں ان کی زندگی کی آخری رات تھی اور انہیں اسپتال لے جانے کی تیاری کی جارہی تھی۔ میں ایک ڈاکٹر کے ہمراہ ان کے قریب کھڑا ہوا تھا۔ ان کی شریک حیات انہیں دیکھنے کے لئے آرہی تھیں ۔ جیسے ہی وہ سیڑھی کے قریب آئیں امام خمینیؒ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''محترمہ! خدا حافظ، آپ زحمت نہ کیجئے'' وہ بظاہر متوجہ نہ ہوئیں تو امام نے دوبارہ کہا'' ارے! آپ زحمت نہ اٹھائیں ، خدا حافظ'' اور تیسری مرتبہ امام خمینیؒ نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا'' بیگم صاحبہ! خداحافظ! وہ ہمیشہ اپنی بیوی سے بڑے ادب واحترام کے ساتھ گفتگو کرتے تھے یعنی عوام ہوں یا خواص وہ ہر آدمی سے بہت مودبانہ انداز میں گفتگو کرتے تھے۔

ان کے دوسرے مخصوص خدمت گزار سلیمان صاحب نے بتایا کہ وہ جب کبھی ہم لوگوں سے کوئی کام لینا چاہتے تھے تو نہایت محبت اور معذرت خواہی کے ساتھ ہم کلام ہوتے تھے اور بارہا ہم لوگوں سے یہ کہا کرتے تھے کہ دیکھو تم لوگ زیادہ پریشان مت ہو۔ اپنی وفات سے ایک روز قبل جمعہ کی رات میں میں راست دس بجے سے صبح ۵ بجے تک ان کی خدمت میں تھا۔ وہ رات میں کئی بار بیدار ہوئے اور پانی طلب کیا۔ میں نے ہر بار پھولوں کا رس دینا چاہا لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا اور ہر بار سادہ پانی نوش کرتے رہے۔ اس وقفہ میں انہوں نے کئی مرتبہ وقت پوچھا اور بار بار یہ کہتے رہے'' دیکھو خیال رکھنا، ایسا نہ ہو کہ دن نکل آئے اور میری نماز قضا ہوجائے۔ مختصر یہ کہ وہ ہم لوگوں سے بڑی معذرت خواہی کے ساتھ کام کو کہا کرتے تھے۔

سلیمان صاحب نے مزید فرمایا کہ آپریشن سے دو ہفتہ قبل رات کے وقت ان پر دل کا دورہ پڑا۔ میں دو ڈاکٹر اور دو نرسوں کے ساتھ انکی خدمت میں مشغول ہوگیا۔ ڈاکٹروں نے طبی معائنہ کا سلسلہ شروع کردیا۔ ڈاکٹر انکا بلڈ پریشر دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا'' ہر چیز کی ایک انتہا ہوتی ہے اور اب میری زندگی کی انتہا کا وقت آگیا ہے'' میں نے کہا نہیں آقا! ایسی بات نہ کیجئے انشاء اللہ ابھی آپ بہت دنوں تک زندہ رہیں گے۔'' ان کے منہ سے یہ جملہ سننے کے بعد ہم لوگ بے حد پریشان ہوگئے تھے کہ اسی دوران انہوں نے پھر کہا'' اب میرا آخری وقت آگیا ہے'' جب ہم لوگ واپس آگئے تو دونوں نرس پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ ڈاکٹروں نے انہیں دلاسہ دینا شروع کیا کہ ایسا کچھ نہیں ہے بلکہ وہ بالکل ٹھیک ہیں حقیقت یہ تھی کہ امام خمینیؒ نے اپنی زبان سے پہلی مرتبہ یہ باتیں

کہی تھیں۔ گویا وہ ہم لوگوں کو اپنی وفات کی خبر سننے کے لئے آمادہ کررہے تھے۔

جس دن انہیں طبی معائنہ کے لئے اسپتال لے جارہے تھے تو گھر کے اندر لگے ہوئے شہتوت کے درخت کے قریب پہنچنے کے بعد انہوں نے پھر یہ جملہ دہرایا۔''اب آخری وقت آگیا ہے''۔

دوسرے خدمت گزار آقای رحیمیان نے بتایا کہ میں ہر صبح دفتری کام کاج کی رپورٹ دینے کے لئے خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ رپورٹ دیکھنے کے بعد وہ کچھ سوالات کیا کرتے تھے اور میں ان سوالوں کا جواب دینے کے بعد دفتر کے کام میں لگ جایا کرتا تھااور اپنی اخباری اطلاعات اور اہم خطوط کے مطالعے میں مصروف ہوجایا کرتا تھااور وہ بھی اس اخباری اطلاعات اوراہم خطوط کے مطالعہ میں مصروف ہوجاتے تھے۔ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں یعنی اسپتال داخل ہونے سے پہلے مجھے انکی مزاجی کیفیات میں غیر معمولی تبدیلی نظر آئی۔

آپریشن سے دوروز قبل انہوں نے مطالعہ کرنا بند کردیا تھا اور ان کے چہرے پر گہری فکر کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ میں ان کے فکر انگیز چہرے کی منظر کشی نہیں کرسکتا کیونکہ اس حقیقت کے بیان کے لئے میرے پاس الفاظ ہی نہیں ہیں۔ ان کے چہرے کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کہ ایک طولانی سفر درپیش ہے اور وہ سفر پر روانہ ہونے سے اپنے گھر والوں اورعزیزوں کے سلسلے میں متفکر ہیں کیونکہ یہ فکر چند افراد خانہ کی نہیں بلکہ پوری امت اسلامیہ عالم کی ہے۔

آقای کفاش زادہ نے بتایا کہ امام خمینیؒ کے آپریشن سے چند روز قبل میں قم میں تھا کہ جمعہ کو ایک بجے دن میں ڈاکٹر عارفی نے ٹیلیفون پر مجھ سے کہا کہ آپ تہران آجایئے ، میں فوراً سمجھ گیا کہ مجھے امام کی بیماری کے سلسلے میں طلب کیا جارہاہے ۔ میں فوراً ہی چل پڑا اورتقریباً ساڑھے تین بجے میں تہران پہنچ گیا ۔ ڈاکٹر طبی معائنہ کے کام میں لگے ہوئے تھے۔ آخر کار اتوار کو ڈاکٹروں کی ایک میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ آپریشن کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ کارنہیں ہے۔ دوشنبہ کی صبح کو انڈسکوپی اور دوسری طبی جانچ کا کام پورا ہوا اور منگل کو امام کا آپریشن ہوگیا۔

آپریشن سے قبل دس بجے رات میں ڈاکٹروں نے خون چڑھانا شروع کیا۔ گیارہ بجے تک انہوں نے آرام کیا وہ اٹھے اور وضو کے لئے گئے اور اس کے بعد انہوں نے مفصل نماز شب ادا کی جس کا پانچواں حصہ لوگوں نے ٹیلی ویژن پر دیکھا ۔ یہ پہلی رات تھی کہ نماز شب ادا کرتے وقت ان کے کمرے میں روشنی تھی اور اسی روشنی کی وجہ سے ہم لوگوں نے مخفیانہ طور پر ایک ویڈیوفلم تیار کرلی

تا کہ ملت اسلامیہ اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ زندگی کے آخری لمحات کے دوران وہ اپنے پروردگار سے کس طرح راز و نیاز کرتے ہیں۔

آپریشن کے بعد امام خمینیؒ کی حالت ایک جیسی نہیں رہی۔ کبھی ان کی حالت بالکل ٹھیک اور کبھی انتہائی پریشان کن اور تشویش ناک معلوم ہونے لگتی تھی منگل سے جمعہ تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ جمعہ کے دن انہیں اسپتال کے صحن میں لایا گیا اور اس کے بعد انکی حالت نہیں سدھری۔ سنیچر کو آٹھ بجے صبح سے ان کی حالت زیادہ بگڑتی چلی گئی۔ وہ لگاتار یہ کہہ رہے تھے۔'' میں اپنے قلب میں حرارت محسوس کررہاہوں'' چنانچہ میں نے گرم پانی والی تھیلی میں ٹھنڈا پانی بھرا اور اسے امام کے قلب پر رکھ دیا۔ امام نے فرمایا۔'' اب کچھ آرام ہے'' میں نے پوچھا۔'' پانی پینے کو جی چاہتا ہے'' انہوں نے کہا۔ '' ہاں'' میں فوراً تازہ پھلوں کا رس ان کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا۔'' ڈاکٹروں نے یہ تجویز کیا ہے۔'' امام نے دو تین گھونٹ نوش فرمایا اور س کے بعد کہنے لگے اس سے زیادہ نہیں پی سکتا ہوں۔

تقریباً سات بجے شب میں ڈاکٹر طبا طبائی آئے اور کہنے لگے۔'' آقا کی حالت کافی حد تک ٹھیک ہورہی ہے۔ میں نے انکی یہ بات سن کر ہی کہا '' خدایا! امام کو شفا حاصل ہوجائے میں اپنا سارا سرمایہ تیری راہ میں خرچ کردوں گا۔''

آٹھ بجکر دس منٹ پر آقا کو مخصوص حفاظتی کمرے میں لے آئے، میں نے ان کے کان میں کہا۔ آقا نماز کا وقت ہے۔ آقای انصاری آتے ہیں آپ وضو کرلیجئے۔ آقا نے ابرو سے ایک اشارہ کیا۔ ڈاکٹر الیاسی نے کہا۔'' آقا تمام باتیں سن رہے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے ہیں۔'' اس کے بعد ہم لوگوں نے دیکھا کہ امام داہنے ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کررہے ہیں ہم لوگوں کا خیال تھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔

رات میں دس بجکر بیس منٹ پر وہ بدترین گھڑی آگئی، ڈاکٹروں نے بتایا کہ امام کا بلڈ پریشر صفر ہوگیاہے۔ ان کے بیٹے احمد خمینی آئے اور تھوڑی دیر تک امام کے قریب بیٹھ کر گریہ کرتے رہے۔ اس کے بعد گھر کے سبھی لوگ آگئے اور گریہ وزاری کی آواز بلند ہوگئی۔ ہر درودیوار سے رونے کی آواز آرہی تھی۔ یہ ہم لوگوں کی زندگی کی بدترین لمحات تھے۔ اس کے بعد یہ طے ہوا کہ امام کو غسل دیا جائے اور کفن پہنایا جائے۔ ہم لوگوں نے انکے جسم کو کندھوں پر اٹھایااور اسی چھوٹے اور معمولی سے مکان میں لے آئے جہاں وہ بڑی بڑی شخصیتوں سے ملاقات کیا کرتے تھے اور وہ لوگ انکی دست

بوسی کا شرف حاصل کرتے تھے۔ ان کے جسد کو ایک معمولی سے تخت پر رکھ دیا گیا۔ اس کے بعد آقای توسلی امام جمارانی اور حاج آقا احمد خمینی نے امام کو غسل دیا اور کفن پہنا کر ان کا جنازہ تیار کردیا۔

وفات کے بعد ایک بار پھر جماران میں امام کی خدمت کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے جنازہ کو دفن کرنے کے لئے بہشت زہرا لے گئے لیکن غیر معمولی بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے تدفین نہ ہوسکی اور جنازہ کو دوبارہ جماران واپس لانا پڑا۔میرے علاوہ آقای میریان، الحاج عیسیٰ، آقای توسلی، آقای صدوقی، آقای صانعی اور آقای جمارانی بھی وہاں پہلے ہی سے موجود تھے۔ امام کا کفن بالکل پھٹ گیا تھا۔ ہم لوگوں نے انہیں دوسر کفن پہنایا ۔ اس کے بعد ان کے جنازہ کو بہشت زہرا میں سپرد خاک کردیا گیا۔

امام خمینیؒ اور وحدت اسلامی

محترمہ ڈاکٹر صاعقہ مہدی

تاریخ بشریت گواہ ہے میں کہ دنیا پر ہمیشہ دوطرح کی سیاست حکم فرما رہی ہے ۔ ایک توحید ووحدت کی بنیادوں پر قائم الٰہی سیاست ہے جس کی تبلیغ واشاعت کا فریضہ پیغمبران خدا انجام دیتے رہے اور دوسری شرک وجہل اور تفرقہ پر مبنی طاغوتی سیاست ہے جس کی حمایت وسرپرستی ظالم اور اقتدار کی ہوس رکھنے والے لوگ کرتے رہے ہیں۔ قرآن مجید میں سورۂ قصص کی چوتھی آیۂ کریمہ میں اس موضوع کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے کہ'' فرعون روئے زمین پر قتل عام کرنے لگا اور لوگوں کے درمیان تفرقہ وپراگندگی پیدا کردی۔''

ظہور اسلام سے قبل انسانی معاشرہ مختلف قبائلی جماعتوں میں بٹاہوا تھا اور لوگ ایسے آداب و رسومات کے سایہ میں زندگی بسر کررہے تھے جو جہالت ،غرور، نفسانی خواہشات اور خود پسندی کی بنیادوں پر قائم تھیں ۔یہی وجہ ہے کہ معمولی سی بات پر لوگوں کے درمیان برسوں جنگ ہوا کرتی تھی ۔ ذراسی بات پر ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کی جان کے پیچھے پڑجاتا تھا اور تاریخ کا بیان ہے کہ یہ قبائلی جنگ اکثر کئی نسلوں تک جاری رہا کرتی تھی۔

پیغمبر اسلامؐ عوام الناس کی ہدایت ورہنمائی کے لئے ایسے دور میں رسالت کے عہدے پر فائز کئے گئے جب دنیائے بشریت بالخصوص مغربی دنیا جاہلانہ تعصب ، انحراف اور بے راہ روی میں ڈوب چکی تھی اور ہر طرف ظلم وناانصافی کا دور دورہ تھا ۔ چنانچہ پیغمبر اسلامؐ کوصرف عرب معاشرہ کی اصلاح کے لئے ہی نہیں بلکہ تمام انسانی معاشروں کو ان کی اصلی فطرت یعنی راہ توحید کی طرف واپس لانے کے لئے مقرر کیا گیا۔ واضح رہے کہ طاغوتی سیاست کے دلکش مکروفریب اور ہتھکنڈوں میں گرفتار ہوجانے کی وجہ سے انسانی معاشرہ اپنی فطری اور حقیقی راہ سے منحرف ہوگیا تھا۔ لہٰذا مرسلؐ اعظم کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ جنگ ، نفاق ،خونریزی اور شرک کا کام تمام کرتے ہوئے صلح وصفا ، خلوص ومحبت اور اخوت و برادری کو رواج عام عطا کردیں ۔یہی وجہ ہے کہ دیگر پیغمبروں کی طرح پیغمبرؐ اسلام نے'' قولوا لااله الا الله وتفلحوا '' کا نعرہ بلند کرکے اس دور کے تمام چھوٹے بڑے

شیطانوں اور خودساختہ باطل خداؤں کی تردید کردی اور دنیائے بشریت کو مخاطب کرتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ جب تک تمام لوگ پرچم توحید کے سایہ میں جمع نہ ہوں گے کسی کو سعادت وسربلندی حاصل نہ ہوگی یعنی دنیائے بشریت کی سعادت کا واحد ذریعہ پرچم توحید ہے۔

پیغمبر کا یہ مذہبی نعرہ'' قولوا لااله الا اللّٰه وتفلحوا ۔'' درحقیقت ایک انقلابی نعرہ بھی تھا تا کہ اس کے ذریعہ عالم بشریت طاغوت، شرک، ظلم، ستم اور جہالت کے چنگل سے نجات حاصل کرلے کیونکہ یہی وہ اسباب وعوامل تھے جنھوں نے انسانوں کو دوگروہوں میں تقسیم کردیا۔ ایک گروہ دولت، طاقت اور جھوٹ کا متوالا ہوگیا اور دوسرا گروہ مظلوم اور پسماندہ ہوکر رہ گیا۔ لہٰذا ایک ایسے فکری انقلاب کی ضرورت تھی جو لوگوں کے سماجی حالات میں تبدیلی پیدا کرسکے اور کعبہ کی چھت سے قولوا لااله الا اللّٰه کا نعرہ بلند کرتے ہوئے نسلی امتیازات اور طبقاتی اختلافات کا کام تمام کردے اور ہمیشہ قبائلی جنگوں میں گرفتار عربوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنادے اور انھیں آپس میں اتنا متحد بنا دے۔ کہ اس دور کی عظیم ترین فوجی طاقتیں بھی ان کا مقابلہ نہ کرسکیں۔

لیکن افسوس کی بات ہے کہ آہستہ آہستہ مسلمان واعتصموا بحبل اللّٰه جمیعاً وّلاتفرّقوا۔ کی ہدایت کو بھول گئے اور ان کی اس غفلت کی وجہ سے طاغوتی طاقتیں ان پر دوبارہ مسلط ہوگئیں۔ ظہور اسلام کے بعد وقت گزرتا رہا اور طاغوتی عناصر اسلام کی دشمن سازشوں کی وجہ سے وقت کی رفتار کے ساتھ مسلمانوں کے معمولی اختلاف میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ اسلامی معاشروں نے ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی شروع کردی اور خونریزی و برادرکشی کا بازارگرم ہوگیا۔ اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے جانی دشمنوں کے مقابلے میں امت اسلامیہ دن بہ دن کمزور ہوتی چلی گئی۔

غور طلب بات ہے کہ مختلف النوع توراۃ وانجیل کے حامل عیسائی ویہودی اگر اسلام دشمنی میں باہم متحد ہوسکتے ہیں تو آخر وہ کونسی چیز ہے جس کی وجہ سے مسلمان گوناگوں اسباب وعوامل اتحاد مثلاً ایک خدا، ایک پیغمبرؐ ایک آسمانی کتاب اور ایک قبلہ وغیرہ) کے ہوتے ہوئے بھی آپس میں متحد نہیں رہ سکتے۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جامع الازہر کے ممتاز پروفیسر اورمشہور ومعروف سنی عالم دین عبدالمقعال صلیدی کے مشہور مقالے'' علی ابن ابی طالب وتقریب بین المذاہب'' کی

مندرجہ ذیل عبارت کی طرف اپنے محترم قارئین کی توجہ مبذول کی جائے جس میں موصوف اتحاد کی نعمتوں اور تفرقہ کی لعنتوں کی طرف واضح اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''حضرت علی ابن ابی طالبؑ کو یہ عظمت وفضیلت حاصل ہے کہ وہ اسلامی مذاہب کے درمیان تقریب وقربت کے اوّلین بنیان گزار تھے۔ تاکہ مسلمان نظریاتی اورفکری اختلافات وانتشار وپراگندگی کا سبب قرار نہ پائیں اور مختلف جماعتوں پر عداوت ودشمنی کی گرد نہ بیٹھنے پائے بلکہ عقائد ونظریات میں اختلاف ہوتے ہوئے بھی تمام مسلمان باہمی اتحاد اور وحدت اسلامی کی حفاظت کرتے ہوئے ایک دوسرے کے بھائی کی حیثیت سے زندگی بسر کریں اور ہر شخص اپنے بھائی کو اظہار خیال کے لئے آزاد چھوڑ دے...حضرت علی کی یہ فضیلت ان کی خاندانی شرافت، پیغمبرؐ سے قرابتداری اور ایمان میں سبقت جیسی اہم فضیلتوں سے کم نہیں ہے۔''

مذہب اسلام کے ممتاز علماء دین مثلاً مرحوم علامہ امینی، شیخ مفید، شیخ محمود شلتوت، سید قطب اور سید جمال الدین اسد آبادی جیسے سنی اور شیعہ ماہرین علوم اسلامیہ اتحاد بین المسلمین کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے اسی وجہ سے ان لوگوں کا عقیدہ وایمان یہ تھا کہ اتحاد بین المسلمین کے ذریعہ ہی مسلمانو کو عزت وسربلندی حاصل ہوسکتی ہے۔ چنانچہ یہ لوگ ہمیشہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور وحدت کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتے رہے کہ مذہب اسلام کی پیروی کرنے والوں کے درمیان اختلافات کی نوعیت ایسی نہیں ہے کہ ان کے درمیان اتحاد نہ قائم ہوسکے۔

سنی اور شیعہ بھائیوں کے درمیان وحدت واتحاد ہی وہ عملی راستہ ہے جس کے ذریعہ اسلام عزیز کی عظمت دیرینہ کو دوبارہ حاصل کیاجاسکتا ہے۔ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ اسلام کی عظمت و سربلندی نے ساری دنیا کو تحت الشعاع میں ڈال رکھا تھا اور اقتصادی، ثقافتی اور فوجی اعتبار سے مسلمانوں کو دنیا کی دوسری قوموں پر غلبہ حاصل تھا اور ان میں قیادت ورہبری کی جملہ صفات بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ لیکن ایک وقت وہ آیا کہ اسلام دشمن سازشوں نے مسلمانوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ان میں سے زیادہ خطرناک سازش مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اندازی اور اختلاف پروری ہے جس کی وجہ سے امت واحدہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی اور مسلمان اس ذلت و رسوائی کا شکار ہوگئے جس کا عصر حاضر میں ہم سبھی لوگ مشاہدہ کررہے ہیں۔

یہ دور مسلمانوں کی بیداری کا دور ہے اور یہ حقیقی اسلامی شخصیت کو دوبارہ حاصل کرنے کا

زمانہ ہے۔ یہ جھوٹ ،جعل سازی ،مکروفریب اورتحریف وخرافات کے دلکش پردوں کو چاک کردینے کا وقت ہے اور یہ اندھے تعصب و نامناسب جذبات سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے روشنی کی طرف گامزن ہونے کا زمانہ ہے تاکہ اس الٰہی نور کی مدد سے ان چہروں کی شناخت میں کوئی دشواری نہ ہو جو نام نہاد خلوص وعقیدت کی آڑ میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف اورتفرقہ اندازی کی حوصلہ افزائی کررہے ہیں۔ اس کے برعکس اس نور کی روشنی میں ان لوگوں کو بھی پہچانا جاسکتا ہے جن کے دل میں اسلام کا درد ہے اور جو مسلمانوں کے درمیان وحدت اسلامی کی تشکیل کے خواہاں ہیں۔ دوست ودشمن کی مکمل شناخت کے بعد ہی قرآن حکیم کے اس پیغام کو عملی جامہ پہنایا جاسکتا ہے ۔ "محمّد رّسولُ الله والذین معه اشدآء علی الکفار رحمآء بینهم "

واضح رہے کہ اسلام کی تبلیغ واشاعت اور اسلام دشمن عالمی سامراج کے خلاف کامیاب جدوجہد کیلئے اتحاد بین المسلمین کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اور اس عظیم مقصد کو حاصل کرنے کیلئے ہمیں ایسے طاقتور اسلامی محاذ کی تشکیل کرنی چاہئے جو ہرقسم کی سیاسی اورثقافتی خوبیوں سے مالامال ہو۔

دور حاضر میں اسلام دشمن طاقتوں کے منہ پر بھرپور طمانچہ رسید کرنے والے قائد انقلاب اسلامی امام خمینی اتحاد بین المسلمین اور وحدت اسلامی کے سلسلے میں ارشادفرماتے ہیں۔

''وحدت اسلامی وہ اہم چیز ہے جس کی قرآن مجید نے بڑی تاکید کی ہے اورتمام آئمہ علیہم السلام نے مسلمانوں کو وحدت واتحاد کی دعوت دی ہے۔ درحقیقت اسلام کی طرف دعوت دینا وحدت و اتحاد کی طرف دعوت دینا ہے تاکہ کلمہ توحید کے سایہ میں سب لوگ آپس میں متحد رہیں لیکن آپ لوگ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ دشمنان اسلام نے وحدت اسلامی کوعملی جامہ نہیں پہنے دیا اور بالخصوص دور حاضر میں ان لوگوں نے مسلمانوں کے درمیان اختلافات کو اور زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے کیونکہ اسلام دشمن جماعت کے ماہرین سیاست اس حقیقت سے بخوبی واقف ہوچکے ہیں کہ اگرتمام اسلامی جماعتوں کے درمیان اتحاد قائم ہوگیا اورمسلمانوں کے درمیان وحدت اسلامی قائم ہوگئی تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی اور نہ ہی مسلمانوں پرغلبہ حاصل کرنے کا خواب دیکھ سکتی ہے۔ اسی وجہ سے اسلام دشمن طاقتوں نے اپنے شرمناک اور ناجائز مقاصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے تمام مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اندازی کی رفتار تیز کردی۔''

یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ملت اسلامیہ ایران نے

وحدت کلمہ اتحاد اور اسلامی اخوت وبرادری (سنی شیعہ اتحاد) کی طاقت سے ظلم و ناانصافی اور اسلام دشمنی کی بنیاوں پر قائم ڈھائی ہزار سالہ شہنشاہی کو اپنے پیروں سے رونڈ ڈالا اگر چہ اس حکومت کو شیطان بزرگ امریکہ اور دنیا کے دیگر چھوٹے بڑے شیاطین کی بھر پور حمایت حاصل تھی اور ایرانی عوام خالی ہاتھ تھے ۔ ظالم شاہی حکومت کے زوال کے فوراً بعد بڑی طاقتوں نے اپن زرخرید غلام اور اسلام دشمن صدام کے ذریعہ ایرانی عوام پر جنگ مسلط کردی۔ لیکن ایرانی عوام نے شجاعت اور جوانمردی کے ساتھ دشمن کی فوجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور محاذ جنگ پر اپنی شجاعت اور ثابت قدمی کے ذریعہ دنیا والوں پر یہ ثابت کر دیا کہ تقریباً ساڑھے تین کروڑ ایرانی مسلمان باہمی اتحاد اور وحدت اسلامی سہارے اپنی باہمی عزت و سربلندی اور عظمت ووقار کی حفاظت پر پوری طرح سربلندی اور عظمت ووقار کی حفاظت پر پوری طرح قادر ہیں۔ اور دنیا کی بڑی طاقتوں سے بے نیاز آزاد زندگی بسر کررہے ہیں ۔ اگر یہ اتحاد دنیا کے ایک ارب سے زائد مسلمانوں کے درمیان قائم ہوجائے تو اسلام ور مسلمانوں کی عظمت وسربلندی کا عالم کیا ہوگا۔

بہر حال مسلمان علماء ودانشوروں کی ذمہ داری ہے کہ خداوند قادر متعال کی طاقت پر بھروسہ اور اعلیٰ اسلامی تعلیمات کی پیروی کرتے ہوئے اپنی بھر پور کوشش جاری رکھیں اور وحدت اسلامی کی زمین ہموار کرنے میں لگے رہیں کیونکہ فقط اتحاد کے سایہ میں ہی مسلمان حقیقی ''راہ اسلام'' کی پیروی کرسکتے ہیں ۔ اور اسلام کی عظمت رفتہ کو دوبارہ حاصل کرکے دنیا کے ایک ارب سے زیادہ مسلمانوں کے مستقبل کو روشن وتابناک بنا سکتے ہیں۔

علماء ودانشوروں کے ارشادات کی روشنی میں

☆ عرب کو کسی غیر عرب پر اور غیر عرب کو کسی عرب پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح گوری چمڑی والے کو سیاہ فام پر اور سیاہ چمڑی والے کو گوری چمڑی والے پر بھی کوئی فضیلت نہیں ہے۔(حضرت پیغمبر اسلامؐ)

☆ میں نے پیغمبرؐ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ لوگوں میں امن وامان قائم رکھنا روزہ ونماز سے بہتر ہے۔ (حضرت علی علیہ السلام)

☆ سبھی مسلمان ایک دوسرے کے بھائی اور آپس میں سب لوگ برابر ہیں۔ ان لوگوں کے

درمیان کسی طرح کا کوئی امتیاز نہیں ہے ۔ لہٰذا تمام لوگوں کو پرچم توحید کے سایہ میں متحد رہنا چاہئے۔(امام خمینیؒ)

☆ سیاست نے برادران اہل سنت اور شیعوں کو ہمیشہ ایک دوسرے سے علیحدہ رکھا ہے لیکن اب سیاست کو چاہئے کہ وہ ان دونوں جماعتوں میں وحدت اسلامی پیدا کرے۔(سید عبد الحسین شرف الدین)

☆ اسلامی ممالک میں زندگی بسر کرنے والے ہم سبھی مصنفین واہل قلم، تمام اختلافات کے باوجود خدا کی وحدانیت اور پیغمبرؐ کی نبوت کے سلسلے میں مشترکہ عقائد کے حامل ہیں۔(علامہ امینی)

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لیکر تا بخاک کاشغر

(علامہ اقبال)

☆ خداوند عالم، قرآن کریم اور وحدت اسلامی کے نام پر میں سنی اور شیعہ دونوں دانشوروں کو باہمی اتحاد کی دعوت دیتاہوں۔ (شیخ شلطوط)

☆ برادران اہل سنت اور اہل تشیع کے درمیان کوئی اختلافات نہیں ہیں۔ یہ محض سامراجی طاقتیں ہیں جو مسلمانوں کے درمیان عدم اتحاد برقرار رکھنے کے لئے اختلافات کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔(شیخ محمد کفتارو)

☆ میں بارگاہ خداوندی میں دعا کرتا ہوں کہ وہ تمام مسلمانوں کو جہالت ، عدم اتحاد اور تنہا پسندی کی تاریکی سے نجات عطا کردے اور ان کے قلب کو باہمی اتحاد اور اخوت وبرادری کے نور سے روشن ومنور کردے۔(آیت اللہ العظمیٰ بروجردی)

☆ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو عقیدہ وعمل دونوں میدان میں نسل پرستی کی تردید کرتے ہوئے انسان کی اعلیٰ صفات پر یقین رکھتا ہے۔ (ڈاکٹر علی شریعتی)

☆ اگر ہم سنی اور شیعہ دونوں فرقوں کے بنیادی عقائد اور اصولوں کا مطالعہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ دنیا کے تمام مسلمان شیعہ ہیں کیونکہ ہر مسلمان اہل بیت پیغمبرؐ سے محبت کرتا ہے ۔ بالکل اسی طرح دنیا کے تمام مسلمان سنی ہیں کیونکہ ہر مسلمان پیغمبرؐ کی ان تمام سیرتوں پر عمل کرتا ہے جو مستند اور موثق ذریعہ سے حاصل ہوئی ہیں۔(آیت اللہ قمی)

امام خمینی اور ایران کے سیاسی حالات
(مشروطہ سے رضا خان کے مظالم تک)

از: محمد حسن رجبی

اسی زمانہ میں جرمنی کے طاقتور حکومت کی زیادتیوں کیخلاف برطانیہ اور روس کے درمیان ایک معاہدہ ہوا اور ان دنوں ملکوں نے مسئلہ ایران کے ساتھ اپنے تمام باہمی اختلافات کو حل کرنا شروع کردیا۔ اس معاہدہ کے بعد برطانیہ نے' جو اب تک تحریک مشروطیت کی حمایت کررہا تھا، مشروطہ طلب جماعت کی طرفداری کرنا چھوڑ دی اور روس کو اس بات کی کھلی چھوٹ دے دی کہ وہ ایران کی نوتشکیل شدہ مشروطہ حکومت کا کام تمام کردے کیونکہ نظام مشروطیت روس کے آزادی طلب اور انقلاب پسند عناصر کے لئے امید کی روشن کرن اور حکومت روس کے لئے ایک بڑا خطرہ رہا ہے۔ ٹھیک اسی زمانہ میں ایرانی پارلیمنٹ کے بعض تندرو اراکین نے اپنی دہشت گردانہ حرکتوں کی وجہ سے محمد علی شاہ کو ایک مناسب بہانہ فراہم کردیا کہ وہ ظالم قزاقی فوجی افسروں کی مدد سے ایرانی پارلیمنٹ پر بمباری کے ذریعہ اسے تباہ وبرباد کرڈالے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس بمباری کے دوران کچھ اراکین مارے گئے کچھ زخمی ہوئے اور کچھ گرفتار کرلئے گئے۔ دلچسپ اور غور طلب بات یہ ہے کہ دہشت گردانہ حرکتوں میں ملوث، شدت پسند اراکین پارلیمنٹ جو دوسروں کو حکومت کے خلاف بھڑکایا کرتے تھے، اس بمباری کے دوران روپوش ہوگئے یا برطانوی سفارت خانہ کے اندر پناہ گزیں ہوگئے۔

غور طلب بات تو یہ ہے کہ انقلاب مشروطیت کی کامیابی اور پارلیمنٹ کی تشکیل کے کئی ماہ بعد بھی ایران کو امیدوں کے برعکس کوئی مفید عملی اقدام نظر نہ آیا بلکہ مسائل ومشکلات ، بے سروسامانی ومفلوک الحالی نیز بدامنی اور عدم سلامتی میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا رہا۔ اس کے عوام نے یہ بھی دیکھا کہ اراکین مجلس کے درمیان تفرقہ واختلاف اور گردہ بندی کا بازار گرم ہے اور یہ لوگ عوامی فلاح وبہبود کے بجائے ذاتی مفاد ومصالح کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں اور اپنی حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں لہٰذا ایرانی عوام، پارلیمنٹ اور اس کے اراکین سے پوری طرح نامید اور بے تعلق ہوگئے۔ چنانچہ نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ جب شاہی فوج نے پارلیمنٹ پر حملہ کیا تو ایرانی عوام کی طرف سے کوئی رد عمل دکھائی نہ پڑا۔ یہ بات صرف تہران تک محدود نہ تھی بلکہ ایران کے دیگر شہروں میں بھی کسی نے

کوئی احتجاج نہ کیا۔

شاہ شاہی دربار کے اعلیٰ حکام اور انقلاب مشروطیت کے مخالفین اس لڑائی میں ایک فاتح کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آگئے اور ان لوگوں نے مشروطہ طلب افراد کے خلاف ظلم نا انصافی کا بازار گرم کردیا ارو ایرانی عوام کی عزت وآبرو بھی خطرہ میں پڑ گئی۔ ان نام نہاد فاتحین نے ایرانی عوام پر بڑے مظالم ڈھائے۔ جب لوگوں کو یہ اندازہ ہوگیا کہ ان کی عزت آبرو اور ملکیت وزندگی ان مٹھی بھر لوگوں کے ہاتھ کا کھلونہ بن چکی ہے تو انہوں نے دفاعی کارروائی شروع کی۔ تبریز میں ستارخان اور باقرخان نے ظالم شاہی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہوئے لوگوں سے یہ اپیل کی کہ وہ حکومت کی ظالمانہ راہ وروش کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ عوام نے ان کی اس احتجاجی اپیل کا پرجوش استقبال کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا شہر احتجاجی جماعت کے ہاتھوں میں آگیا۔ شاہ نے تبریزی عوام کی اس بقالی تحریک کو کچلنے کے لئے ایک بڑا فوجی دستہ روانہ کیا کیونکہ اسے ڈر یہ تھا کہ حکومت کے خلاف بغاوت کی یہ آگ ایران کے دوسرے شہروں میں بھی بھڑک سکتی ہے۔ تبریز کے لوگوں نے اس ظالم شاہی فوجی دستہ کا بھرپور مقابلہ کیا جس کی وجہ سے حکومت، اس احتجاجی تحریک پر غلبہ نہ حاصل کرسکی۔ دوسری طرف علمائے عراق (مثلاً آخوند خراسانی مازندرانی اور تہرانی) اپنے جوشیلے بیانات اور انقلابی پیغامات کے ذریعہ لوگوں سے یہ مطالبہ کررہے تھے کہ شاہی مظالم کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ ان علماء کی نظر میں ظالم شاہی حکومت کا مقابلہ کرنا امام زمانہ (عج) کے ہمراہ دشمنان خدا کے خلاف جہاد کرنا ہے۔ مذہبی علماء کے ان بیانات اور مذہبی احکامات نے انقلابی عوام کے حوصلوں میں غیرمعمولی اضافہ کردیا چنانچہ وہ حکومت کے خلاف اپنی انقلابی سرگرمیوں میں لگے رہے۔ جیسے جیسے ایران کے دوسرے شہروں میں انقلاب تبریز کی خبر پہنچی اور لوگوں کو علمائے عراق کے انقلابی پیغامات کا علم ہوا، وہ لوگ بھی بڑے جوش وخروش کے ساتھ حکومت کے خلاف صف آرا ہونے لگے۔

برطانیہ اور روس کو اس حقیقت کا بخوبی اندازہ تھا کہ موجودہ صورتحال پر قابو پانا ایرانی حکومت کے بس کی بات نہیں ہے، لہٰذا ان دونوں ملکوں نے مختلف پہلوؤں سے کام کرنا شروع کردیا۔ ان لوگوں نے ایک طرف تو شاہ ایران کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ انقلاب مشروطیت کو تسلیم کرلے۔ دوسری طرف ایک دھمکی آمیز مشترکہ بیان جاری کرتے ہوئے مشروطیت طلب علماء سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اپنی انقلابی سرگرمیوں سے باز آجائیں ۔ اسی کے ساتھ ساتھ روسی فوج شہر تبریز کے اندر داخل

ہوگئی اور شہر کو اپنے محاصرہ میں لے لیا۔

لیکن علماء بالخصوص آخوند خراسانی نے ان دھمکیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ مجاہدین تبریز کی حمایت کرنے کے لئے ایک جماعت کے ساتھ تبریز پہنچ کر انقلابی عوام کی قیادت ورہنمائی کریں۔ چنانچہ یہ علماء دسیوں ہزار مسلح اور غیر مسلح عراق عوام بالخصوص اہل نجف کے ہمراہ ایران کی طرف روانہ ہوگئے ۔ جیسے ہی برطانیہ اور روس کو علماء عراق کے اس شدید ردعمل کی خبر ملی تو ان لوگوں نے گیلان اور بختیاری کے دو نامور لوگوں کو جو درحقیقت ان بیرونی ممالک کے ایجنٹ تھے، اس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ انقلاب مشروطیت کا پرچم لئے ہوئے آگے قدم بڑھائیں اور ایرانی عوام کی اس انقلابی تحریک کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لیں اور شمال وجنوب کے راستہ سے تہران پر قبضہ کرلیں۔

ادھر عراقی علماء ہزاروں مسلح و غیر مسلح افراد کے ہمراہ نجف سے کربلا پہنچ چکے تھے جیسے ہی انہیں کربلا میں فتح تہران کی اطلاع حاصل ہوئی انہوں نے سفر تہران کا ارادہ ترک کردیا اور سب لوگ نجف واپس چلے گئے اور فاتحین نے اقتدار کو آپس میں اس طرح تقسیم کرلیا کہ روسی اور برطانوی ایجنٹوں کے درمیان توازن برقرار رہے۔''مجاہد'' کے لقب سے مشہور ان حکمرانوں نے سب سے پہلے انقلاب مشروطیت کے مخالفین کی گرفتاری کا سلسلہ شروع کیا جس میں شیخ فضل اللہ نوری بھی شامل تھے۔ شیخ فضل اللہ نوری کو ایک ایسے عالم نما قاضی کی عدالت میں پیش کیا گیا جو فری میسن نامی برطانوی تنظیم سے وابستہ تھا۔ اس قاضی نے انہیں پھانسی کی سزا سنائی اور ۱۳ ؍رجب ۱۳۲۷ء ہجری یعنی یوم ودلادت حضرت علی علیہ السلام کے موقع پر تہران میں واقع توپخانہ گراونڈ پر انہیں پھانسی دیدی گئی تاکہ ایرانی عوام آئندہ انکی برسی کے سلسلے میں مجلس سوگ وعزا کا اہتمام نہ کرسکیں۔ دوسری طرف مظفر الدین شاہ کے ظالم صدر اعظم عین الدولہ کو جو انقلاب مشروطیت کا سخت مخالف اور اکثر مجاہدین انقلاب کا قاتل بھی تھا۔فاتح حکام اور افسروں کے سامنے پیش کیا گیا اور ان لوگوں نے نہ صرف معافی دیدی بلکہ اس کے ساتھ ایک یادگاری تصویر بھی کھنچوائی گئی!

حاج شیخ فضل اللہ نوری کی شہادت سے ایرانی عوام بالخصوص علمائے دین بہت متاثر ہوئے اور پورے ملک میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ شیخ فضل اللہ نہ صرف یہ کہ تہران کے ایک نامور عالم دین تھے بلکہ شاہی حکومت کے خلاف تحریک تمباکو میں انہوں نے نمایاں خدمات بھی انجام دی تھیں۔ وہ

تحریک مشروطیت کے آغاز سے پارلیمنٹ کی تشکیل تک اس کے بعد مجوزہ آئین کے سلسلے میں ہونے والے مباحثہ کے دوران دیگر علمائے دین کے ساتھ رہے اس کے علاوہ ایک نمایاں مجتہد کی حیثیت سے وہ اپنے حق وفریضہ سے بخوبی واقف تھے اور اپنی اجتہادی صلاحیت کی بنیاد پر ہی انہوں نے مجوزہ آئین کی غیر معمولی اسلامی دفعات کی مخالفت کی تھی اور اسے ''بدعت'' کہا تھا۔

بہر حال شیخ فضل اللہ نوری کی شہادت نے سب سے پہلے علماء عراق کو غیر معمولی طور پر متاثر کیا کیونکہ یہ شہادت درحقیقت علماء دین کی بے حرمتی کا پیغام تھی۔ اس کے علاوہ نجف اشرف میں ایسے علمائے دین کی ایک بڑی تعداد موجود تھی جو شیخ فضل اللہ کے ہم خیال تھے۔ ان لوگوں میں اس دور کے مرجع تقلید سید کاظم یزدی بھی شامل تھے جو بنیادی طور پر سیاست میں مداخلت کرنے سے پرہیز کیا کرتے تھے اور ایران وعراق وروس میں ان کے مقلدین ومعتقدین کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔

واضح رہے کہ ابتدائی مرحلہ میں مشروطیت اور اس کے طرفداروں کے سلسلے میں علماء عراق کے درمیان بڑی بدگمانیاں موجود تھیں چنانچہ شیخ فضل اللہ نوری کی شہادت نے علمائے دین کی بدگمانی کو یقین میں تبدیل کردیا اور لوگوں کو ایک عمدہ دلیل مل گئی۔ دوسری طرف عراق کے جن مشروطہ طلب علماء نے شیخ کی شہادت پر سکوت وشرمندگی کا رویہ اختیار کیا، ان سے سوالات کی بھر مار ہوگئی اور بالآخر انہیں گوشہ نشین ہونا پڑا۔ دوسری طرف ایران سے حاصل شدہ اطلاعات سے یہ بھی پتہ چل رہا تھا کہ حقیقی مشروطہ طلبا افراد کو طرح طرح سے پریشان کیا جارہا ہے اور ان کی جان وعزت وآبرو خطرہ میں ہے۔

حاج شیخ فضل اللہ نوری کی شہادت کے تقریباً ایک سال بعد تہران کے دوسرے اہم مشروطیت طلب عالم دین سید عبداللہ بہبہانی کو ایک قاتلانہ حملے کے دوران شہید کردیا گیا اور یہ پتہ چلا کہ اس قتل میں ایرانی پارلیمنٹ کا ایک ایسا ممبر ملوث تھا جو انقلاب مشروطیت سے قبل اپنی دین مخالفت حرکتوں کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ اس خبر نے مشروطہ کے نئے ارباب اقتدار کے سلسلے میں علماء دین کی بدگمانیوں میں اور اضافہ کردیا۔ چنانچہ ایران کے نائب السلطنت کے نام ایک ٹیلیگرام میں آخوند خراسانی اور عبداللہ مازندرانی نے ''بڑے قومی لیڈران اور دین پرست مجاہدین'' کی جدو جہد کے سلسلے میں شکریہ ادا کرتے ہوئے حکومت وپارلیمنٹ میں موجود مخرب وفاسد عناصر کی موجودگی ، ان کی مغرب پرستی اور اسلامی اصول وقوانین کے سلسلے میں ان لوگوں کی لاپرواہی پر اپنی ناراضگی وپریشانی کا

اظہار بھی کیا۔

مجموعی طور پر ان اسباب وعوامل نے عراق میں ایسی صورتحال پیدا کر دی کہ مشروطیت طلب علماء کو گوشہ نشینی اختیار کرنی پڑی اور نوبت یہ آ گئی کہ نجف اشرف میں بھی جو شیعہ علماء کی قدیم چھاؤنی اور مشروطہ طلب علماء کے اہم اور قسمت ساز فیصلوں کا مرکز تھا، علماء دین کی عزت وآبرو اور جان ومال محفوظ نہ تھی۔ طلباء اور عوام جو بالعموم مشروطیت کے مخالف تھے اور جن کو صحیح اطلاع بھی نہیں ہوا کرتی تھی، مشروطہ طلب علماء کے خلاف تہمت لگانے سے باز نہیں آتے تھے اور یہ لوگ آخوند خراسانی جیسے نامور عالم دین پر بھی الزام عائد کرنے میں ذرہ برابر ہچکچاہٹ نہیں محسوس کرتے تھے۔

یہی وہ وقت تھاجب روس اور برطانیہ کی فوجوں نے شمال وجنوب سے ایران پر قبضہ کرلیا (۱۳۲۹ء) شہر تبریز میں روسی افواج نے مشروطہ طلب عناصر کا قتل عام شروع کر دیا اور مقتولین میں ثقۃ الاسلام تبریزی جیسے صاحب عظمت عالم دین بھی موجود تھے۔ عراق پر بیرونی افواج کے قبضہ کی خبر سے علمائے عراق کے درمیان ایک بار پھر ہلچل سی پیدا ہوگئی۔ چنانچہ اپنی ناراضگی کے باوجود ان لوگوں نے تہران جانے کا فیصلہ کرلیا تا کہ ایرانی عوام کی مدد سے غاصب فوج کو ملک کے باہر نکال سکیں اور انقلاب مشروطیت کے سایہ میں جن لوگوں نے اقتدار کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے رکھی ہے، ان پر بھی نگاہ رکھ سکیں۔ عراق کے ہزاروں مسلح اور غیر مسلح افراد اور قبائلی نے علماء نجف وکربلا کی اطاعت میں ایران جانے کا فیصلہ کرلیا۔ سید کاظم یزدی اگر چہ عراق سے باہر تو نہیں نکلے لیکن انہوں نے اپنے ایک بیان میں ایران پر روسی اور برطانوی فوجی حملے کی سخت مذمت کی۔ علمائے نجف کا یہ قافلہ ایران کی طرف روانہ ہونے کے لئے پوری طرح آمادہ تھا لیکن جس روز اس قافلے کی روانگی تھی اسی دن صبح کے وقت مشکوک حالات میں آخوند خراسانی کی موت واقع ہوگئی۔

اگر چہ آخوند خراسانی کی موت کی وجہ سے دیگر علماء کے فیصلے میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوا اور وہ لوگ کاظمین کی طرف روانہ ہوگئے لیکن آخوند جیسی نمایاں شخصیت کے فقدان نیز ایرانی علماء اور حکمرانوں کی طرف سے ملنے والی مختلف اطلاعات کی وجہ سے وہ لوگ اپنے سفر ایران کو جاری نہ رکھ سکے اور اس طرح ایران کے سیاسی واقعات میں علماء کی براہ راست مداخلت اور مشروطیت کی صحیح قیادت کا دوسرا موقع بھی ہاتھ سے چلا گیا۔ ویسے تحریک مشروطیت میں اس دور کے مذہبی علماء سے اتنے عظیم کام کی امید بھی نہ کرنی چاہئے تھی کیونکہ ان لوگوں نے قدیم مذہبی روایات کے سایہ میں تعلیم

حاصل کی تھی اور طالب علمی کے زمانے سے ہی ان کی مذہبی مصروفیات بالکل روایتی انداز کی تھیں اور وہ اپنی روایتی مصروفیتوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے، اپنے فرائض کو انجام دیا کرتے تھے لہٰذا یہ بات ان روایتی علماء کے لئے کسی حد تک دشوار معلوم ہوتی تھی کہ مغرب سے تعلقات کے نتیجے میں ایران میں جو مسائل پیدا ہو گئے تھے انہیں وہ لوگ بخوبی سمجھ سکیں۔

سیاسی میدان سے علماء اور مذہبی رہنماؤں کی علیحدگی کی وجہ سے مغرب پرست اور نام نہاد مشروطہ طلب افراد نے ملک وملت کو اپنی ذاتی ہوس اور سامراجی طاقتوں کی مفاد پرست خواہشات کا شکار بنانا شروع کردیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ ستار خان جیسے حقیقی مشروطہ خواہ شخص کے وجود کو بھی تحمل نہ کر سکے اور فقط ستار خان ہی نہیں بلکہ ان کے ساتھیوں کے خلاف شرمناک پروپگنڈوں کا بازار گرم کردیا تاکہ عوام کے درمیان ان کا کوئی اثر ورسوخ باقی نہ رہ جائے۔ سماج میں اچھی طرح بدنام کرنے کے بعد ان لوگوں نے ستار خان پر بھی قاتلانہ حملہ کردیا اور اس حملے کی وجہ سے وہ ایک مدت تک بستر بیماری پر پڑے رہے اور بعد میں انتہائی غم انگیز حالت میں ان کا انتقال ہوگیا۔

اس طرح ایرانی عوام کی عدالت پسندانہ تحریک میں بنیادی کردار ادا کرنے والی مذہبی اور قومی شخصیتیں دھیرے دھیرے اس تحریک سے کنارہ کش ہوگئیں، جس کے نتیجے میں انقلاب دشمن افراد وعناصر نے اس انقلاب پر غلبہ حاصل کرلیا۔ پس یہ بات قطعی حیرت انگیز نہیں ہے کہ انقلاب مشروطیت کی کامیابی سے قبل مظفر الدین شاہ کا صدر اعظم عین الدولہ جو مشروطہ طلب لوگوں کا جانی دشمن تھا اور جس نے محاصرہ تبریز کے دوران بیرونی فوجوں کا اعلانیہ ساتھ دیا تھا، دس سال کا وقفہ گزرنے کے بعد مجلس شوریٰ ملی یعنی پارلیمنٹ کے ذریعہ دوبارہ صدر مملکت کا عہدہ حاصل کرلیتا ہے۔

وقت کی رفتار کے ساتھ انقلابی جوش وخروش میں کمی آتی چلی گئی اور دھیرے دھیرے ملک میں سیاسی گڑبڑی، سماجی اختلافات اور اقتصادی مفلوک الحالی میں غیر معمولی اضافہ ہوتا رہا، ملک کی اقتصادی حالت میں اصلاح وسدھار کے بجائے اور زیادہ خرابی پیدا ہوگئی۔ ملک کے اکثر صوبوں میں علاقائی بغاوت شروع ہوگئی اور صوبائی حکام نے مرکزی حکومت سے علیحدہ گی اختیار کرنا شروع کردیا اور معاشرہ میں امن وسلامتی نام کی کوئی چیز باقی نہ رہ گئی۔ روس اور برطانیہ نے بھی پورے ایران میں پھیلی ہوئی گڑبڑی ومفلوک الحالی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ملک وملت پر اپنے ناجائز اثر ورسوخ میں حکومت نے اپنی غیر جانبداری کا اعلان تو کردیا تھا لیکن جنگ میں سرگرم روسی، برطانوی اور عثمانی

حکومتوں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور اپنی فوجیں ایران میں داخل کردیں اور ایک دوسرے کے خلاف جنگی کارروائی میں مشغول ہوگئے، ملک کے ماہرین سیاست اور قوم پرست افراد کے سامنے فقط یہی ایک راستہ باقی رہ گیا تھا کہ وہ تہران سے ہجرت کرکے ملک کے مغربی حصہ میں چلے جائیں اور ایک عارضی حکومت کی تشکیل کرکے جرمنی اور ترکی کے ساتھ تعاون کا اعلان کردیں۔ لیکن ان لوگوں کی اس سیاسی تحریک سے بھی ایرانی عوام کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اس عالمی جنگ کا نتیجہ کچھ بھی ہوا ہو لیکن ایرانی عوام کو ویرانی ومفلوک الحالی کے علاوہ کچھ نہ ملا اور اس ملک میں ہر طرف قحط، بھوک اور بیماری کا بول بالا ہوگیا۔ اس کے علاوہ مقامی گڑبڑی نیز ملک کے ہر گوشہ میں بیرونی فوجوں کی موجودگی کی وجہ سے استقلال وآزادی کا بظاہر خاتمہ ہو چکا تھا۔

پہلی جنگ عظیم کے آخری زمانہ میں روس میں انقلاب رونما ہوا اور متعدد داخلی وخارجی مسائل ومشکلات نیز ملک میں رونما ہونے والی جدید صورتحال کی وجہ سے روس میں اب اتنا دم نہ رہ گیا تھا کہ وہ پہلے کی طرح ایران کے معاملات میں مداخلت کرے لیکن یہ تاریخی اور سنہری موقع بھی ایرانی حکومت اور عوام کے حق میں مفید وکارآمد ثابت نہ ہوا کیونکہ برطانوی فوجوں نے فوری طور پر پورے ملک پر اپنا فوجی اور سیاسی تسلط قائم کرلیا۔ ان لوگوں نے روس کی نئی حکومت کی نابودی وسرنگونی کے لئے دو ہتھکنڈے ایک ساتھ استعمال کئے۔ پہلے ایران میں تعینات روسی فوج کو جو بالعموم سابقہ حکومت کی طرف دار تھی، اپنے ہاتھوں میں لیکر اسے روس کی موجودہ عوامی اور انقلابی فوج کے مقابلے کے لئے بھیج دیا اور دوسرے مرحلے میں ایران کی نام نہاد کمیونسٹ تنظیموں کی تشکیل کرکے انہیں روس کی سیاسی اور فوجی تنظیموں کے اندر رخنہ اندزی کے لئے مقرر کردیا۔

ایسی صورتحال میں برطانیہ نے یہ منصوبہ تیار کیا کہ ایران میں اپنی پسندیدہ حکومت قائم کرکے ایران میں اپنی فوجی اور سیاسی موجودگی کو قانونی حیثیت عطا کردے۔ لہٰذا ۱۹۱۷ء میں ایران میں وثوق الدولہ کی کابینہ کی تشکیل عمل میں آئی۔ وہ مشروطیت طلب افراد کی نظر میں ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ، آزادی پسند اور صاحب مہارت سیاستداں سمجھا جاتا تھا۔ اس کابینہ کی تشکیل کے ایک سال بعد حکومت برطانیہ نے وثوق الدولہ کے ساتھ ایک معاہدہ پر دستخط کئے جس کو ''معاہدہ ۱۹۱۹'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس معاہدہ کے بموجب فوجی، اور مالی کسٹم سے متعلق جملہ امور برطانوی مشیروں کے سپرد کردئے گئے تھے۔ دوسری عبارت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس معاہدہ نے ایران کو برطانوی نو آبادیاتی نظام کا حصہ

بنا دیا تھا۔،

چنانچہ داخلی اور خارجی سطح پر اس معاہدہ کی بھر پور مخالفت ہوئی۔ ملک کے اندر بعض اراکین پارلیمنٹ مثلا سید حسن مدرس جیسے لوگوں نے کافی بڑے پیمانے پر ایرانی کابینہ کو بے نقاب کرنا شروع کردیا ملک کے غیر معمولی جانبدار اور برطانیہ مخالف اخباروں اور رسالوں نے اس شرمناک معاہدہ کی وجہ سے وثوق الدولہ کا خوب مذاق اڑایا۔ آذر بائیجان میں شیخ محمد خیابانی اور گیلان میں میرزا کوچک خان جنگلی نے اس معاہدہ کے خلاف انقلاب برپا کردیا۔ حکومت نے مخالف افراد کی گرفتاری اور مخالف اخباروں اور رسالوں پر سخت پابندی لگادی پھر بھی معاہدہ کے خلاف عوامی احتجاج میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ بیرونی سطح پر برطانیہ سے سامراجی رقابت رکھنے والے ممالک مثلا روس، امریکہ اور فرانس نے اس معاہدہ کی زور دار مخالفت کی اور نوتشکیل شدہ ''اقوام متحدہ'' نے بھی سرکاری طور پر اس معاہدہ کو تسلیم نہ کیا۔

وسیع اور شدید اختلافات اور مخالفتوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے وثوق الدولہ نے معاہدہ کی عملی تعمیل کو روک دیا اور لازمی منظوری کے لئے اسے مجلس یعنی پارلیمنٹ کے سپرد کردیا۔ تیرہ سال بعد رونما ہونے والے اس واقعہ سے اس حقیقت کی تائید ہوتی ہے کہ ایسے بحرانی حالات میں ملک کی باگ ڈور سنبھالنے والے فاسد وخائن حکمرانوں نے تحریک مشروطیت کو کس حد تک منحرف کردیا تھا۔

بہر حال وثوق الدولہ کے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسرا چارۂ کار باقی ہ رہ گیا تھا کہ حکومت سے مستعفی ہوجائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مشیر الدولہ نامی شخص، جو سماج میں نیک نام مگر نہایت مصلحت اندیش تھا اس کا جانشین مقرر ہوا لیکن ملک کے مسائل کا حل تلاش کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی لہٰذا قبل اس کے کہ مشکلات اس پر غالب ہوجائیں اس نے خود ہی استعفیٰ دے دیا، واضح رہے کہ انقلاب مشروطیت کے بعد قومی رہنماؤں کی نظر میں بحرانی اور حساس سیاسی ماحول میں ''استعفیٰ'' ایک بہترین حل تھا کیونکہ ان لوگوں کو ملکی مفاد ومصالح کے مقابلے میں پنی ذاتی حیثیت وشان وشوکت زیادہ عزیز تھی، اسی وجہ سے جب کبھی انہیں اپنی حیثیت خطرہ میں نظر آتی، وہ فوری طور پر استعفیٰ دے دیا کرتے تھے، مشیر الدولہ کے مستعفی ہونے کے بعد کمانڈر جنرل فتح اللہ خان تنکابنی نے صدارت کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے لی لیکن اس میں بھی اتنی صلاحیت نہ تھی کہ ملک کے مسائل حل کرسکے۔

عالمی جنگ کے خاتمہ کے دو سال بعد نیز ملک سے روسی فوجوں کے نکل جانے کے بعد لوگوں

نے امید لگا رکھی تھی کہ اب مفلوک الحالی و بے سروسامانی فقر و گرسنگی اور تباہی و بربادی کا دور ختم ہوجائے گا لیکن مسند اقتدار پر ایران والے حاکموں میں اتنا دم نہیں تھا کہ وہ داخل مسائل کا حل تلاش کرسکیں۔ اور یہ بات فقط وہ ایرانی عوام ہی نہیں بلکہ ایران کے سیاسی ماہرین بھی یہ سمجھ چکے تھے کہ ملک کی فلاح و بہبود ان حکمرانوں کی صلاحیت سے باہر ہے لہٰذا سبھی لوگ کسی ایسے حادثہ کا انتظار کررہے تھے جو موجودہ صورت حال کو دگرگوں بنادے، مختصر لفظوں میں یہ سمجھ لیجئے کہ ماہرین سیاست کو فوج بغاوت اور عوام کو نجات و سلامتی کی فکر دامنگیر تھی۔

حوالے:
۱۔احمد کسروی، تاریخ مشروطہ ص۔ ۳۰۷
۲۔ دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی، ص۔ ۱۵۱ و ۱۵۲'' آخوند خراسانی''

عصری مسائل اور ارشادات امام خمینیؒ

انقلاب اسلامی ایران کے قائدعظیم الشان نے ملت اسلامیہ کی ہدایت ورہنمائی ،عوام میں حقیقی بیداری کی ترویج، تبلیغ واشاعت تعلیماتِ اسلامیہ، مقصد کی خاطر ایثار وقربانی اور جہاد وشہادت کی مقبولیت کا جوعظیم کارنامہ انجام دیاہے وہ تاریخ بشریت کے دامن میں ہمیشہ محفوظ رہے گا اور ان کی بروقت ہدایت ورہنمائی کے سایہ میں ملت اسلامیہ عالم بالخصوص ملت ایران کو جوشرف وقار اورعظمت وبزرگی حاصل ہوئی ہے وہ اس مادیت زدہ دور میں یقیناً قابلِ رشک ہے۔ ماہ نامہ راہ اسلام اپنے قارئین کرام کو ان کے افکار وعقائد سے برابر آگاہ کرتا رہاہے لیکن قائدعظیم الشان کی برسی کے موقع پرمختلف موضوعات کے بارے میں ان کے اقوال وارشادات کی ایک جھلک پیش کررہاہے تاکہ یہ اندازہ لگایا جاسکے کہ ان کے یہ اقوال وارشادات جوکئی دہائی قبل ان کی زبان سے جاری ہوئے تھے وہ فقط عصر حاضر کے لئے ہی نہیں بلکہ نسلِ آئندہ کے لئے بھی مشعلِ ہدایت کے درجہ رکھتے ہیں۔ ادارہ

تہذیب وتمدن کی عظمت!

اگر ہماری تہذیب وثقافت کی اصلاح ہوجائے تو مملکت کی اصلاح خود بخود ہوجائے گا کیونکہ وزارت خانوں میں قدم رکھنے والے لوگ ہمری تہذیب کا ہی ایک حصہ ہیں اورممبرار پالیامنٹ اور سرکاری ملازمین ہماری ہی تہذیب کے اجزاء ہیں۔ پس تم ایک آزادتہذیب وتمدن کا ماحول پیدا کرو اور اگرنہیں کرسکتے تو راستہ سے الگ ہٹ جاؤ اورہمیں یہ کام کرنے دو۔تم امریکہ اور دوسری بڑی طاقتوں سےخوفزدہ ہو لہٰذا یہ کام ہمارے سپرد کردو ہم اسےبحسن وخوبی انجام دے لیں گے۔

بیرونی اور سامراجی تہذیب وتمدن کے بڑھتے ہوئے اثرات کو تمام خرابیوں کی جڑ کہا جاسکتاہے، عرصہ دراز سے ہمارے نوجوانوں کی تربیت و پرورش زہرآلود فضا میں ہورہی ہے۔ اندرونِ ملک سامراج غلام عناصر بیرونی تہذیب وتمدن کی ترویک وحوصلہ افزائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ سامراجی تہذیب کے سایہ میں پلے ہوئے ملازمین اور حکام سے سامراجی حرکتوں کے علاوہ کسی دوسری چیز کی توقع نہیں کی جاسکتی،تمہیں تہذیب وتمدن میں پائی جانے والی خرابیوں پرغور وفکر کرنی چاہئے اور امت کو اس بیماری سے پیدا ہونے والےنقصانات سے باخبر کردینا چاہئے ،تم لوگ بیرونی تہذیب کو ملک کی سرحدوں سے باہرنکال دو اور اس کی جگہ پر انسانی اور اسلامی تہذیب وتمدن کی ترویج وترقی کی کوشش کرو تاکہ آئندہ نسل انسانی سازی اور عدل پروری کے ماحول میں تربیت حاصل کرسکے۔

تہذیب وتمدن قوم کی خوش قسمتی اور بدقسمتی کا باعث وذریعہ ہے۔ اگر اس میں خرابی پیدا ہوگئی تو غیر صالحہ تہذیب کے سایہ میں پروردہ نوجوان یقیناً فساد اور خرابیاں پیدا کرینگے اور اگر ہماری تہذیب ٹھیک رہی تو صالح اور نیک کردار نوجوان کی تربیت میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔

لوگوں کو اسلامی تہذیب وتمدن کی طرف دعوت دو، تم نے گذشتہ پچاس برسوں کے دوران مغربی تہذیب کا خوب تجربہ کرلیا، اس امت کی جملہ پریشانیاں اسی مغری تہذیب کی وجہ سے ہیں۔ ہمارے نوجوانوں میں پایا جانے والا برانحاف اسی مغربی تہذیب کی دین ہے۔ روشن فکر حضرات توجہ سے کام لیں اور کچھ دنوں کے لئے اسلامی تہذیب وتمدن کو بھی موقع دے کر تجربہ کریں کہ یہ تہذیب قوم کے لئے خدمات انجام دیتی ہے۔

یوم قدس کی فضیلت

دنیا بھر کے تمام مسلمانوں سے ہماری درخواست ہے کہ ماہ رمضان المبارک کے آخری جمعہ کے جو ایام قدر میں سے ہے اور فلسطینی مظلوموں کے لئے قسمت ساز ثابت ہوسکتا ہے، یوم اقدس کی حیثیت سے منتخب کرلیں اور اس موقع پر امت اسلامیہ عالم کی طرف سے فلسطینی عوام کے جائز مطالبات کے حق میں اپنی بھر پور ہمایت کے اعلان کردیں۔

یوم قدس عالمی اہمیت کا حامل ہے۔ اس دن کو صرف بیت المقدس سے مخصوص کردینا مناسب نہیں ہے۔ یہ کمزور اور پسماندہ لوگوں کو ظالموں سے مقابلہ کرنے کا دن ہے۔ یہ مستضعفین کی آمادگی کا دن ہے تاکہ وہ ظالموں کی ناک رگڑیں، یہ منافقین اور مومنین کے درمیان امتیاز کا دن ہے۔

یوم اقدس وہ اہم دن ہے جب ہم سبھی لوگوں کو قدس کی آزادی کے لئے آمادگی اور تیاری کرنی چاہئے اور ہم سب ہی لوگوں کو لبنانی مسلمانوں کی نجات کی فکر کرنی چاہئے۔

یوم قدس صرف یوم فلسطین ہی نہیں بلکہ یوم اسلام ہے۔ یہ وہ دن ہے جب اسلامی جمہوریہ کا پرچم ساری دنیا ساری دنیا میں لہرادیا جانا چاہئے۔

اسلامی خود اعتمادی

اگر تیل کی دولت سے مالا مال ممالک کے سربراہ میں حمیت وغیرت ہوتی اور صرف ایک ماہ کے قلیل عرصے کے لئے امریکہ اور مغربی ممالک کو تیل فراہم کرنا بند کردیتے یا اپنی دولت کو امریکی

بنکوں سے نکال لیتے تو یقیناً امریکہ کی اقتصادی کمر ٹوٹ چکی ہوتی اور وہ اسرائیل کی حمایت کے برا ے میں اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہوتا۔

اے پروردگار!

ان نادان حکمرانوں کے پاس بڑی طاقتوں پر غلبہ پانے کے تمام وسائل موجود ہیں پھر بھی وہ امریکہ اور اسرائیل کے جرائم کی تائید کرکے کفر والحاد کی بپادوں کو مستحکم بنانے میں شب وروز کوشاں رہتے ہیں۔

غم اور افسوس تو اس بات کا ہے کہ مسلمان امریکہ کے غلام اور شیدائی ہیں اور ان حکومتوں کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کی دشمن ہیں اور ان کے چنگل میں گرفتار ہوکر بے بس او رلاچار ہوکر رہ گئے ہیں۔

تفرقہ واختلاف

معاشرہ میں اختلاف وتفرقہ کا مطلب یہ ہے کہ خدانخواستہ اسلام میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہے اور سامراج کی خواہش پوری ہونے والی ہے۔

مسلمانوں کی بدبختی اور مفلوک الحالی کا سبب ان کے درمیان موجود تفرقہ واختلاف ہے ملت اسلامیہ کو باہم اتحاد اتفاق سے کام لینا چاہئے اور اسلامی حکومتوں کا فریضہ ہے کہ اختلاف اور تفرقہ اندازی سے دست بردار ہوجائیں۔

تفرقہ واختلاف سے اسلام کا نقصان اور دشمنوں کا زبردست فائدہ ہے۔ اس سے (عالمی سامراج بالخصوص)امریکہ اور روس کو بڑا فائدہ ہوتاہے، مجھے تمام لوگوں سے یہی امید ہے کہ وہ مفسدین کی باتوں کے چکر میں نہ پڑیں گے۔ جوشخص تفرقہ واختلاف کی بات کرتاہوا نظر آئے سمجھ لیجئے کہ وہ بیرونی آقاؤں کی ہدایت پر عمل کررہاہے اور اس کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کونقصان پہنچانا ہے اور وہ سابقہ دورِحکومت کی واپسی کے لئے کوشاں ہے تاکہ ہم لوگ اغیارواجانب کے ہاتھوں میں دوبارہ گرفتار ہوجائیں۔

قرآن کی عظمت

قرآن مجید نے الٰہی انسان کی تخلیق وتعمیر کی۔ اور اس الٰہی انسان نے پروردگار کی لایزال قوت پر بھروسہ کرتے ہوئے پیش قدمی کی۔ آخر کا راس نے نصف صدی سے کچھ کم ہی مدت کے اندر بری

بری سلطنتوں پر غلبہ حاصل کرلیا۔

قرآن کتابِ آدم سازی ہے، یہ حیوان سازی کی کتاب نہیں ہے اور یہ تعلیم مادیت کی کتاب بھی نہیں ہے، قرآن تمام چیزوں سے مالا مال ہے، یہ مقدس کتاب ہر پہلو سے انسان کی تربیت کرتی ہے، یہ معنویات قبول کرتی ہے۔

دنیا بھر کے مسلمانوں کی مشکلات اور پریشانیوں کا اہم سبب یہ ہے کہ ان لوگوں نے قرآن اور اسلام سے دوری وعلیحدگی اختیار کررکھی ہے۔

اسلامی اتحاد کی برکت

اے دنیا بھر کے مسلمانو! وہ اسلامی نعرے کیا ہوگئے جن کی مدد سے صدر اسلام میں تعداد کے اعتبار سے کم ہوتے ہوئے بھی تم نے اس دور کی عظیم طاقتوں کو شکست سے دوچار کردیا تھا اور ایک عظیم امت اسلامیہ کی تشکیل کی تھی۔ آج تمہاری تعداد تقریبا ایک ارب ہے اور اقتصاری اعتبار سے بھی اہم اقتصادی ذخائر تمہاری ملکیت ہیں۔ اس کے باوجود کمزور اور مٹھی بھر دشمنان اسلام کے مقابلے میں تمہاری حالت خراب ہے، کیا تم جانتے ہو کہ اس کمزوری اور زبوں حالی کا سبب اسلامی مما لک کے رہنماؤں اور مسلمانوں کے درمیان موجود باہمی اختلاف وتفرقہ ہے۔

اے دنیا بھر کے مسلمانو اور کمزور وپسماندہ طبقے کے لوگو! آپس میں متحد ہوجاؤ خدا کی طرف پوری طرح متوجہ ہوکر اسلام کے دامن میں پناہ حاصل کرلو، اور ظالم واقوام عالم کا حق غضب کرنے والی طاقتوں کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے اٹھ کھڑے ہو، مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ دستِ واحد کی طرح آپس میں متحد ہوجائیں، انہیں اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کو اپنے سے الگ نہ سمجھنا چاہئے، جغرافیائی حدود کو قلوب کی جدائی اور علیحدگی کا ذریعہ نہ بنانا چاہئے، درحقیقت امت اسلامیہ ایک بہت بڑی طاقت اور عظیم اقتصادی ذخائر اور خزائن کی حامل ہے۔

عالمِ اسلام پر چھائی ہوئی پریشانی کا واحد سبب آپسی اختلاف اور باہمی ہم آہنگی کا فقدان ہے، اور کامیابی کا راز وحدت کلمہ واتحاد میں پوشیدہ ہے۔

برادران اہل سنت اور اہل تشیع کو سب سے زیادہ اپنے آپسی اتحاد کی حفاظت کرنی چاہئے۔ سنی اور شیعہ کا مسئلہ کھڑا کرنا اسلامی تعلیمات کی کھلی ہوئی خلاف ورزی ہے سنی اور شیعہ کے درمیان کوئی

فرق نہیں بلکہ ہم سبھی لوگ مسلمان ہیں۔

انقلاب اسلامی ایران

انقلاب ایران مختلف اعتبار سے ایک عدیم المثال انقلاب ہے، اس انقلاب کی انفرادیت کا راز یہ ہے کہ اس کے مقابلے میں دائیں بائیں بازو کی تمام طاغوتی طاقتیں اکھٹا تھیں اور شاہ ملعون کی بھرپور حمایت کررہی تھیں، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اکثر اسلامی حکومتیں بھی شاہ معدوم کی حمایت کررہی تھیں، عملی طور پر ہمارے پاس کچھ بھی نہ تھا اور دوسری طرف تمام دنیاوی وسائل کی بھر مار تھی۔

ہمارے انقلاب کا اصل اور بنیادی مقصد پیغمبرؐعظیم الشان کے مقصد کی پیروی مطلقہ کے سہارے راہ میں آنے والی تمام رکاوٹوں پر قابوحاصل کرنا ہے اس عوامی اور الٰہی انقلاب نے تمام اسلام دشمن سازشوں کا گلاگھونٹ دیا ہے۔

خواتین کی عظمت

اسلامی انقلاب کی عظیم الشان کامیابی میں شیر دل خواتین نے پیش قدمی سے کام لیا اور آج بھی وہ ہر انقلابی اور اسلامی پروگرام میں پیش قدم ہیں۔

موجودہ نسل کو پچھلے دور کی کالی کرتوتوں کا علم نہیں ہے...... انہیں دورِ سیاہ کی شرمناک اور انسانیت سوز حرکتوں کا مطالعہ کرنا چاہئے اور جن لوگوں نے ان حرکتوں کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے ان سے دریافت کرنا چاہئے کہ ترقی اور آزادی کے نام پر عورت ذات کے ساتھ کس ظالمانہ اور خیانت کارانہ سلوک سے کام لیا گیا اور اس معلم انسانیت کو گونا گوں آلودگیوں کا شکار بنانے کے لئے کیسے کیسے ہتکھنڈے استعمال کئے گئے۔

آج اسلامی جمہوریہ ایران میں عورتیں ذاتی اور ملکی تعمیر ذاتی اور ملکی تعمیر وترقی کے مشن میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کررہی ہیں۔ اور عورتوں کی آزادی کا اصل مفہوم ومقصد وہ نہیں ہے جو شاہ ملعون کے دورِحکومت میں پوری طرح رائج تھا۔

حج کے دوران مسلمانوں کا فریضہ

اس سرزمین وحی پر مناسک حج کی ادائیگی کے لئے جمع ہونے والی ملت اسلامیہ کی ذمہ داری ہے کہ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عظیم اسلامی مقاصد کے لئے فکر مند رہے، حج کے دوران تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اہم اسلامی مسائل اور مشکلات کے سلسلے میں تبادلہ خیال کریں۔ آپ سبھی حاجیوں کو اس بات کی طرف متوجہ رہنا چاہئے کہ ہر سال اس مقدس سرزمین پر حکم خدا وندی سے تشکیل پانے والا یہ عظیم روحانی اجتماع آپ سبھی مسلمانوں پر ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ مسلمانوں کی ترقی وسربلندی اور اسلامی معاشرہ کی عظمت وبزرگی کے لئے بھر پور کوشش کیجئے آزادی و استقلال کی راہ میں عوام کی پریشانیوں کا حال خود ان کی زبان سے سنئے اور ان کی پریشانیوں کا حل تلاش کرنے کے لئے ہرممکن اقدام سے کنارہ کشی نہ کیجئے اور اسلامی ممالک کے فقیروں اور صاحبِ احتیاج لوگوں کے بارے میں بھی کچھ غور کیجئے۔

اعمال حج کے دوران اس عظیم اسلامی اجتماع کے ایک اہم فلسفے کی طرف متوجہ کرنا لازمی ہے۔ وہ اہم فلسفہ یہ ہے کہ آپ لوگ اسلامی ممالک کے سیاسی اور سماجی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے اپنے مسلمان بھائیوں کی مشکلات سے واقفیت حاصل کیجئے اور اسلامی فریضہ کے مطابق ان کی پریشانیوں کا حل تلاش کرنے کی کوشش کیجئے۔

سبھی مسلمان بھائیوں اور بہنوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ فلسفہ حج کا ایک پہلو مسلمانوں کے درمیان باہمی اتحاد اور آپسی میل جول کو مضبوط بنانا ہے۔ مذہبی رہنماؤں اور دینی پیشواؤں کے لئے یہ لازمی ہے کہ وہ اپنے سیاسی اور سماجی مسائل کو دوسرے بھائیوں کے سامنے پیش کریں، ان مشکلات کو دور کرنے کے لئے منصوبے تیار کریں۔ تاکہ اپنے وطن جانے کے بعد وہ لوگ دیگر علماء کی بزم میں بھی ان مشکلات کے بارے میں غور وفکر کریں۔

بیت اللہ الحرام کے زائرین محترم کیلئے چاہے وہ کسی بھی قوم وقبیلے سے تعلق رکھتے ہوں، یہ لازمی ہے کہ قرآن احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیں، مشرق ومغرب کے اسلام دشمن شیطانی سیلاب کا مقابلہ کرنے کے لئے آپس میں اسلامی اخوت وبھائی چارہ قائم کریں۔ قرآن میں دعوت اتحاد دی گئی ہے اور باہمی اختلاف وتفرقہ سے روکا گیا ہے۔

عزاداری کی اہمیت

عاشورہ کی یاد کو تر و تازہ رکھئے کیونکہ جب تک یہ یاد ہمارے دلوں میں تازہ رہے گی ہمارا ملک ہر بلا د مصیبت سے محفوظ رہے گا۔

محرم اس تحریک کا مہینہ ہے جس کا آغاز سید الشہداء سردارِ اولیااور برگزیدہ بندۂ خدا نے کیا تھا۔ اس مہینے میں آپ نے جابر حکومت کے خلاف صدائے حق بلند کی۔ آپ نے اپنے ایثار سے انسانوں کو درسِ تعمیر دیا اور زبان کو طاقت گویائی عطا فرمائی۔ آپ بخوبی اس حقیقت سے واقف تھے کہ ظالم کی فنا اور اس کی شکست کا راز اپنے عزیزوں کی جانیں قربان کر دینے اور خود قربان ہوجانے میں ہی مضمر ہے اور یہ قربانی ہی دنیا کے فنا پذیر ہونے تک تمام اقوام عالم کے لئے اسلامی تعلیمات پر مشتمل جلی حروف میں لکھی ہوئی سرخی بن گئی ہے۔

سید الشہداء علیہ السلام نے صدائے حق اس لئے بلند کی تھی کہ یزید نے اسلام کی صورت ہی مسخ کر دینا چاہا تھا۔ سید الشہداء نے دین مبین اسلام کی دادو فریادرسی، سید الشہداء نے اسلام کو ظلم وستم سے نجات دلائی، سید الشہداء کا نوحہ اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ ان کے مکتب فکر کو زندہ رکھا جائے اور جولوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ کا نوحہ نہ پڑھا جائے وہ سید الشہداء کے مکتب فکر سے بے بہرہ ہیں۔ اور وہ اس حقیقت سے نابلد ہیں کہ سید الشہداء کی یاد میں گریہ وزاری اور نوحہ خوانی نے ہی آپ کے مکتب فکر کو اب تک زندہ رکھا ہے۔ امام حسینؑ نے اسلام کو فنا پذیر ہونے سے بچا لیا۔ کیا جس شخص نے اسلام کو مٹنے اور برباد ہونے سے بچایا ہو اور خود میدانِ کربلا میں جا کر شہید ہوا ہو کیا ہم اس کی عظیم قربانی کو یاد کر کے خاموش بیٹھ سکتے ہیں۔

اگر عاشورہ اور خاندانِ رسالتؐ کی قربانیاں نہ ہوتیں تو اس زمانے کے جابرو ظالم فرمانروا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور آپ کی جانکاہ زحمات کو نیست ونابود کر کے رکھ دیتے، اگر عاشورہ نہ ہوتا تو دورِ جاہلیت کے سردارانِ قریش کی منطق کتاب وحی پر خط باطل کھینچ دیتی، وحی کو شہید کر کے اور بت پرستی کے تاریک دور کی یادگار یزید اپنی خام خیالی میں یہ امید لگانے بیٹھا تھا کہ قتل وغارتگری کے ذریعہ فرزندان اسلام کی بنیادوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گا، اس کا خیال تھا کہ وہ آشکار اطوار پر اس امر کا اعلان کر کے کہ لاخیر جاولاوحی تنزل ...یعنی محمدؐ پر نہ کوئی فرشتہ نازل ہوا تھا اور نہ کوئی وحی آئی تھی بلکہ یہ تو بنی ہاشم نے حکومت کرنے کا ڈھونگ رچایا تھا) حکومت الٰہی کا قلع قمع کر دے گا۔ اگر وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہوجاتا تو نہیں معلوم کہ قرآن اور اسلام پر کیا

گذرتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ تھی اور اب بھی ہے کہ وہ اسلام کو فنا پذیر نہ ہوئے دے اور ہدایت افروز قرآن مجید کو ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھے اس کی یہی رضا تھی کہ صاحب وحی کے فرزندانِ عزیز کو شہید کر کے ان کے خونِ اطہر سے اس دین کی حفاظت وحمایت کرے اور اس پر ذرا بھی دنیا کے مصائب وآلام کی آنچ نہ آنے دے۔ چنانچہ اس نے حسینؑ ابن علیؑ کو جن میں پیغمبر اکرام کے تمام اوصاف موجود تھے جو ولایت حق کی صحیح یادگار تھے اس کام کے لئے مقرر کیا کہ اپنے عزیزوں کی جان نثار کردیں تا کہ تاریخ کے ہر دور میں یہ خون پاک جوش مارتا رہے اور اس دین حق کی آبیاری کرتا رہے اور اس پیغام کی جو اس نے وحی کے ذریعے صادر فرمایا تھا۔ خونِ شہداء کے ذریعہ پاسبانی کرتا رہے۔

عبادت وخوسازی

رسولؐ مقبول کی حدیث ہے کہ رمضان المبارک کے مہینے میں خدا وند عالم نے لوگوں کو الٰہی ضیافت میں شرکت کے لئے مدعو کیا ہے، پس اس مہینے میں اپنے پروردگار کے مہمان تمام مومنین کو چاہیئے کہ وہ اپنے میزبان سے بخوبی واقف ہوں، اس کی قدر ومنزللت کی معرفت رکھتے ہوں ہو، دعوت کے آداب ورسوم سے باخبر ہو اور ایسا کوئی غیر اخلاقی عمل انجام نہ دیں جس سے میزبان کی دل شکنی کا امکان ہو، مختصر یہ کہ خدا وند عالم کے مہمان کو عظمت خدا وندی کی مکمل معرفت رکھنی چاہیئے۔

آپ لوگ رمضان المبارک کے تیس دنوں میں اپنی زبان، اپنی آنکھ، اپنے کان اور اپنے بدن کے تمام اعضاء جوارح پر کڑی نگاہ رکھنے کا فیصلہ کر لیجئے اور ہمیشہ اس بات کا خیال رکھئے کہ آپ جو کام انجام دینا چاہیئے ہیں، آپ اپنی زبان سے جو بات کہنا چاہیئے ہیں اور اپنے کان سے جو بات سننا چاہتے ہیں اس کے بارے میں شریعت کا حکم کیا ہے؟

اگر ماہِ رمضان المبارک کے اختتام پر آپ کے اعمال وکردار میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی اور رمضان سے قبل تمہاری جو راہ روش تھی اس میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوا تو اس سے یہ بات ظاہر ہوجاتی ہے کہ آپ سے جس روزے کا مطالبہ کیا گیا ہے وہ حقیقی طور پر انجام نہیں پایا اور آپ نے عام اور حیوانی روز رکھا ہے۔

امام خمینی اور مدعیان حقوق بشر

ہماری گذشتہ حالیہ اور آئندہ مشکلات اور پریشانیوں کا سبب وہ سربراہان مملکت ہیں جنہوں نے

انسانی حقوق کی حمایت کے سلسلہ میں جاری کئے جانے والے بیان پر اپنے دستخط کئے ہیں ہر دور میں یہی دیکھا گیا ہے کہ حقوق بشر کی نگہبانی کا دعویٰ کرنے والوں نے ہی ملت ایران پر رضا خاں اور اس کے باپ کو مسلط کیا تھا، اور انہوں نے ایران پر کیسے کیسے وحشیانہ مظالم کئے؟ پس انسانی حقوق کی نگہبانی کے دعویدار ہمارے سامنے ظلم و بربریت کا تحفہ پیش کرتے ہیں۔

یہ لوگ انسانی حقوق کے تحفظ کی بات کرتے ہیں اور ہمیشہ انسانی حقوق کے خلاف عمل کرتے ہیں لیکن اسلام انسانی حقوق کے خلاف عمل کرتے ہیں لیکن اسلام انسانی حقوق کا احترام کرتا ہے او ر اس پر عمل بھی کرتا ہے۔

انسانی فضائل وکمالات اور امام خمینیؒ

سید محمود نقوی

علامہ اقبال کی چشم بصیرت کی یہ کارفرمائی تھی یا ان کی الہامی فکر کا نتیجہ کہ ایران کے اسلامی انقلاب سے بہت پہلے انہیں اس سرزمین سے کچھ صحت مند ور انقلاب آفرین امیدیں وابستہ ہوگئی تھیں:

من درین خاک کہن گوہر جان می بینم
چشم ہر زرہ چو انجم نگراں می بینم
دانہ ای را کہ نہ آغوش زمین است ہنوز
شاخ در شاخ وبرومند وجوان می بینم
انقلابی کہ نگنجد بہ ضمیر افلاک
بینم وہیچ ندانم کہ جہان می بینم

اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ان کی دور بیں نگاہیں اس گردآلود ماحول میں ایک سوار کی آمد کے آثار کو بھی دیکھتی ہیں۔

خرم آن کس کہ درین گرد سواری بیند

اور پھر انہیں تاروں کی لرزش سے جو ہر نغمہ کی نشان دہی بھی محسوس ہونے لگتی ہے۔

امام خمینی کا خواب سچ ثابت ہوا۔ ایک طویل جدو جہد کے بعد شہنشاہیت کا گردو غبار چھٹا اور ۱۹۷۹ء میں ایک مرد حق آگاہ کی مساعی جمیلہ اور انتھک کوششوں سے اسلامی انقلاب رونما ہوا۔ جس طرح یہ انقلاب بیسویں صدی کا سب سے بڑا اور حیرت انگیز انقلاب تھا، اسی طرح اس انقلاب کا رہبر بیسویں صدی کا سب سے بڑا قائد اور عظیم انسان تھا۔ درحقیقت امام خمینیؒ اور اسلامی انقلاب دو مترادف الفاظ ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایک قد آور شخصیت کا نام ہے اور دوسرا اس کے ناقابل فراموش کارنامے کا۔ اگر کسی کا کارنامہ زندہ اور باقی ہے تو وہ شخصیت بھی اپنی تمام جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔ اور کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ کچھ شخصیتوں اور ان کے کارناموں میں اتنا گہرا رابطہ ہوتا ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ کارنامہ مشخص ہوجاتا ہے، شخصیت کارنامہ

بن جاتی ہے۔ امام خمینیؒ اور اسلامی انقلاب کے ساتھ یہی کیفیت ہے۔ اسلامی انقلاب کا لفظ ہونٹوں پر آتے ہی بے ساختہ ذہن میں امام خمینیؒ کی شخصیت ابھر آتی ہے۔ اسی طرح امام خمینیؒ کا ذکر ہوتے ہی اگر ایک طرف نطق زبان کے بوسے لینے پر آمادہ ہوجاتا ہے تو دوسری طرف ذہن اسلامی انقلاب کی کیفیات سے سرشار ہوجاتا ہے یقیناً ایسی قدآور شخصیتیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔

خلاق عالم نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اسے 'احسن تقویم' کے خطاب سے نوازا۔ لیکن اس شرف کے بار کو اٹھانا ہے ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ کیا بین الاقوامی سطح کے مجرموں کو بھی، بھلے ہی وہ کسی بڑے ملک کے صدر ہی کیوں نہ ہوں، اشرف المخلوقات میں شمار کرنا مناسب ہوگا؟ کیونکہ یہی انسان جب اپنے مزاج وکردار کی پستیوں کے باعث گرتا ہے تو اسفل السافلین کہلانے کا مستحق بن جاتا ہے، پھر اس کے یہاں جائز وناجائز اورحق وباطل کی تمیز ختم ہوجاتی ہے۔ وہ صرف اپنے غلبہ اور اقتدار کی خاطر تمام انسانی اقدار کو بالائے طاق رکھ کر شکاری کتوں کی طرح حملہ آور ہوجاتا ہے۔ اور ان ہی انسانوں میں جب کوئی بندۂ خدا تقویٰ پر ہیزگاری کو اپنا مزاج وشعار بنالیتا ہے تو کبھی اس کے خلق عظیم پر فائز ہونے کا اعلان کیا جاتا ہے، کبھی وہ عہد خاص قرب الٰہی کی اس منزل پر پہنچ جاتا ہے کہ دوکمانوں سے بھی کم کا فاصلہ رہ جاتا ہے اور کبھی رب العالمین اسے رحمت العالمین کے خطاب سے نوازتا ہے۔ بیسیوں صدی کے آخر میں اس عظمت کردار کا پرتو جس انسان میں نظر آتا ہے دنیا اسے امام خمینیؒ کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔ جس کے مزاج وکردار میں انسانیت کے وہ سبھی اعلیٰ اقدار موجود نظر آتے ہیں جو اسے اشرف المخلوقات اور احسن تقویم ہونے کا حقدار بناتے ہیں۔ ایسے انسان کو ہم اپنی اصطلاح میں بندۂ مومن کہتے ہیں جس کا اعتقاد وایقان یہ ہوتا ہے کہ ہم سے جو اچھے اور بڑے کام انجام پذیر ہوتے ہیں وہ بغیر تائید ایزدی کے انجام نہیں پاسکتے۔ امام خمینیؒ کی کسی تحریر یا تقریر میں یہ نہیں ملے گا کہ اسلامی انقلاب کے سرگروہ وہ خود تھے یا یہ کارنامہ انہوں نے بذات خود انجام دیا۔ جہاں بھی انقلاب کی کامیابیوں کا ذکر ہے وہ خدا وندی فضل وکرم کے حوالے اور ایرانی عوام کی کوششوں کا نتیجہ ہی قرار دیا گیا ہے۔ انسان میں یہ صفت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب اسے اللہ پر مکمل اعتبار ویقین ہو، جب نغمہ'' اللّٰہ ھو'' اس کی رگ وپے میں شامل ہو۔ ایسے شخص کی امیدیں قلیل ہوتی ہیں لیکن اس کے مقاصد جلیل ہوتے ہیں۔ وہ دم گفتگو نرم لیکن دم جستجو گرم ہوتا ہے۔ رزم ہو یا بزم وہ پاک دل اور پاکباز ہی رہتا ہے۔ امام خمینیؒ کی پوری زندگی کے

مطالعہ میں انسانی فضائل وکمالات کی جھلک ہر جگہ نظرآتی ہے۔کسی ایک موقع پر بھی یہ کہنے کا موقع نہیں ملتا کہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو اچھا ہوتا۔ ان کی زندگی کے صرف دو چھوٹے سے واقعات بطور ثبوت پیش کئے جاتے ہیں فرانس میں قیام کے دوران ان کا ملازم سیب یا کوئی اور پھل ضرورت سے کچھ زیادہ خریدلایا۔ امام خمینیؒ نے زیادہ خریدنے کی وجہ دریافت کی تو ملازم نے کہا کہ سستے مل رہے تھے اس لئے زیادہ خرید لی۔ آپ نے فرمایا ایسا نہیں کرنا چاہئے کیونکہ سستے ہونے کی وجہ سے کچھ غریب لوگ انہیں خرید سکتے تھے، اس طرح ان کا حق سلب ہوگیا۔سوچنے سمجھنے کا یہ انداز اسی وقت پیدا ہوسکتا ہے جب اللہ پر مکمل یقین ہو اور اس کی مخلوق سے بغیر کسی لاگ یا لگاؤ کے محبت والفت کا حامل ہو۔

انقلاب اسلامی کے بعد جب ایک مجرم کو پھانسی کی سزا سنائی گئی تو اس نے لمحہ کے اندر اسے قبول کرلیاایک عالم میں خواہش منظور کردی ۔ جب لوگوں نے سبب دریافت کیا تو نے فرمایا'' میں آپ سے بڑی محبت وعقیدت رکھتا ہوں لیکن میں لوگوں کی خوشی کے لئے خوشنودی پر وردگار کونظرانداز نہیں کرسکتا''

بندۂ حق بین وحق اندیش اسی طرح گفتار وکردار میں اللہ کی برہان ہوتا ہے، اس کی گفتگو میں اگر ایسی شبنمی کیفیت ہوتی ہے جس سے جگرلالہ میں ٹھنڈک پڑجائے تو اس کی جرأت وبیباکی بھی ایسے طوفان کی مانند ہوتی ہے جس سے دریاؤں کے دل دہل جائیں۔

انکساری انسانی فضائل وکمالات کا ایک بڑا وصف ہے مگر مردان خدا ایسے موقعوں پر انکساری سے کام نہیں لیتے جہاں حق پر آنچ آرہی ہو، پھر ان کی حق گوئی وبیباکی مصلحتوں کا شکارنہیں ہوتی۔ امام خمینیؒ کی زندگی میں بہت سے لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ انہیں مصلحت سے کام لینا چاہئے اور کسی ایک 'سپر پاور' کوتو اپنا دوست بنانا ہی چاہئے، مگر وہ امریکہ کو ہمیشہ شیطان بزرگ کہتے رہے اور مشرقی بڑی طاقت کوبھی کبھی نہیں سراہا۔

ایک مرد مومن اسی طرح کسی سے مرعوب نہیں ہوتا بلکہ فقیری میں بھی شان وشوکت سے زندگی بسر کیا کرتا ہے۔

امام خمینیؒ میں انسانی فضیلتوں کے دوسرے سبھی پہلو جیسے اپنے گھر والوں پر حکم نہ چلانا، اپنا کام بذات خود انجام دینا، سلام میں سبقت کرنا،فضول خرچی، سے اجتناب کرنا، یہ سبھی خوبیاں موجود تھیں۔

وہ یقیناً ایسے مرد خدا تھے جو نقطہ پرکار حق کو اپنا نصب العین اور شعار زندگی بنا تا ہے۔ وہ بیسویں صدی کی بڑھتی ہوئی تاریکیوں میں پیدا ہونے والی ایک ایسی سحر تھے جس کا اجالا دور دور تک پھیلا، جس سے حسب توفیق بے شمار افراد فیضیاب ہوئے اور جس سے انسانی فضائل وکمالات کوصحت مند توانائی حاصل ہوئی۔ اورشاعر مشرق کے الفاظ میں وہ ایک ایسی انقلاب آفرین اور حیات بخش شخصیت کے مالک تھے جن کے لئے یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ

فطرت کا سرود ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفت سورۂ رحمٰن

حضرت امام خمینیؒ قناعت اور سادگی کا پیکر

مرغوب حیدر عابدی

حضرت امام خمینیؒ اعلیٰ اللہ مقامہ ،جیسی ذات والا صفات، کی عالمانہ شخصیت پر مقالہ لکھنے کا کام اگر ایک کم علم انسان کے سپرد کردیا جائے تو وہ سوائے احساس تنگ دامانی کے اور کربھی کیا سکتا ہے مجھے جب یہ خانہ فرہنگ ایران کے لائق کلچر کاؤنسلر کی جانب سے دعوت نامہ موصول ہوا تو اس پر خلوص تحریر کو میں نظر انداز نہ کرسکا اور بے ساختہ کلمہ تشکر زبان پر آیا۔تعمیل حکم کی خاطر مقالہ تحریر کردیا۔ اس میں جو کوتاہیاں ہوئیں اس کے لئے ارباب علم وفضل سے پیشگی معافی کا خواستگار ہوں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بےنوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اس شعر کے خالق کے پیش نظر کوئی بھی شخصیت رہی ہومگر اس وقت میری نظر میں امام خمینیؒ کی عالمانہ شخصیت اس شعر کی صحیح مصداق ہے۔ بات ۱۹۷۹ ء کے اوائل کی ہے کہ ایک زندہ قوم نے ہزاروں سال کی بے نوری کے بعد ایک دیدہ ور کو پالیا تھا۔ یہ شخصیت اخبارات اور ریڈیو پر روزانہ موضوع بحث رہتی اور حلقہ دانشوران میں بھی یہ شخصیت موضوع گفتگو تھی۔ اب تاریخ عالم میں ہمیشہ زندہ رہنے والی اور کبھی نہ بھلائی جانے والی شخصیت علامہ امام خمینی مرحوم ومغفور کی ہے۔ اسکے بعد ان کے بارے میں کچھ نہ کچھ پڑھتے رہنے سے ایک دلچسپی پیدا ہوگئی اور حضرت نے ہر صاحب قلب کے یہاں ایک مقام حاصل کرلیا۔

حضرت امام خمینی علیہ الرحمہ کی ولادت باسعادت ۲۰/ جمادی الثانی کو جو سیدۂ عالم ومعصومہ کو نین حضرت فاطمہ(س) کی تاریخ ولادت ہے،خمین نامی مقام پر ایک عالم گھرانے میں ہوئی۔آپ کے والد بزرگوار حضرت آیت اللہ سید مصطفیٰ الموسوی آپ کے بچپن میں ہی اس دار فانی سے کوچ کرگئے اور آپکے بڑے حضرت آیت اللہ المرتضیٰ پسندیدہ نے آپ کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری سنبھالی۔ ایسا مذہبی ماحول تھا جس میں رہ کر آپ نے زندگی کے ابتدائی منازل طے کیے۔ مذہبی جوش وخروش تو آپ کے لئے اس ماحول کی دین تھا جو ہردن بڑھتی پریشانیوں اور رکاوٹوں کے باوجود شعلہ عشق کی طرح دل میں بھڑکتا رہا۔

ابتدائی تعلیمی اپنے آبائی شہر میں حاصل کرنے کے بعد ۱۹ر برس کی عمر میں آپ اپنے استاد عالی قدر شیخ عبدالکریم حائری یزدی کے پاس اراک تحصیل علم کے لئے تشریف لے گئے اور پھران ہی کے ساتھ جب انہوں نے قم میں حوزۂ علمیہ قم کیا تو آپ بھی منتقل اور درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔ ساتھ ہی ساتھ آپ نے کسب علم کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور بہت جلد درجہ اجتہاد پر فائز ہوگئے۔

وہاں پر آپ نے ہزاروں شاگردوں کو درس دیا مگر اس پر کبھی غرور نہ کیا، نہایت سادگی اور محبت سے ہر ایک شاگرد سے پیش آتے۔ اپنی ذمہ داریوں سے وہ نہایت سنجیدگی ، ایمانداری اور متانت سے عہدہ برآ ہونا جانتے تھے۔ اس کے صلے میں اپنے کسی بھی شاگرد سے کوئی خدمت لینا اپنے مزاج کے خلاف سمجھتے تھے۔ اس سادگی، ایمانداری، اور قناعت پسندی کی مثال آج دیکھنے کو نصیب نہیں۔ ہزاروں سال بعد جب ایرانی قوم نے شہنشاہیت سے آزادی حاصل کی اور حضرت امام خمینیؒ اس کے بجا طور پر ہیرو تسلیم کر لیے گئے تو آپ کے مزاج میں تکبر آجانا کوئی تعجب کی بات نہیں تھی مگر اس کے برخلاف سادگی کی ی مثال دی جاتی ہے کہ جب کبھی کہیں مہمان ہوتے تو جب تک اہلیہ محترمہ دسترخوان پر نہ آجاتیں کھانے کو ہاتھ نہ لگاتے تھے۔اعلیٰ خلقی کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی محفل میں داخل ہوتے تو سلام کرنے میں سبقت فرماتے ۔یہی نہیں جب کبھی آپ کی رہبری کی شان میں قصیدے پڑھے جاتے تو آپ فوراً اس کا سہرا پوری اسلامی برادری اور ایرانی قوم کے سر باندھ دیتے اور کبھی اپنی زبان سے اپنی تعریف نہ کرتے تھے۔منکسر المزاجی آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ایک واقعہ جس سے سادگی ٹپکتی ہے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی میز پر جو پانی سے بھرا ہوا گلاس رکھا جاتا تھا اس پانی کو پورا استعمال کرتے تھے اسے بے کار ضائع نہیں ہونے دیتے تھے۔

صبر وقناعت کی مثالیں بہت ہیں۔مگر مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے وہ دور جب آپ رضا شاہ پہلوی کی طرف سے جلا وطن کردیے گئے تو اس وقت بڑی حد تک ماحول کو سازگار کرکے اپنے حق میں بنایا جاسکتا تھا، مگر نہیں آپ نے بڑے صبر واستقلال اور اپنے وقف پر مثالی ثبات قدم کے ساتھ جلا وطنی گوارہ کی اور کبھی ترکی اور کبھی عراق اور کبھی پیرس میں زندگی گزارتے رہے۔ جرم بس یہ تھا کہ امام خمینیؒ اور ان کے احباب نے تمام زندگی درس اخلاق اور شہنشاہیت کے برخلاف مذہبی بیداری کی تبلیغ کے لیے وقف کردی تھی۔

جب رضا خاں پہلوی کے زمانے تک آتے آتے ہزاروں سال کی شہنشاہیت نے اپنے کمال کو

پہنچ کر دم توڑ دیا اور ایرانی قوم میں مذہبی بیداری پیدا ہوگئی اور تمام معاشرے کو امریکہ میں تبدیل ہونے کے خلاف ایک چنگاری نے جوالامکھی کا روپ دھار لیا اور حضرت امام خمینیؒ کا ایک طویل وقفہ کے بعد ایران میں داخلہ ہوا تو وہ فروری ۱۹۷۹ء کی ایک صبح تھی، ہر طرف امام خمینیؒ زندہ باد کے نعرے بلند ہورہے تھے اور آپ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرتے ہوئے شکر خدا میں محو تھے۔ اس عظیم الشان کامیابی کے بعد کی زندگی کا بھی جائزہ لیا جائے تو وہ بھی ایک نہایت سادہ اور قناعت پسند انسان کی زندگی نظر آتی ہے۔

شیخ علی اکبر آشتیانی کے جملوں میں:

''تہران میں وہ جس مکان میں رہتے تھے وہ حجت الاسلام جمارانی، ان کے دو بھائیوں نیز ان کے داماد کی ملکیت ہے۔آقائے جمارانی نے امام کی رہائش کے لئے یہ مکان از خود پیش کیا۔لیکن حضرت امام شرعی مسائل کا خاص خیال رکھتے تھے، لہٰذا انہوں نے ایک بار مذکورہ تمام مالکان کو جمع کرکے ان سے پوچھا کہ کیا آپ اس بات کے لئے راضی ہیں کہ میں اس مکان میں قیام کروں ۔ ان لوگوں نے اپنی رضا ظاہر کردی لیکن امام نے اس بات پر اکتفا نہ کی اور عورتوں سے بھی دریافت کیا تو ان لوگوں نے بھی یہ اعلان کیا کہ اس مکان میں امام کی آمد ہماری عزت افزائی کا باعث ہے۔''

کہاں تک بیان کیا جائے۔ اگر امام کے خطبوں اور ارشادات عالیہ کا مطالعہ کیا جائے تو اس سے امام کی انکساری ،شرافت قلبی، اعلیٰ ظرفی اور سادگی وقناعت پسندی پر مشتمل سینکڑوں واقعات ملتے ہیں جو آپ کے کردار کی خوبیوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ حضرت امام کی سادہ نصیحتوں اور راست تقاریر وپیغامات کا ہی نتیجہ ہے کہ آج ان کے انتقال کے برسوں بعد بھی ان کے پیغامات کی گونج اسی طرح سنائی دے رہی ہے۔

آپ کے خطبوں سے جہاں شجاعت اور جواں مردی کا درس ملتا ہے وہیں خدائے وحدہٗ لاشریک کے لئے اظہار تشکر اور احساس قناعت کا درس بھی ملتا ہے۔ آپ کا پیغام امت مسلمہ کو ایک سچے راستے پر گامزن رہنے کی تلقین کرنا اور لاشرقیہ لاغربیہ اور وحدانیت کا درس واجب تھا۔ یہ تھا آپ کا راستہ جس پر آپ نے خود عمل کرکے دکھایا اور پوری ایرانی قوم کو اس کا درس دیا کہ مسلمان بھائی بھائی ہیں اور ہرگز ہرگز عرب کو عجم اور عجم کو عرب پر فوقیت حاصل نہیں ہے۔ آپ اپنے خطبہ

میں اتحاد المسلمین کی دعوت دیتے ہیں۔ آج ہمارے لئے یہ نصیحتیں کتنی اہم اور معنی ہیں جب کہ ہم آج ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں جہاں ہمیں نہ صرف اتحاد بین المسلمین کی ضرورت ہے بلکہ انسان دوستی اور بھائی چارے کے اصولوں کی از حد ضرورت ہے۔ جو امام خمینیؒ کی زندگی کی اساس ہے۔

حضرت امام خمینیؒ نے جب ۳/ جون ۱۹۸۹ء کو دنیائے فانی کو خیر آباد کہا تو گویا انسانیت غم میں ڈوب گئی اور ماحول پر پژمردگی چھاگئی۔ دنیا بھر سے غم زدہ انسانوں نے ان کے جنازے میں شرکت کی اور دنیا نے دیکھا کہ شرافت، سادگی اور قناعت پسندی کے ساتھ زندگی بسر کرنے والا ایک انسان اتنا عظیم بھی ہوسکتا ہے۔ آج جب کہ شیطان نے ہر طرف سے پھر سر اٹھایا ہے اور فضائے عالم کو مکدر کرنے کی مذموم کوشش ہو رہی ہے۔ پھر سے خمینی کے عزم و ارادوں کی ضرورت ہے تا کہ باطل سے لوہا لیا جاسکے اور سچائی کو فتح حاصل ہوسکے۔

جریدہ ''الاسلام'' کا جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء کا شمارہ امام کی زندگی پر یوں رقم طراز ہے:

''حضرت امام خمینیؒ محض ایک مرد زاہد، عارف فلسفی، مجتہد، مفسر، شاعر اور ادیب نہ تھے بلکہ وہ ایک عظیم سیاسی اور سماجی شخصیت کے حامل تھے اور انہوں نے اپنی شخصیت کے ہر شعبے کو اجاگر کرنے والی یادگار تالیفات چھوڑی ہیں جنہیں اہم علمی اور ثقافتی میراث کا درجہ حاصل ہے۔''

اگر امام کی وصیت کا ذکر کردوں تو یہ بات واضح ہوجائے گی کہ آپ نہ صرف ایرانی قوم کی فلاح چاہتے تھے بلکہ آپ فرزندان اسلام کے حق میں دعائیں کی ہیں اور نہایت سادگی سے دنیا کے تمام مظلوموں کے لئے راستہ ہموار کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں آپ کی وصیت کے مقدمہ کے آخری جملے جہاں فرماتے ہیں:

''میری یہ الٰہی وسیاسی وصیت صرف ایران کی عظیم الشان قوم ہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ وصیت تمام اسلامی قوموں اور دنیا کے مظلوموں کے لئے ہے چاہے وہ جس مذہب وملت سے بھی تعلق رکھتے ہوں۔''

خداوند عزوجل سے عاجزانہ دعا کرتا ہوں کہ ایک لحظہ کے لئے بھی ہمیں اور ہماری قوم کو اپنے حال پر (تنہا) نہ چھوڑے اور فرزندان اسلام نیز مجاہدین عزیز کو ایک لحظہ کے لئے بھی اپنی غیبی عنایتوں سے محروم نہ فرمائے۔

امام خمینیؒ فرزند عاشورا

ہم نے تاریخ کے ہر دور میں واقعہ کربلا کو سرمایہ حیات بنایا ہے.................. امام خمینیؒ

مولانا حسن عباس فطرت

ہاں مگر وہ اکیلے نہیں تھے ان جیسے فرزندان عاشورہ کا تسلسل ۶۱ھ سے اب تک قائم ہے۔ مسیّب، مختار، نفس ذکیہ، زید شہی، شہدائے فک، سے یہ کارواں چلتا ہوا حالیہ صدی میں فضل اللہ نوری، حسن مدرس، سید نواب صفوی باقر الصدر وبنت الہدیٰ تک پہنچا ہے البتہ امام خمینیؒ اس سلسلہ الذہب کے حامل ومحافظ، منادی وسرخیل بن گئے یہ قدرت کی دین بھی تھی اور ان کا اپنا سوز دروں وخون جگر کی نمود بھی ۔ انہی کے حصہ میں یہ سعادت آئی کہ باطل کے خلاف کھلم کھلا جہاد کا آغاز عصر عاشورہ (۱۹۶۳ء) کو کیا اور ایسے ہولناک فوجی محاصرہ میں جس کی نظیر تاریخ قم میں نہیں ہے۔ مدرسہ فیضیہ بھی آفاق میں شہرت پا گیا اور خمینیؒ کے عزم وہمت نے بھی طاغوت کے جر گے میں سنسنی پھیلا دی ۔ چنانچہ پچھلے پہر کے سناٹے میں ان کی گرفتاری ہوئی صبح ہوتے ہی ہزاروں حق پرست اس حادثہ کی خبر پا کر سڑک پر نکل پڑے۔ ''یامرگ یا خمینی'' جیسے فلک شگاف نعروں کے وظیفہ خوانوں نے ہنسی خوشی جام شہادت نوش کیا اور اس طرح (۱۵رخردار) یوم اللہ کہلایا۔ وہ مطلعِ آفتاب آزادی جس پر ملک کے کونے کونے میں ہزاروں ستاروں نے (۱۵رخرداد) جان نچھاور کردی۔

اوّل عاشورہ آخر عاشورہ

یہی نہیں بلکہ اس فرزند عاشورہ کے جہاد کا اختتام بھی اسی تاسوعا دعاشورہ پر ہوا انقلابیوں کی فدا کاری وجدو جہد ومظاہروں کی تاریخ میں پورے سال ۷۹ـ ۱۹۷۸ء میں نویں اوردسویں محرم کو جو بے مثال مظاہرہ ایران کے شہروں، راجدھانی وگاؤں گاؤں میں ہوا اس کی گرمی سے طاغوتیوں کا زہر آب ہوگیا اور وہ دھیرے دھیرے اپنے سیاہ چہروں کو ہتھیلیوں سے ڈھانپ کر ایران اسلامی کے افق کو پار کر گئے ۔ امام خمینیؒ نے ستمگروں کو للکارتے ہوئے کہا:

'' تا سوعاوعاشورا کے مظاہرات دراصل شاہ کے خلاف عوام کا ریفرنڈم ہے اب اس کے لئے ایران میں کوئی جگہ نہیں'' اور یہی ہوا ایک مہینہ کے اندر ہی شاہ فرار بھی ہوا اور امام خمینیؒ پندرہ سال کی

جلا وطنی کے بعد ایران واپس لوٹے اور جمہوری اسلامی کی بنیاد رکھ دی گئی ۔

دن گذرتے جارہے ہیں ۔ امام خمینیؒ کی رحلت کو ۲۰ سال پورے ہوچکے ہیں۔ زمانی اعتبار سے ہم انقلاب اسلامی وامام خمینیؒ سے دور ہوتے جارہے ہیں لیکن حالات وکوائف اور انکی پھیلائی ہوئی روشنی ہمیں ان سے نزدیک سے نزدیک تر کررہی ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں صدہا مرتبہ امام حسینؑ کی صدائے استغاثہ یوم عاشورہ ہل من ناصر ینصر نا بلندکی۔

امت کی دادخواہی کے لئے ہر خاص وعام سے مدد کے خواستگار ہوئے فریاد وفغاں کرتے رہے گو یا کہ سب نے ان سنی کردی مگر وہ اپنی ذمہ داری سے دست بردار نہیں ہوئے یا للمسلمین کی پکار سے باز نہ آئے۔ دکھ پر دکھ چوٹ پر چوٹ سہتے رہے مگر دل شکستہ نہ ہوئے بہتّر کی ایک ساتھ قربانی وشہادت کی خبر بھی نہ ان کی کمر ہمت میں لوچ پیدا نہ کرسکی ، نہ ان کے جلال وجمال کی پیشانی پر ہلکی سی شکن دکھائی دی، صرف ایک دہائی کی پر آشوب وآفت مختصر سی مدت کے اندر یزید ویزیدیت کے ہر تارو پود کو بکھیر کر بلکہ پامال کرکے وہ آرام وراحت سے ابدی نیند سوگئے اور کہا: ''میں اطمینان کامل ونشاط قلب کے ساتھ اس دار فانی سے جارہاہوں'' دوسری جگہ فرمایا کہ ''میں اپنے خدا سے عمر مستعار میں کچھ اضافہ اس لئے چاہتا تھا کہ اپنی زندگی میں اسلامی حکومت ونظام کا تحقق دیکھ سکوں سو بحمد اللہ میری تمنا پوری ہوگئی اب مجھے کوئی فکر نہیں ہے ۔مگر کیا آج وہ دوسری دنیا میں اپنے ہم جلسیوں کے ساتھ سکون وچین سے ہوں گے؟ ہرگز نہیں جب ہم ان کو بھلا نہیں پائے تو وہ آرام سے کیسے بیٹھ سکتے ہیں؟ اس کا زندہ ثبوت یہ ہے کہ فرزندان خمینی خواہ کسی قوم وملت کے فرد ہوں دنیا کے کونے کونے میں ان کا پرچم بلند کئے ہوئے شہادت وسرفروشی کو افتخار بنائے ہوئے ہیں خواہ وہ حق پرستی کی منزل ہو یا باطل سے شکست ناپذیر جدو جہد کرتے ہوئے حکومت اسلامی ، اخلاق اسلامی وتہذیب اسلامی کے مطالبہ کی شکل میں یا پھر ننگے، نہتے، بے چارہ بے آسرا ہونے کے باوجود باطل کے ہمالیہ والبرز سے ٹکرانے کی کیفیت میں ہیں۔ چنانچہ امام خمینیؒ زندہ ہیں زندہ رہیں گے اس بیوہ ولاچار وبے بس کے پھٹے ہوئے خیمے میں جہاں اسکے یتیم بدحواس ہوکر نوحہ وماتم بھی بھول گئے ہیں اوران جری ودلیر حزب اللہ کے سیل بے اماں میں بھی جس نے چند دنوں کے اندر ظلم وجبر کے مہارتھیوں کو خاک چٹادی، خمینیؒ زندہ ہیں۔ ان تنگ وتاریک قید خانوں میں جہاں حریت واسلام پسند جیالے انسانیت سوز اذیتوں کو ہنس ہنس کر گوارہ کرکے الیس الصّبح بقریب کا نغمہ الاپ رہے ہیں اور بیاباں منی

وعرفات ،حل وحرم میں بھی جہاں اقطاب عالم کے مہمانان خدا وند بزرگ'' مرگ بر امریکہ ومرگ بر اسرائیل'' کا نعرہ لگارہے ہیں اورکسی بلائے بے درماں کو خاطر میں نہیں لاتے۔

زندہ باوفرزند عاشورہ

ہاں فرزند عاشورہ خمینیؒ ان صدہا مساجدمیں زندہ ہے، جو ستّر اسّی سال بعد نمازیوں کے لئے دوبارہ کھولی گئیں اور اسلامی مما لک کی ان متعدد مسجدوں میں جس پر طاغوتیوں نے تالالگا دیا ہے جہاں نمازیوں کی تلاشی لی جاتی ہے اورمسجد میں خون ناحق بہا کر اس کی بے حرمتی کی جاتی ہے بعض اسلامی مما لک میں بڑی ڈھٹائی سے اس کام کومنظّم طور پر انجام دیا جارہا ہے مگر ظالم اس سے بےخبر ہے کہ تاریخ ان مظالم کو اپنے دامن میں سمیٹتی جارہی ہے۔

اسلام دیگر مذاہب واقوام میں وقتاً فوقتاً کچھ ہستیاں بطور مصلح وریفارمر کے ابھرتی رہی ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ان سب کا میدان محدود تھا، وہ صرف اپنے قریہ، قبیلہ،محل ومقام، برادری وقوم کے لوگوں کی فکر کرتے تھے اور انہی کی اصلاح کی جدو جہد میں انکی زندگی ختم ہوجاتی تھی مگر فرزند عاشورہ حضرت امام خمینیؒ نے نہ صرف کہ ایران کو کفر ونفاق ومنہیات کی گندگی سے پاک وصاف کرکے ایمان وصفائی قلب، درد مندی ومعرفت کے گلاب اگادئے بلکہ وہ ساری دنیائے اسلام میں مسلمانوں کی مظلومیت واسیری اور اسلام کی درگت پرمخرون ومغموم رہے اور ان کی فریادرسی کی فرضیت کو دلوں میں اتار دیا چنانچہ انکی حیات میں ایتھو پیا کی مدد اور وفات کے بعد بوسینا ہرزیگوینا کے مسلمانوں کی مدد میں ایران اسلامی کا جی جان سے لگ جانا اور بے مثال غم خواری، جنوبی لبنان کے ستم زدگان کا سہارابننا ایک روشن چراغ کی طرح فروزاں ہے۔ جسے دوست تو دوست دشمن نے بھی سراہا ہے۔

اس فرزند عاشور وفرزندحسینؑ کی ایک انفرادیت یہ بھی رہی ہے کہ اس کے مخالف ایران اور ساری دنیا میں رہے اور ایک سے ایک بے رحم ، بے غیرت، بے دین، کٹر پنتھی، طاقت ودولت ملک ومال ،طبل وعلم والےمگر وہ سب مل کربھی اپنی ہزارہا کوششوں کے باوجود نہ امام خمینیؒ کے وجود کوضرور پہنچا سکے نہ ان کے پیغام ومشن ہی پر خاک ڈال سکے۔ حجاب اسلامی کی یورپ ومصر میں شدید طلب ترکی میں رفاہ اسلام پارٹی کی فتح، امام کعبہ کا اسرائیل کو سرسخت دشمن اسلام کہنا،سعودی عرب میں راج سنگھاسن کا ڈولنا۔صدر امریکہ کی مسلم عوام کی پذیرائی اور دعوت افطار''بی،بی ،سی پر اسلامی موضوعات

پر مباحثہ اور ڈھیروں مثالیں ہیں جو کہتی ہیں کہ خمینیؒ زندہ ہیں۔ زندہ رہیں گے، زندہ دلوں کے قلوب ہیں۔ حکومت وسلطنت سے اس کا التزام نہیں، جہاں ہمیشہ اتھل پتھل تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے۔

عاشورہ کی معنویت

امام خمینیؒ کے لئے ان کے دشمنوں نے ہزاروں جال بنے ایک جال جو سب سے بڑا تھا اس کا نام ہی صدر دام تھا مگر امام خمینیؒ نے دنیا سے جاتے جاتے دو ایسے اہم وزلزلہ افگن کام کر دئے جس سے ان کے سارے دشمنوں کی گھگھی بندھ گئی ایک تو گر باچوف کے نام ان کا تاریخی خط جومن وعن پیروی سیرت رسول اکرمؐ کا پہلا عملی نمونہ تھا اور شاید آخری بھی۔ اور دوسرا سلمان رشدی کے قتل کا فتویٰ ان دونوں کرشموں نے امام خمینیؒ کی عارفانہ شان کامل کی فراست کا نظارہ دنیا جہاں کو کرادیا چنانچہ آج بھی دشمن اپنے ہونٹ چبارہاہے اور دوست امام پر درود پڑھ رہے ہیں۔ امام خمینیؒ کی نظر برصغیر پرتھی بالخصوص انہیں ہندوستان اور یہاں کی کچلی ہوئی پسماندہ اقوام سے قلبی لگاؤ تھا اور وہ انہیں مستضعفین (کمزور بنادئے گئے لوگ) میں اولیت دیتے تھے شاید یہی وجہ ہے کہ یہاں بھی ان کے چاہنے والے حکومت وعوام دونوں حلقوں میں ہیں سرکار نے ان کی وفات پر تین دن کا سوگ منا کر اپنی گہری عقیدت ومحبت کا ثبوت پیش کیا تھا۔

امام خمینیؒ کو ہم نے فرزند عاشورہ کہا تھا لیکن وہ اپنی بعض خصوصیات میں اپنے پیشروں وہم عصروں سے آگے تھے دراصل آپ ہی نے دنیا کو عاشورہ کی معنویت سمجھائی اور بتایا کہ عاشورہ فقط شیعہ، مسلمان سے متعلق نہیں بلکہ وہ سید الشہداء امام حسینؑ کے خونبار قیام وانقلاب کا دن ہے جس سے الہام حاصل کر کے دنیا کے تمام مظلوم ومقہورعوام استکبار جہانی کی کمرتوڑ سکتے ہیں۔

آپ نے فرمایا:

''یہ خون سید الشہدا ہے جو تمام اسلامی اقوام کے خون کو جوش میں لایا ہے، عاشورہ کے محترم وعزیز ماتمی دستے لوگوں کو، ہیجان میں لاتے اور اسلام ومقاصد اسلامی کے تحفظ کے لئے آمادہ کرتے ہیں۔''شہادت'' عاشور کی کلغی اور اس کے چہرہ کی سرخی ہے۔ (صحیفہ نور)

اسی نے اسلام کو پستی وذلت سے بچایا وسرخرو کیا۔ شہادت کی حسرت اس فرزند عاشورہ کو بھی تھی اس نے بار بار کہا کہ'' کاش مجھے بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ سرخ موت نصیب ہوتی۔ میں بھی جانباز

ان اسلام میں شامل ہوکر تاج شہادت سے سرفراز ہوتا۔ کاش ! میں بھی پاسداران انقلاب اسلامی میں سے ایک ہوتا۔

یوم تجدید بیعت حسین

عاشورہ وکربلا حضرت امام خمینیؒ کی نظر میں جدو جہد حیات وتکامل انسانی کی علامت، حق وانصاف پسندی صداقت وشرافت بشری اور ہر ظلم وجبر کوٹھوکر مارنے کی تحریک ہے۔ اسی لئے انقلاب اسلامی کی کامیابی کے پہلے لہولہان جوانوں کے لب پر آپ کا بخشا ہوا یہ نعرہ بہت مقبول تھا۔

"کل یوم عاشورہ وکل ارض کربلا"

امام خمینیؒ نے والفجر ولیال عشر کی تفسیر وتاویل میں کشتگان فرات وتشنگان نینوا کی خونیں داستان بیان کرکے جوانوں کے دلوں میں حق پرستی وحق پر مرمٹنے کی بجلی بھردی تھی آپ نے ایک موقع پر فرمایا:

''امام حسینؑ نے ہم کو سکھایا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی ستم گر اپنی جابرانہ حکومت مسلّط کرے تو حالات وامکانات کے ناکافی ہونے کے باوجود اس کے مقابل کھڑے ہوجاؤ اور اس کی مخالفت کرو۔ اگر اصول اسلام کو خطرے میں دیکھو تو فدا کاری کرکے اپنے خون کو نچھاور کردو، عاشورہ ،حسینؑ کے دست حق پرست پر بیعت کی تجدید کا دن ہے۔''اسی حقیقت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے امام خمینی نے ارشادفرمایا تھا۔

''ہمیں جو ملا ہے وہ محرم وعاشورہ سے ملا ہے۔''

کسی مختصر مضمون میں حضرت امام خمینیؒ جیسی ہزار پہلو شخصیت کے چند تار بھی ابھارے نہیں جاسکے اس لئے مشہور مصرع۔'' خاموشی درثنائے تو حدثنائے تست'' پڑھ کر قلم کو روک لینا ہی مناسب ہے۔ اس دعا کے ساتھ کہ خدا یا صدقہ میں عاشورہ محرم کے ساری دنیا میں امام خمینیؒ کی نہضت وکرامت کو فروغ ہو، نہضت خمینی کو نہضت مہدیؑ سے ملا وے، مسلمان اپنی پہچان پالے، کمزور خود کو کمزور نہ سمجھے، نہ کسی ظالم سے مرعوب ہو بلکہ اسکی کلائی پکڑلے خواہ اردگرد کے لوگ ساتھ نہ دیں خاموش رہیں۔ مصلحت پسندی سے کام لیں چپ چاپ بیٹھ جانے کا مشورہ دیں مگر وہ سالار کارواں آزادی وشہادت امام حسین علیہ السلام وفرزند عاشورہ امام خمینیؒ کی طرح سب سے منہ پھیر کر بول پڑے۔ وجهت وجهی للّذی فطرت السّموت والارض حنیفا وّما انا من المشرکین۔

بارالہا! عاشور کا شکوہ بلند سے بلند ہوتا رہے اور اس فرزند عاشورہ کے تمام پیروکار خصوصا رہبر مسلمین جہانِ اسلام روز بروز دنیا کو عاشورہ کی حقیقت ومعنویت سے جس طرح مسلسل آگاہ وخبردار کررہے وہ سلسلہ قیام حضرت مہدیؑ تک جاری رہے۔

امام خمینیؒ کے افکار وعقائد کی روشنی میں

وحدت واتحاد

حجت الاسلام سیّد احمد خمینی طاب ثراہ

امام خمینی باطل طاقتوں کے خلاف کی جانے والی اپنی جدوجہد میں بھی لوگوں کو وحدت و اتحاد کی دعوت دیا کرتے تھے چنانچہ پچاس سال قبل انھوں نے اپنے تاریخی اور سب سے پہلے اہم بیان کی ابتداء قرآن مجید کی اس آیۂ کریمہ سے کی تھی: قُلْ اِنَّمَا اَعِظُکُمْ بِوَاحِدَۃٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰہِ مَثْنٰی وَ فُرَادٰی اپنے اس اہم بیان میں انھوں نے امت اسلامیہ کی وحدت کا تفصیلی جائزہ پیش کرتے ہوئے یہ بتایا تھا کہ الٰہی انقلاب کی کامیابی کیلئے امت اسلامیہ کے درمیان وحدت و اتحاد کا عملی وجود لازمی ہے۔

اپنی گرانقدر کتاب ''اسرارالصلوۃ'' میں ''علماء کے معنوی مقامات و مدارج'' کے ذیل میں پہلے تین مراتب کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ چوتھا اصحاب تحقق و باکمل اولیاء کا ہے جو محقق حالت میں اس مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں۔ ''قاب قوسین'' کی کثرت ان کے درمیان سے اُٹھ جاتی ہے جو اپنی ذاتی شناخت کو جماعت کی ذاتی شناخت میں ضم کردیتے ہیں۔ ہمیشہ باقی رہنے والے نور میں گم ہوجاتے ہیں، انفرادیت میں مضمحل اورغیب ہویت میں فنا ہوجاتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اصحابِ صحو بعدالمحو کو غیبِ شہادت سے کوئی حجاب نہیں ہوا کرتا بلکہ خود ان کا وجود حقانی وجود ہوتا ہے اور وہ دنیا کو حقانی وجود کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور مَا رَاَیْتُ شَیْئًا اِلَّا وَ رَاَیْتُ اللّٰہَ قَبْلَہٗ وَ بَعْدَہٗ وَمَعَہٗ یعنی وہ لوگ ہر چیز سے پہلے، اس کے بعد اور اس کے ساتھ جلوۂ خداوندی کا مشاہدہ کرتے ہیں اور تمام ذاتی و اعمالی تجلیات ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہا کرتیں۔

عوام الناس کے استفادہ کے لیے لکھی گئی اپنی گرانقدر کتاب ''شرح چہل حدیث'' میں وحدت کلمہ کے تاریخی و اخلاقی مفہوم و ماہیت کا ذکر کرتے ہوئے امام خمینیؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ الٰہی

شریعتیں اور عظیم الشان انبیائے کرام، عظیم مقاصد کے حامل رہے ہیں۔ ان کی ذات عظیم مقاصد کی تکمیل و ترقی کا باعث اور مدینۂ فاضلہ کی تشکیل میں مدد و معاون رہی ہے لیکن ان کی بعثت کا ایک اہم مقصد توحید کلمہ و توحید عقیدہ، اہم مسائل و معاملات میں اجماع اور اہل ظلم کی ظالمانہ راہ و روش کی روک تھام رہا ہے تا کہ انسانی سماج کو مختلف النوع مفاسد سے محفوظ رکھتے ہوئے مدینۂ فاضلہ کو خرابی و بربادی سے بچایا جاسکے۔ لیکن اجتماعی اور انفرادی اصلاح پر مشتمل اس مقصد عظیم میں کامیابی اسی وقت ممکن ہے جب افراد اور قوموں پر وحدت و اتحاد سایہ فگن ہو۔ ان کے درمیان اُلفت و اخوت، قلبی صداقت اور ظاہری و باطنی پاکیزگی موجود ہو اور معاشرہ کے افراد آپس میں اس طرح متحد ہوجائیں کہ آدم کی اولاد سے بھری ہوئی دُنیائے آدمیت ایک جسدِ واحد کے اعضاء کی حیثیت سے کام کرنے لگے اور ساری کوششوں کو ایک عظیم الٰہی اور عقلی مقصد کی تکمیل کے لیے استعمال کیا جائے جس میں انفرادی اور اجتماعی دونوں مفاد و مصالح محفوظ ہیں۔ اگر کسی ایک گروہ یا جماعت کے درمیان ایسی محبت و اخوت پیدا ہوگئی تو وہ جماعت دوسری تمام جماعتوں پر یقیناً غلبہ و فضیلت حاصل کرلے گی۔ چنانچہ تاریخ کا بغور مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی جنگوں میں مجاہدین اسلام کی عظیم الشان کامیابیوں کا راز ان کے درمیان موجود یہی مثالی وحدت و اتحاد رہا ہے۔ مسلمانوں سے اس بات کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ دوستی، میل جول اور حسن اخلاق، محبت، اخوت اور برادری و بھائی چارگی سے کام لیں اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جن چیزوں سے وحدت و اتحاد کے معنی و مفہوم کی تقویت ہوتی ہے وہ یقیناً مرغوب و پسندیدہ ہیں اور جو چیزیں اس میل جول اور بھائی چارہ کو توڑ کر معاشرہ میں تفرقہ و اختلاف کا باعث ہیں وہ یقیناً صاحبِ شریعت کے غیظ و غضب کا باعث اور اس کے عظیم مقصد کی مخالف ہیں اور کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ معاشرہ میں ان تفرقہ انگیز مفاسد کی ترویج و اشاعت بغض و حسد و کینہ و عداوت کا باعث ہوں گی اور معاشرہ میں فساد کی جڑیں پہلے سے زیادہ مضبوط ہوجائیں گی اور لوگوں کے درمیان نفاق کا بول بالا ہوجائے گا۔ فقط یہی نہیں بلکہ معاشرہ میں وحدت و اتحاد کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا اور آخرکار دین کی بنیادیں متزلزل ہوجائیں گی۔

امام خمینی وحدت کو خداوند عالم کی پہلی اور سب سے بڑی رحمت اور ابتدائی برکتِ الٰہی سے

تعبیر کرتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ رحمت و برکتِ خداوندی کے بغیر وحدت حاصل نہ ہوگی چنانچہ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ ہم لوگوں کو اس بات کی بھرپور کوشش کرتے رہنا چاہیے کہ ہمارے درمیان خداوند عالم کی اس رحمت و نعمت کو دوام حاصل رہے اور اس کوشش کی پہلی منزل یہ ہے کہ ہم لوگ الٰہی ہوجائیں، راہِ خدا میں ہر خدمت کے لیے ہمہ تن آمادہ رہیں اور اپنے آپ کو خداوند عالم کا مطیع و فرمانبردار بنالیں۔ خود کو اس سے وابستہ اور اسی کی بارگاہِ عالیہ میں پلٹ کر جانے والا سمجھتے رہیں۔ اگر ہم لوگ اس ابتدائی منزل پر ثابت قدم رہیں تو دوسرا مرحلہ یعنی مرحلۂ وحدت و اتحاد خودبخود طے ہوجائے گا کیونکہ تفرقہ و اختلاف شیطان کا کام ہے اور وحدت و اتحاد کا تعلق رحمٰن سے ہے۔

امام خمینیؒ اکثر فرمایا کرتے تھے:

''اگر جملہ انبیاء ایک وقت میں ایک جگہ پر جمع ہوجائیں تو ان کے درمیان کوئی جھگڑا اور اختلاف نہ ہوگا کیونکہ وہ لوگ اپنے نفس پر مسلط اور خداوندعالم کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔''

امام خمینیؒ اسلامی معاشرہ میں اس وحدت و اتحاد کے قائل تھے جو مستحکم اور مقدس بنیادوں پر قائم ہو، چنانچہ وہ کہا کرتے تھے:

''قرآن مجید کی تعلیمات پر مبنی اسلامی وحدت کے سایہ میں ہم لوگوں کو باہم متحد رہنا چاہیے۔ یہ کوئی اہم بات نہیں ہے کہ آپ لوگ کسی ایک مسئلہ و معاملہ میں متحد رہئے اور تفرقہ و اختلاف پیدا نہ کیجیئے بلکہ حکم خداوندی یہ ہے کہ سب لوگ 'اعتصام بحبل اللّٰہ' کی پیروی کریں۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد یہ نہیں رہا کہ وہ لوگوں کو کسی ایک کام کے لیے متحد کردیں بلکہ ان کی آمد کا مقصد تمام لوگوں کو راہِ حق میں جمع کرنا اور ثابت قدم بنانا ہے۔''

اگر مجھ سے یہ سوال کریں کہ امام خمینیؒ کی نظر میں دشمنوں پر ملّتِ اسلامیہ کی کامیابی کا راز کیا تھا تو وہی جواب دوں گا جس پر انھوں نے اپنے متعدد بیانات نیز وصیت نامہ میں بڑی تاکید فرمائی ہے۔ یعنی حکم خداوندی وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَلَا تَفَرَّقُوْا۔ اس سلسلے میں وہ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

''جب ہم لوگوں نے اس امر خداوندی پر مکمل اعتماد و وفاداری کے ساتھ عمل کیا تو ہم لوگ پوری طرح متحد ہوگئے۔ اندر، باہر، طالب علم اور دینی درسگاہوں کے طلاب، سب آپس میں متحد ہوگئے۔ سماج کے سبھی طبقے آپس میں متحد ہوگئے۔ اب اس اتحاد کے بعد آپ لوگ مطمئن رہیں کہ آپ کامیاب ہوگئے۔ کامیابی کی کنجی خود ملت کے ہاتھ میں ہے۔ البتہ ملت اسلامیہ کو اس بات کی طرف متوجہ رہنا چاہیے کہ کس چیز نے اسے کامیابی و سربلندی عطا کی اور یہ کوئی اور چیز نہیں بلکہ امّتِ اسلامیہ کے درمیان موجود مثالی وحدت و اتحاد تھا جس نے ہم لوگوں کو عظیم الشان کامیابی عطا کی اور ''اعتصام بحبل اللّٰہ'' کی بدولت ہم سرفراز و سربلند ہوگئے۔''

امام خمینیؒ وحدت و اتحاد کو ہر فرد مسلمان کا شرعی اور مذہبی فریضہ سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ اس سلسلے میں علماء و دانشوروں اور اسلامی علاقوں کے حاکموں کی ذمہ داری دوسروں سے کئی گنا زیادہ ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ ان کے اکثر خصوصی بیانات و اہم پیغامات اسی سلسلے میں صادر ہوتے رہے۔ ان کا اعتقاد و ایمان تھا کہ وحدت کی تشکیل وتقویت کے لیے ہم لوگوں کو لازمی قیمت بھی ادا کرنی چاہیے چنانچہ وہ اس راہ میں بھی پیش قدم تھے لیکن یہ ایک فطری امر ہے کہ اس مختصر مقالے میں وحدت واتحاد کے ہر پہلو پر امامِ امت کے ارشادات کا تجزیہ ممکن نہیں ہے۔

وحدت و اتحاد کے موضوع پر میں نے امام خمینیؒ کے ارشادات و ہدایات پر مشتمل ایک کتابچہ کا مطالعہ کیا تو اجمالی طور پر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ امام خمینیؒ کی نظر میں وحدت و اتحاد ایک انتہائی وسیع موضوع کا نام ہے جو مختلف پہلوؤں کا حامل ہے اور انھوں نے اسلامی انقلاب کی کامیابی سے قبل اور اس کے بعد ان تمام پہلوؤں کی شناخت وترویج کے سلسلے میں بھرپور قدم اُٹھائے ہیں۔ ان کی دعوت اتحاد کا دائرہ فقط ایرانی قوم تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ وہ اکثر وبیشتر ساری دنیا کے کمزور و پسماندہ لوگوں کو ظالموں اور استکباری جماعتوں کے خلاف متحد ہونے کی دعوت دیتے رہے۔ فقط اتنا ہی نہیں بلکہ انھوں نے شرک و الحاد کے خلاف، ادیانِ الٰہی کی پیروی کرنے والوں کے درمیان وحدت و اتحاد پر زور دیا اور اسلامی دنیا پر حملہ آور اسلام دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے امت اسلامیہ کے درمیان اتحاد کو ان کی حفاظت کا اہم وسیلہ بتاتے رہے اور مذہب اسلام کی مختلف شاخوں مثلاً شیعہ و

سنّی بھائیوں کے درمیان وحدت و اتحاد کو دنیائے اسلام کی سربلندی کا ذریعہ قرار دیا اور اصول و اقدار کی حفاظت کے دائرہ میں قوموں اور حکمراں جماعتوں کے درمیان وحدت و اتحاد کی بھی حمایت کی۔

ملک کی جغرافیائی سرحدوں کے اندر قومی اتحاد کے سلسلے میں امام خمینیؒ معاشرہ کے تمام طبقوں، جماعتوں اور گروہوں کے درمیان مستحکم وحدت و اتحاد کو کامیابی کی راہ میں پہلا قدم مانتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ اپنے خطبوں اور بیانوں میں دینی درسگاہوں اور یونیورسٹیوں سے وابستہ لوگوں کے درمیان وحدت و اتحاد کو معاشرہ کے دیگر طبقوں کے درمیان اتحاد کا وسیلہ مانتے تھے۔ علمائے دین اور یونیورسٹیوں سے وابستہ افراد کے درمیان وحدت کے ساتھ ہی ساتھ وہ علماء اور عوام، افرادِ فہم و دانش اور عوام، انتظامی وفوجی جماعت اور عوام، حکومت اور پارلیمنٹ، عدلیہ و انتظامیہ اور نفاذیہ اداروں کے درمیان، بحری، زمینی اور ہوائی افواج کے درمیان اور مختلف النوع قومی تنظیموں کے درمیان وحدت و اتحاد پر بہت زور دیا کرتے تھے اور نسلی، قومی اور جغرافیائی امتیازات کے سخت مخالف تھے۔ اس کے علاوہ امام خمینیؒ اپنی گرانقدر تصانیف میں، بیرونی اور اندرونی طاقتوں کے درمیان، سماج کے مختلف طبقوں کے درمیان اور ملک کی جملہ سیاسی، سماجی اور ثقافتی تنظیموں کے درمیان وحدت و اتحاد کے لئے کوشاں رہا کرتے تھے۔ چنانچہ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جاچکا ہے کہ مغرب ومشرق کی عظیم طاقتوں کے شرمناک ہتھکنڈوں کے مقابلے میں انقلابِ اسلامی ایران کی کامیابی کا اہم راز ہی یہ تھا کہ ایران کا بچہ بچہ امام خمینیؒ کے حکم کا پیرو بنا ہوا تھا۔

جس طرح امام خمینیؒ نے وحدت و اتحاد کی اہمیت وضرورت پر زور دیا ہے، اسی طرح رہبر انقلاب نے وحدت کے لوازم کی نشاندہی کی ہے کیونکہ وہ اس حقیقت سے پوری طرح باخبر تھے کہ مناسب و سازگار ماحول کے بغیر وحدت و اتحاد کی تشکیل ایک امرمحال ہے اور اگر اتحاد قائم ہوگیا تو وہ مستحکم نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ وحدت و اتحاد کے عقیدتی اصولوں کا ذکر کرنے کے بعد، تشکیل وتحکیم وحدت کیلئے امام خمینیؒ نے جن بنیادی اسباب وعوامل اور لازمی عناصر کی طرف تفصیلی اشارہ کیا ہے، ان کا اجمالی تجزیہ حاضر خدمت ہے:

۱۔ غیرمعمولی حد تک خودسازی کا اہتمام اور ذاتی وسماجی زندگی میں معنوی قدروں اور اعلیٰ

اخلاقی معیاروں کی پیروی۔

۲۔ سلیقوں کے درمیان اختلاف کا تحمل، آزادئ فکر کا دفاع اور ایسی ثقافتی و سیاسی تشکیلات کی حمایت جس پر امت اسلامیہ کے درمیان اتفاق پایا جاتا ہے۔

۳۔ ناقابلِ حل سیاسی و سماجی مسائل و مشکلات کو حل کرنے میں وحدت و اتحاد کے معجزہ آفریں کردار کے سلسلے میں گہرا اعتقاد و مکمل اعتماد۔

۴۔ طرفین کے درمیان وحدت و اتحاد کے سلسلے میں رخنہ اندازی اور غلط فہمی پیدا کرنے والوں کے سلسلے میں پوری توجہ اور ہوشیاری سے کام لینا اور عوام کو بھی ان تفرقہ انگیز عناصر کی کرتوتوں سے باخبر رکھنا۔

۵۔ وحدت و اتحاد کا بھرپور احترام کرتے ہوئے اصولی مواقف اور منطقی اقدار و معتقدات کا تحفظ۔

۶۔ دینی درسگاہوں اور یونیورسٹیوں کے نظام اور طریقۂ تحقیق کے درمیان موجود بنیادی اختلافات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے معاشرہ کے بنیادی مسائل کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے مشترکہ زبان کا انتخاب اور اختلافات سے پرہیز۔

۷۔ مشترک پہلوؤں کی زیادہ سے زیادہ تلاش اور بنیادی باتوں میں نظریاتی اختلافات کو کم کرنے کی بھرپور کوشش۔ اس کام کے لئے فقط علمی مناظر و مباحثہ کی تشکیل اور عوام الناس کو ان علمی اور ثقافتی اختلافات سے دور رکھنا نیز ان مسائل کو حل کرنے کے لیے فقط علمی اجتماعات اور مناسب و پسندیدہ عقلی راہ و روش کا استعمال کرنا۔

۸۔ توحیدی اور وحدت آمیز ثقافت کا اسلامی معاشروں میں احیاء اور مذہب اسلام کے مختلف عبادی، سیاسی اور سماجی احکام میں وحدت و اتحاد کے مظاہر اور نمونوں کی طرف ملّتِ اسلامیہ کو متوجہ کرنا مثلاً نمازِ جمعہ و جماعت اور حج جیسی عظیم اسلامی کانگریس کے فلسفہ پر محققانہ غور وفکر، مسلمانوں کو باہمی تعاون کی طرف راغب کرنا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو تمام مسلمانوں کا ذاتی فریضہ قرار دیتے رہنا۔

۹۔ امت اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کو اسلام کے درمیان ماضی سے مطلع رکھتے ہوئے موجودہ صدی میں مسلمانوں کے زوال کے اسباب سے بھی بخوبی آ گاہ رکھنا۔

۱۰۔ اکثر اسلامی معاشروں پر مسلط مغربیت کی تردید اور خوداعتمادی کی ترویج و اشاعت کو بنیادقرار دیتے ہوئے دنیائے اسلام کی ثقافتی تحریک کو وسعت و عالمی مقبولیت کے لیے لازمی جدوجہد کو جاری رکھنا۔

۱۱۔ حقیقی دشمنوں کی شناخت اور دشمن تراشی سے اجتناب و پرہیز۔

۱۲۔ وحدت و اتحاد کے دشمنوں کے خلاف یقینی کامیابی کیلئے جہاد و شہادت پسندی پر مشتمل ثقافت کی تبلیغ وترویج۔

۱۳۔ ایسی خرافات پرستی اور تفرقہ انگیزی کی مکمل روک تھام جو ناواقف اور خودغرض عناصر کے ذریعہ دینی اور مذہبی رسومات کا جزو بن گئی ہیں اور لمبی مدت گزر جانے کی وجہ سے مسلمان قوموں اور قبیلوں کی روایتی ثقافت کا بنیادی رنگ و روپ اختیار کرچکی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کے درمیان موجود اندھے تعصب کو کم کرنے کی بھرپور کوشش۔

۱۴۔ وحدت و اتحاد کے منادیوں کے قول وعمل کے درمیان یکسانیت نیز وحدت کو اپنا نصب العین قرار دینے والی حکومت سے وابستہ افراد و حکام کے قول وفعل میں بھی یکسانیت کو برقرار رکھنا۔

اس یکسانیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر سماج کے قائد ومصلح کی جانب سے سکوت اختیار کرنے یا وحدت وحمایت برقرار رکھنے کا حکم دیا جائے تو معاشرہ کے تمام لوگ اس حکم کی پیروی کو اپنی مصلحت سمجھیں، چاہے اس حکم سے ان کی روایتی رسوم اور ان کے آداب و اخلاق کی خلاف ورزی ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ ہم لوگ اس یکسانیت کا امام خمینیؒ کی تحریک کے اُتار چڑھاؤ کے درمیان سینکڑوں بار مشاہدہ کر چکے ہیں۔

حضرت امام خمینی نے مسلمانوں کے درمیان وحدت و اتحاد کو مستحکم بنانے کیلئے فلسطینی مظلوموں کے حقوق کی بھرپور حمایت کی کیونکہ اسلامی علاقوں میں امریکہ اورصیہونی حکومت کی وسعت پسندی کے خلاف مسلمانوں کا ایک مرکز اتحاد پر جمع ہونا لازمی ہے۔ اس کے علاوہ رسول اکرمؐ کی شان

میں بے ادبی و گستاخی پر مشتمل کتاب ''شیطانی آیات'' جیسی اسلام دشمن سازش کے خلاف اپنے مستحکم موقف سے پیغمبر اسلامؐ کے سلسلے میں مسلمانوں کے مقدس عشق کو پوری طرح نمایاں کردیا اور اس واقعہ کو امت اسلامیۂ عالم کے درمیان اتحاد کا باعث بنا دیا اور پوری دنیائے اسلام میں بیداری کی لہر دوڑ گئی۔

جی ہاں! اسلامی انقلاب اور اس کی نعمتوں اور برکتوں نے ہم لوگوں پر حجت تمام کردی ہے۔ امام خمینیؒ کی کامیابیاں اور اس کی عالمی اسلامی تحریک قرآن کریم کی اس آیۂ شریفہ کی مصداق ہے: كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰه۔ حضرت امام خمینیؒ نے متعدد بار انتہائی سخت و مایوس کن حالات میں ہم لوگوں کو جدوجہد کرنا سکھایا اور بار بار ہم لوگوں کو اس بات کی طرف متوجہ کرتے رہے کہ حق و باطل کے درمیان مقابلہ کے دوران ظاہری مادّی اسباب و وسائل کی کمی فیصلہ کن ثابت نہیں ہوا کرتی ہے بلکہ اس مقابلہ وصف آرائی میں جس چیز کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے وہ آگاہی و بیداری، اخلاص اور فریضہ کو پورا کرنے کا حوصلہ ہے۔ لہٰذا اگر آج اسلامی معاشروں کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہوگیا ہے کہ ان کے مسائل و مصائب کا علاج اور موجودہ پسماندگی و بے سروسامانی سے نجات کا واحد راستہ یہ ہے کہ ہم اپنی حقیقی اسلامی شناخت کو دوبارہ حاصل کرتے ہوئے امت واحدہ کی تشکیل میں ہمہ تن سرگرم ہوجائیں تو پھر اس مقصد کی تکمیل کے سلسلے میں ہم لوگوں کو ایک لمحہ کے لیے بھی خوفزدہ و مایوس نہ ہونا چاہیے۔

آیئے! ہم لوگ اس مقدس جہاد میں پیش قدم ہوجائیں۔ یہ بڑے شرم کی بات ہے کہ پیغمبرِ وحدت و رحمت کے ماننے والوں کی اتنی بڑی تعداد ہر ممکن اسباب و وسائل سے مالامال اور غیر معمولی جغرافیائی حیثیت کی حامل ہوتے ہوئے بھی تفرقہ و اختلاف کی آگ میں جلتی رہے اور دین خدا و انسانیت کے دشمن امت اسلامیہ کی پراگندگی کا مذاق اُڑاتے رہیں اور اس امت کے سامنے فخر و مباہات کا مظاہرہ کریں جو صدیوں تک حقیقی انسانی تہذیب و تمدن کی علمبردار رہی اور آج جس کے سرمایہ کو یہ سامراجی طاقتیں دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہی ہیں۔

آج خداوند عالَم کی مقدس و گرانقدر کتاب ایک حرف کی کمی یا زیادتی کے بغیر، اسلامی فرقوں کے درمیان موجود ہے اور سنت و آئین پیغمبر اکرمؐ کو ہم لوگوں کے جملہ اعمال کے لیے مشعل

ہدایت کا درجہ حاصل ہے۔ ایک قبلہ، ایک کلمہ و نعرہ، ایک نماز و مناسک حج اور سینکڑوں دوسرے اسلامی شعار پر تمام اسلامی مذاہب کا یکساں اعتقاد و ایمان ہے اور امت اسلامیہ کے درمیان موجود یہ مثالی یکسانیت امت واحدہ کی تشکیل میں نہایت مددومعاون ثابت ہوسکتی ہیں۔ امت اسلامیہ کے درمیان وحدت و اتحاد کے فقدان کے سلسلے میں عوام کا کوئی قصور نہیں ہے بلکہ یہ اسلامی علاقوں کے حکمرانوں، عالموں اور دانشوروں کا فریضہ ہے کہ وہ ایسے حالات میں اپنی ذمہ داری کو بخوبی انجام دیں۔

میں ان اسلامی حکومتوں کے سربراہوں کے سامنے، جو پڑوسی اسلامی حکومتوں کے ساتھ اخوت و برادری کا معاہدہ کرنے کے بجائے اسلام اور مسلمانوں سے عداوت رکھنے والی حکومتوں کے ساتھ معاہدۂ صلح سے امید لگائے ہوئے ہیں، ببانگ دہل یہ اعلان کرتا ہوں کہ آپ لوگوں کا اندازہ غلط ہے اور آپ بہت بڑی غلطی کر رہے ہیں کیونکہ آزمائے ہوئے کو باربار آزمانا عقلمندی کی علامت نہیں ہے اور تلخ تجربات کی تکرار ہرگز مفید نہیں ہوا کرتی ہے۔

امریکہ اور اسرائیل، اسلام اور امت اسلامیہ کی مکمل نابودی اور تمام اسلامی علاقوں پرمکمل غلبہ وتسلط کے بغیر راضی ہونے والے نہیں ہیں۔ لہٰذا آیئے ان عنکبوتی اور پھُس پھُسے معاہدوں سے، جن کا بنیادی مقصد امریکی و اسرائیلی مفاد و مصالح کی حفاظت ہے، دل لگانے کے بجائے مستحکم اسلامی اخوت و برادری کے معاہدہ کو عملی شکل دینے کی کوشش کریں اور امت واحدہ کی یاد کو دوبارہ تازہ کردیں۔

وہ حکومتیں، جماعتیں اور افراد و اشخاص جو کتاب و مقالہ وفلم کی تبلیغ و اشاعت کے ذریعہ مسلمانوں کے درمیان تفرقہ و اختلاف کی آگ بھڑکانے میں ہمہ تن سرگرم ہیں اور دیگر اسلامی فرقوں کی پیروی کرنے والوں کے خلاف کفر کا فتویٰ جاری کرنے میں فخر محسوس کر رہے ہیں اور یہ محسوس کرتے ہیں کہ اپنے اس عمل سے وہ اپنی موجودیت اور اپنے مفاد و مصالح کا دفاع کر رہے ہیں، وہ درحقیقت بہت بڑی بھول کا شکار ہیں کیونکہ دشمن ان میں سے کسی پر بھی رحم نہ کرے گا اور اس معرکہ میں وہی لوگ فائدہ میں رہیں گے جو عالم اسلام کے درمیان وحدت و اتحاد کی تشکیل کے ذریعہ اسلام دشمن طاقتوں اور جماعتوں کی وسعت پسندی کی روک تھام کرنا چاہتے ہیں۔

میں امام خمینی کی تاسی و پیروی کرتے ہوئے یہ اعلان کرتا ہوں کہ ایرانی عوام اور اسلامی

جمہوری نظام کے تمام مسئولین ان سبھی مسلمان عوام اور اقوام، حکومتوں کے ساتھ معاہدۂ اخوت و برادری کے لئے اپنا ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں جو امت اسلامیہ کے مفاد و مصالح پر دشمنان دین خدا کے مفاد کو ترجیح نہیں دیتی ہیں۔ اسلامی جمہوریہ ایران کی حکومت اور امت اسلامیہ ایران وحدت و اتحادِ اسلامی کی راہ میں پیش قدمی کے لیے لازمی قیمت ادا کرنے کے لئے ہمہ تن آمادہ ہے۔

آخر کلام میں، میں ایک بار پھر خود اپنے آپ کو، آپ لوگوں کو اور مخلص و دلسوز مسلمانوں کو دنیائے اسلام کی خطرناک صورتِ حال سے آگاہ کرتے ہوئے اس نجات بخش الٰہی پیغام کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں جس کی تعمیل و پیروی ہمارا مذہبی فریضہ اور ہماری نجات کا باعث ہے۔

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعاً وَّلَا تَفَرَّقُوا ...... فانقذکم منها۔

والسّلام علیکم ورحمة اللّٰہ وبرکاته

سیّد احمد خمینی

بیرونی ممالک کے مہمانوں سے ایک انٹرویو
اسلامی انقلاب اور امام خمینیؒ کے اثرات

برسوں سے مسلمان اپنی حقیقی شناخت سے ناواقف وبیگانہ تھے اور امریکہ کی قیادت میں عالمی سامراج عظیم اسلامی قدروں کے خلاف اپنی تبلیغاتی جنگ کے دوران یہ کوشش کررہا تھا کہ عالمی اسلامی معاشرہ اپنے مذہبی اہداف ومعارف سے بیگانہ ہوکر دشمنان اسلام کی سامراجی ثقافت کے سامنے سرتسلیم خم کردے۔ اسلامی انقلاب کی کامیابی سے قبل یہ سازش بڑی تیز رفتاری سے ترقی کی منزلیں طے کررہی تھی لیکن اچانک سرزمین ایران میں رونما ہونے والے اسلامی انقلاب نے عصر حاضر میں عظیم تبدیلیاں پیدا کردیں اور دشمنان اسلام کا خواب ادھورہ ہی رہ گیا۔

چنانچہ مذکورہ بالا عنوان کے تحت الجزائر یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر محمد ہشام سلطان اور مغربی جرمنی میں مقیم ترکی کے نامور دانشور ڈاکٹر ملاحسن خیری قلیچ کے حالیہ پریس انٹرویو کا اجمالی خاکہ حاضر خدمت ہے۔

بین الاقوامی سطح پر کام کرنے والی اسلامی تحریکوں پر اسلامی انقلاب کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر سلطان نے کہا: اس میں کوئی شک نہیں کہ آج اسلامی ممالک کے عوام اسلام کی طرف زیادہ سے زیادہ مائل ہورہے ہیں۔ جب سے سامراجی طاقتوں نے ، اسلامی ممالک پرا پنا فوجی، سیاسی، اقتصادی اورتبلیغاتی حملہ شروع کیا اورمسلمانوں کی اعلانیہ بےحرمتی کا بازار گرم کیا تب سے آج تک مسلمانوں کی بے شمارتحریکوں نے اس ہلاکت سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن یکے بعد دیگرے یہ تحریکیں شکست وناکامی سے دوچار ہوتی رہیں، اشتراکیت اور سرمایہ داری کا نظریہ بھی انہیں اس مخمصہ سے نجات نہ دلا سکے، اس دوران مسلمان اعتمادِنفس کی دولت سے بھی محروم ہوچکے تھے اور آزادی طلب تحریکیں ان مسلمانوں کے استقلال واعتمادنفس کو بحال کرنے میں پوری طرح ناکام ہوچکی تھیں۔ یہی وہ موقع تھا کہ مسلمان عوام اسلام کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں یہ یقین ہوگیا کہ ان کی نجات کا واحدراستہ اسلام ہے۔ پس انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے بعد اسلامی تحریکوں میں مسلمانوں کو غیرمعمولی دلچسپی ہوئی۔

اس جگہ یہ عرض کردینا لازمی ہے کہ انسان گوناگوں احتیاجات کا حامل ہے اور اسلام میں ان

ضرورتوں کو پورا کرنے کی مکمل صلاحیت موجود ہے۔ اور جب اسلام اتنی اہمیت رکھتا ہے تو امت اسلامیہ کو چاہئے کہ وہ اپنی جملہ زراعتی، صنعتی اور طبی ضروریات کو اسلامی علوم کی روشنی میں پورا کرے اس مقصد میں کامیابی کے لئے بڑی بڑی یونی ورسٹیوں کی تشکیل ہونی چاہئے اور انہیں ایسے اساتذہ کو مقرر کرنا چاہئے جو علوم حاضرہ پر مکمل مہارت دسترس کے ساتھ عقیدتی اور عرفانی شعبوں میں بخوبی ماہر وواقف ہوں۔

اپنی گفتگو کے دوران مختلف اہم موضوعات پر امام خمینیؒ کے افکار وارشادات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر سلطان نے کہا کہ امام خمینی کی راہ ایک سچی راہ ہے اور اس کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ مغرب امام خمینیؒ اور ان کے افکار کا مخالف ہے اور یہ مخالفت ہی ان کی صداقت کی دلیل ہے۔ آج مغربی ممالک اس بات سے بے حد خوفزدہ ہیں کہ امام خمینیؒ کے خیالات ساری دنیا میں پھیلتے جارہے ہیں۔ آج مغربی ممالک کی سب سے بڑی کوشش یہ ہے کہ وہ اسلامی حقائق کو مشکوک اور ناقابل عمل بنا کر پیش کریں لہٰذا مسلمانوں کو اہم ترین واجب کام یہ ہے کہ وہ دنیا کے ہر گوشے میں حقیقی اسلام کو پہچانیں اور اس کی بھرپور حفاظت بھی کریں۔

چونکہ ڈاکٹر سلطان فلسطینی ہیں لہٰذا ان سے مقبوضہ فلسطینی علاقوں میں اسلامی تحریکات اور سرگرمیوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے انتہائی پر جوش انداز میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ اگر دنیا اسرائیل کی طرفدار نہ ہوتی تو اسرائیل مسلمانوں سے جنگ ہرگز نہیں کرسکتا تھا پس اگر دنیا کے تمام عرب اور اسلامی ممالک باہم متحد ہو جائیں تو اسرائیل کی نابودی یقینی ہے۔ لہٰذا ہم لوگوں کو قرآن مجید کی آیہ کریمہ ''واعدّوا لھم ماستطعتم من قوّۃ'' کی روشنی میں خود کو مسلح اور طاقتور بنانا چاہئے۔

اپنی اس گفتگو کے آخر میں انہوں نے اشتراکیت کے زوال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ کیونزم کی شکست ایک فطری امر ہے کیونکہ کمیونزم انسان کو ایک مشینی وسیلہ میں تبدیل کرنا چاہتا ہے جبکہ انسان کی فطرت کچھ اور ہے اور خداوند عالم نے اسے آزاد خلق کیا ہے اور کمیونزم انسان سے اس کے اختیارات کو سلب کرلیتا ہے بالخصوص فکری اعتبار سے اس کے پاس کوئی اختیار نہیں رہ جاتا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ رومانیہ کے عوام عیسائیت کی طرف مائل ہو چکے ہیں جبکہ مسیحیت انسان کو ایک کامل مخلوق کا درجہ نہیں دیتی ہے۔

یہ واقعہ اس بت کی دلیل ہے کہ انسان فطرتاً دین ومذہب کا محتاج ہے اور اگر خود کمیونسٹ وسوشلسٹ اور سرمایہ دار طبقے کے لوگ اسلام کا بغور مطالعہ کریں تو انہیں اس حقیقت کا اندازہ ہوجائے گا کہ خود ان کی نجات کا راستہ اسلام ہے۔لیکن مغرب یہ کوشش کررہاہے کہ امریکہ کی سرپرستی میں کام کرنے والی تحریکوں اور تنظیموں کو خالص اسلامی تحریک کی حیثیت سے عالم اسلام کے سامنے پیش کردے اور دوسری طرف اسرائیل کو پوری طرح مسلح کرکے انہیں اسلام کے مقابلے کے لئے آمادہ کررہاہے۔ البتہ اسرائیل میں یہودی عوام حکومت کی اسلام دشمن سیاست سے عذاب میں مبتلا ہیں جبکہ اسلامی حکومت میں یہودیوں کو اپنے حقوق ومطالبات تک پہنچنے میں بڑی سہولت ہے۔

ایک مسلمان کی حیثیت سے میرا نظریہ یہ ہے کہ اسلام یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے بھی ایک رحمت ہے یہ تو انہوں نے خود ہی معرکہ آرائی کا بازار گرم کر رکھا ہے اور آخر کار انہیں ہی نقصان کا منہ دیکھنا پڑتا ہے کیونکہ بین الاقوامی تعلقات میں آپسی ٹکراؤ کی صورت میں انہیں مسلمانوں کے غیض وغضب کا سامنا کرنا پڑے گا اور ہم اس ٹکراؤ کے دوران مناسب جواب بہرحال دیں گے اور دشمن کی نابودی کے لئے بھرپور کوشش کریں گے۔

ملاحسن خیری قلیچ سے گفتگو

مغربی جرمنی میں مقیم الجزائری دانشور ڈاکٹر ملاحسن خیری قلیچ نے بین الاقوامی سطح پر اسلامی تحریک میں اضافہ اور دنیا میں امام خمینیؒ کے خیالات کی تبلیغ واشاعت کے سلسلے میں اظہار خیال کرتے ہوئے بتایا کہ درحقیقت مسلمانوں کے درمیان آگاہی وبیداری کے فروغ میں امام خمینیؒ کے خیالات نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اپنوں نے کہا کہ امام خمینی نے ہمارے دور میں ایک نئی تحریک کی ابتداء کے ذریعے مسلمانوں کو اپنے دشمن سے ٹکرانے کا سلیقہ سکھا دیا۔

اسلامی انقلاب کی کامیابی سے قبل دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ایک ارب سے کم نہ تھی لیکن لوگ اسلام محمدیؐ سے پوری طرح واقف نہ تھے مگر اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد امام خمینی نے دنیا والوں کے سامنے اسلام محمدؐی کا مکمل تعارف پیش کردیا۔ واضح رہے کہ اس انقلاب کی کامیابی سے پہلے سامراجی طاقتیں ہمارے دین ومذہب پر بھی غالب تھیں لیکن امام خمینیؒ نے ہم لوگوں کو دشمن کی شناخت کا سلیقہ سکھا دیا اور ان کی ہدایت کی روشنی میں ہم لوگوں نے دوست ودشمن کو اچھی طرح پہچان

لیا۔ درحقیقت اسلامی انقلاب کے دوران امام خمینیؒ نے فقط ملت ایران ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں اور کمزور پسماندہ لوگوں کی رہنمائی کی اور انہیں اسلام دشمن سامراجی طاقتوں کے خلاف پوری طرح نڈر بنا دیا چنانچہ آج چاہے وہ مشرقی یورپ ہو یا روس ہر جگہ سامراجی طاقتوں کا مقابلہ کرنے والی تنظیمیں ہمہ تن سرگرم عمل ہیں اور اپنی سرگرمیوں کے دوران وہ ایرانی عوام کی مجاہدانہ راہ وروش کا اتباع کررہی ہیں۔ اور ہمیں امید ہے کہ ایران میں جنم لینے والی یہ انقلابی تحریک دنیا کے تمام مظلوم وپسماندہ ممالک کی نجات کا باعث ہوگی۔

اس جگہ اسلامی انقلاب اور امام خمینیؒ کی دوسری اہم خدمت کی طرف اشارہ کرنا لازمی ہے اور وہ خدمت امت اسلامیہ عالم کے درمیان اتحاد پیدا کرنے میں امام خمینیؒ کا ناقابل فراموش کردار ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس سے قبل سنی وشیعہ مسلمانوں کے درمیان بیشمار اختلافات تھے لیکن امام خمینیؒ کے توحید آمیز پیغامات کی وجہ سے آہستہ آہستہ یہ اختلافات ختم ہوتے چلے گئے اور دنیا کے جس علاقے میں مسلمانوں کو ان کا مخلصانہ پیغام ملا وہ باہم متحد ہوگئے اور امید کی جاسکتی ہے کہ امام خمینی کے پیغامات مستقبل میں ایک متحدہ امت اسلامیہ عالم کی تشکیل میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

انہوں نے ایران کی اسلامی جمہوری حکومت کی موجودگی کو باعث فخر قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس فخر کی سب سے بڑی وجہ مسئلہ سلمان رُشدی پر مشتمل اسلام دشمن سازش کے مقابلے میں اسلامی جمہوریہ ایران کا شجاعانہ موقف ہے۔ اگرچہ ایران اس زمانہ میں انتہائی حساس حالات سے دوچار تھا لیکن امام خمینی نے ملکی اور قومی مفاد ومصالح پر اسلامی مفاد ومصالح کو ترجیح دی اور انہوں نے اپنا تاریخ ساز فتویٰ صادر کرکے تمام مسلمانوں کی خوشی کا سامان فراہم کردیا پس ہمیں یہ اعتراف کرنا چاہئے کہ ان کا یہ فتویٰ ایک نعمت ورحمت الٰہی تھا۔

چونکہ ڈاکٹر ملا حسن خیری سردست مغربی جرمنی میں مقیم ہیں لہٰذا ہم لوگوں نے ان سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ اہل یورپ، اسلام اور مسلمانوں کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ ڈاکٹر خیری نے بتایا کہ درحقیقت اشتراکیت کے زوال کے بعد اور سرمایہ دارانہ نظام کا غیر معمولی بحران سے الجھاؤ ہونے کے بعد یورپ کے سیاسی اور اقتصادی منصوبہ گروں کے سامنے یہ سوال پیدا ہو چکا ہے کہ مغربی اور مشرقی مکتب فکر کے ذریعہ لوگوں کی فطری ضرورتوں کو پورا نہیں کیا جاسکتا ہے لہٰذا مستقبل میں اسلام ان دونوں مکاتب فکر کی جانشینی اختیار کرسکتا ہے اور اسی ڈر کی وجہ سے ان لوگوں نے اسلام اور

مسلمانوں سے عداوت کو اپنا نصب العین بنا رکھا ہے۔ آج یورپ میں ایسے مسلمانوں کی تعداد میں قدرے اضافہ ہورہا ہے جو تحقیق ومطالعہ دقیق کے بعد اسلام کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسے لوگوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے، جو مسلمان ہوگئے ہیں لیکن اپنے عقائد کے اعلان کرنے کے لئے ماحول کو سازگار نہیں پاتے ہیں۔

بہر حال یورپ کے تمام ماہرین سیاست اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ نہ صرف یہ کہ مغربی اور مشرقی مکاتب فکر انسان کی فطری ضرورتوں کو پورا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ دنیا میں موجود دیگر ادیان و مذاہب میں بھی اسلام سے مقابلے کی صلاحیت نہیں ہے۔

امام خمینی کی شخصیت

عالمی علماء ودانشوروں کی نظر میں

۞حضرت امام خمینی کی وفات ایک یادگار زندگی کا اختتام ہے، ان کی شخصیت، معنوی طاقت، سوجھ بوجھ اور انقلابی قیادت جاودانی حیثیت، سے تاریخ کے صفحات میں ثبت ہوچکی ہے اور ہمیشہ باقی رہے گی۔ (صدر جمہوریہ پاکستان)

۞ایسے افراد دنیا میں پیدا ہوئے ہیں جو مذہبی علوم میں یدطولیٰ رکھتے تھے مگر سیاست سے دور، اور ایسے افراد بھی ہوئے ہیں جو سیاست میں اونچا مقام رکھتے تھے مگر مذہب میں کم، لیکن دنیا میں صرف امام خمینیؒ کی ایک ایسی ذات تھی کہ جنہوں نے مذہب وسیاست کو ایک جگہ جمع کرکے بتادیا کہ مذہب وسیاست کو الگ سمجھنا غلط ہے۔(حجت الاسلام سید سیدعلی تقوی، امام جمعہ الجماعت شیعہ جامع مسجد دہلی)

۞امام خمینی فقط ایک قوم کے قائد ورہبر نہ تھے بلکہ ایک ایسی امت کے امام تھے جس نے ساری دنیا میں اسلام کی سربلندی کی ذمہ داری قبول کی تھی۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی خدا کی راہ میں صرف کردی۔ وہ ایک عادل وشجاع فقیہ اور ایسے دانشمند تھے جو خدا کے علاوہ کسی چیز کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور امت اسلامیہ عالم کو اپنا مخاطب خیال کرتے تھے۔

۞امام خمینی اسلام کی ایسی عظیم شخصیتوں میں سے ایک تھے جس کی مثال ملنا دشوار ہے۔

(علامہ فضل اللہ، لبنان)

۞وہ ایک مومن ومجتہد اور تاریخ ساز انسان اور موجودہ صدی کے معمار تھے۔ وہ ایسے مرد مجاہد تھے کہ ان کی مثال اس صدی میں نہیں ملتی ہے اور انہوں نے دنیا میں ایسا ذخیرہ چھوڑا ہے جس کا چرچا لوگوں کی زبان پر سیکڑوں سال تک باقی رہے گا۔ (امام سید عبداللہ بخاری، ہند)

۞ایران کے اسلامی انقلاب نے انسانی ارتقاء ومعاشرے کا جدید نمونہ پیش کیا ہے کہ کیونکہ یہ قوی مزاج کے عین مطابق ہے۔ اور اسی وجہ سے مغرب کو اس سے بغض ہے لیکن حضرت امام خمینی نے اپنی قیادت سے اہل ایران کی زندگی کو معنوی جلا بخشی ہے۔ (فرانسیسی مفکر روژہ گاردوی)

۞ایرانی قوم نے اسلامی انقلاب میں خداوند تعالیٰ کی مدد سے امام خمینی کی زیر قیادت کامیاب

ہوکر خود پر بہت بڑی ذمہ داری سنبھالی ہے۔ اگر ایران، زندگی کے ہر شعبے میں اسلامی معاشرہ قائم کرنے میں کامیاب ہوجائے تو ایسی صورت میں تمام مسلم اقوام یہی راستہ اختیار کریں گی۔

(کیلی فورنیا یونیورسٹی کے پروفیسر حامد الگار)

امام خمینی اس معمار اور ممتاز انقلابی شخصیت کا نام ہے جس نے عصر حاضر کے مستکبرین پر مستضعفین کی عظیم الشان کامیابی کو منظر عام پر پیش کردیا ہے۔(صدر جمہوریہ تنزانیہ)

گذشتہ چند دہائیوں کے دوران عالمی سامراج مسلمانوں کے درمیان ہر قسم کے جھوٹے اور بے بنیاد پروپگنڈے کرتا رہا ہے اور ان میں سے دین وسیاست کے درمیان علیحدگی پر مشتمل سامراجی پروپگنڈہ غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا۔لیکن یہ فقط امام خمینی کی مسلسل کوشش وعظیم الشان وعدیم المثال قیادت کا نتیجہ ہے کہ آج عالمی سطح پر اس مسئلہ کی اہمیت ختم ہوچکی ہے۔

اسلامی انقلاب کی کامیابی سے پہلے ساری دنیا امریکہ اور روس کے درمیان رقابت و امر مسلمہ خیال کرتی تھی لیکن امام خمینی کی قیادت نے دنیا والوں پر یہ حقیقت پوری طرح واضح کردی کہ یہ دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ انہوں نے ان کے چہروں پر پڑی ہوئی نقاب نوچ دی جس کی وجہ سے ان کا حقیقی رنگ وروپ سامنے آ گیا۔ (محمد العاصی، امام جمعہ واشنگٹن)

آیت اللہ خمینی نے اپنے ملک اور دنیا کے ایک وسیع حصے میں جو کارنامہ انجام دیا ہے اس کے بارے میں بڑے احترام کے ساتھ اظہار خیال کیا جانا چاہئے ۔(پاپ جان پال رہبر دنیای میسیحیت)

امام خمینی نے بڑے حوصلے اور غیر معمولی احساس ذمہ داری کے ساتھ عالمی سامراجیت وبین الاقوامی صہیونیت سے خفیہ معاہدہ رکھنے والی شاہی حکومت کے خلاف اپنے انقلاب کو عظیم الشان کامیابی عطا کردی۔ انہوں نے اپنی عدیم المثال تخلیقی صلاحیت کے سہارے عالمی سامراج اور بین الاقوامی صہیونیت کی جملہ سازشوں کو پوری طرح ناکام بنادیا۔

جولوگ یہ سوچتے ہیں کہ امام خمینی کی وفات کے بعد اسلامی انقلاب اپنی حقیقی اور بنیادی راہ وروش سے منحرف ہوجائے گا وہ سخت غلط فہمی کا شکار ہیں کیونکہ انہوں نے جس راہ کی نشاندہی کی ہے وہ انقلاب کے ابدی وجاودانہ منشور کی حیثیت سے باقی رہے گا۔(روزنامہ تشرین، شام)

امام خمینی نے بڑی طاقتوں کی مختلف النوع دھمکیوں کے باوجود نہ مشرقی اور نہ مغربی سیاست کا اعلان کیا اور اس پر کار بند رہتے ہوئے اسلام دشمن طاقت کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے۔

(روزنامہ نیشن، پاکستان)

❁اگر چہ امام خمینی کی وفات کے بعد حالات زندگی معمول پر آ گئے ہیں لیکن امت اسلامیہ آج بھی سوگوار دکھائی دیتی ہے۔(ہندوستان ٹائمس، دہلی، ہندوستان)

❁امام خمینی نے اسلامی جمہوری حکومت کی تشکیل اور شرعی احکام پر مبنی آئین کی تدوین کے ذریعہ دنیا میں ظلم اور ظالمانہ راہ وروش کا کام تمام کردیا۔

دشمنان خدا بالخصوص شیطان بزرگ امریکہ کے مقابلے میں وہ پوری طرح ثابت قدم رہے اور ملت اسلامیہ ایران نیز دنیا کے تمام لوگوں کو دکھا دیا کہ مغربی سامراج اور مشرقی کفر کے خلف کیسی جدو جہد کی جانی چاہئے۔

❁امام خمینی نے دنیا کے محروم اور پسماندہ لوگوں کے دفاع کے لئے اسلامی جمہوریہ ایران کے آسمان سے اسرائیلی پرچم کو زمین پر گھسیٹ لیا اور اس کی جگہ پر ایران میں فلسطینی پر چم نصب کردیا اور ایران کے مشرقی دروازہ کو افغانی مسلمان بھائیوں کے لئے کھلا چھوڑ دیا۔امام خمینی نے گوربا چوف کو قبول اسلام کی دعوت دی اور اسلام دشمن سلمان رشدی جیسے مرتد کے خلاف سزائے موت کا حکم صادر کردیا۔ اپنے اس دلیرانہ اقدام کے ذریعہ انہوں نے وہ کارنامہ انجام دیا جو سنت نبوی کی پیروی کی جیتی جاگتی مثال ہے۔

❁امام خمینی نے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کو نگاہ میں رکھتے ہوئے یورپ او رامریکہ میں سیکڑوں تبلیغاتی ادارے قائم کئے اور اس طرح ان مما لک کے ہزاروں لوگ اسلام کی طرف راغب ہوگئے۔

❁اس مرد مجاہد عظیم الشان نے ۱۹۸۹ء میں جو نمایاں کامیابیاں حاصل کی ہیں وہ تاریخ کے صفحات میں سنہرے حروف سے لکھی جائیں گی۔(روزنامہ الشعب، الجزائر)

❁امام خمینی ایک استوار مستحکم شخص تھے، وہ مصائب وپریشانی کے دوران بڑے سکون واطمینان سے فیصلہ کرتے تھے، ان کی بات قانون او ران کا قانون قرآن تھا۔(روزنامہ ڈاگیلاڈٹ، ناروے)

ایرانی قوم اور امام خمینی نے ایک تاریخی کارنامہ سرکیاہے۔ اگر چہ میں مغرب کار ہنے والا اور غیر مسلم شخص ہوں مگر میری نظر میں یہ معجزہ ہی ہے کہ ایک مکتبی ومعنوی انقلاب آج کی دنیا میں اس طرح حقیقت پذیر ہوا۔(رابرٹ کالسن کناڈا)

❁نہ صرف لبنانی بلکہ دنیا کے تمام مسلمان اسلامی وحدت اور امام خمینی کی قیادت کو ہی استعماری طاقت سے نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔مستضعفین عالم کی نگاہیں ایران کے اسلامی انقلاب پر لگی ہوئی

ہیں۔(لبنانی دانشور احمد زکی تفاحہ)

❁امام خمینی موجودہ صدی کی آخری تاریخ ساز شخصیت تھے جس نے مغرب کے افسانوی اقتدار کو پوری طرح پامال کردیا اور ایک انقلابی امت کی ایجاد کے ذریعہ عصر جدید کی تشکیل کردی۔ پس دنیائے فانی سے عالم باقی کی طرف انتقال کی وجہ سے عہد خمینی کا خاتمہ نہ ہوگا۔

(ایڈیٹر لبنانی اخبارالسفیر)

امام خمینیؒ کا عشق وعرفان

ایک تجزیہ

خانم شہناز پروین

امام خمینیؒ ۲۰رجمادی الثانی ۱۳۲۱ھ ق ۲۳راکتوبر ۱۹۰۱ء کو ایران کے شہر خمین میں پیدا ہوئے ان کے والد آیت اللہ سید مصطفیٰ موسوی جلیل القدر عالم دین مرحوم سید احمد موسوی کے صاحبزادے تھے۔ امام خمینیؒ پانچ ماہ کی عمر میں باپ کے سایہ شفقت سے محروم ہوگئے اور ان کی شہادت کے بعد امام خمینیؒ نے اپنی مہربان ماں اپنی شفیق پھوپھی اور اپنے بڑے بھائی آیت اللہ مرتضیٰ کی سرپرستی میں پرورش پائی۔

امام خمینیؒ کا بچپن اور نوجوانی کا دور خمین میں گذرا، انہوں نے ابتدائی تعلیم وہیں رہ کر مقامی علماء وفضلاء سے حاصل کی۔ ۱۹برس کی عمر میں وہ مزید تحصیل علم کے لئے عراق تشریف لے گئے، اس زمانے میں عراق کا شمار دنیائے اسلام کے بڑے دینی وعلمی مراکز میں ہوتا تھا۔ عراق کا حوزہ علمیہ آیت اللہ العظمٰی مرحوم حاج شیخ عبدالکریم حائری یزدی کی سرپرستی میں بہت بڑی دینی درسگاہ تھی۔ آیت اللہ حائری نجف اشرف کے حوزہ علمیہ کے فارغ التحصیل اور مجتہد تھے۔ انہیں عراق کے علماء وفضلاء نے عراق کے حوزہ علمیہ کی سرپرستی کے لئے خصوصی طور پر بلایا تھا۔ ۱۳۴۰ھ میں آیت اللہ حائریؒ مذہبی شہر قم کے سرکردہ علماء کی درخواست پر عراق سے قم چلے گئے۔وہاں وہ اسلامی علوم ومعارف کی تحصیل وتزکیہ باطن میں مشغول ہوگئے۔ انہوں نے آیت اللہ حائری اور آیت اللہ شاہ آبادیؒ جیسے اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ وہ اپنے علمی ذوق وشوق، غیر معمولی استعداد، لیاقت اور پسندیدہ انسانی واسلامی اخلاق وفضائل کی بدولت بہت جلد مختلف اسلامی علوم میں مہارت حاصل کرکے اجتہاد کے بلند درجہ پر فائز ہوگئے۔

مرحوم آیت اللہ حائری کی وفات کے بعد امام خمینیؒ کا درس فلسفہ قم کی عظیم دینی درسگاہ کا سب سے بڑا تدریسی حلقہ ہوا کرتا تھا۔ پانچ سو سے زیادہ نوجوان طالب علم پورے ذوق وشوق سے امام کے حلقہ درس میں کسب فیض کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے وہ شمع علم وفضل کے گرد پروانہ اور حلقہ باندھے علم ودانش کے اس بحر بیکراں سے استفادہ کیا کرتے تھے۔

حوزہ علمیہ قم جس کی بنیاد مرحوم آیت اللہ حاج شیخ عبدالکریم حائری یزدی نے آہنی عزم اور بلند ہمتی سے رکھی تھی بہت کم مدت میں نوجوان اور قابل علماء کا بابرکت مرکز بن گیا تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ایران کے سیاسی حالات بدل گئے۔ رضا شاہ نے دینی اور اسلامی امور اورخصوصا حوزہ علمیہ قم سے متعلق اپنی دشمنی کا کھلم کھلا اعلان کردیا۔ ان نازک اور خطرناک حالات میں امام خمینیؒ جو اس عظیم اسلامی درسگاہ کے نمایاں ترین عالم دین تھے مجاہدانہ انداز میں ڈٹ گئے رضا خاں کے خلاف نعرہ مردانہ بلند کرکے رضا خاں کے خوف سے چھائے ہوئے سکوت کو توڑ ڈالا۔

امام خمینیؒ ۱۴رسال جلا وطن رہے۔ جلا وطنی کے بعد ایران واپس آئے آخر کار ۱۱رفروری ۱۹۷۹ء کو انقلاب اسلامی ایران نے عظیم الشان کامیابی حاصل کی۔ امام خمینی گیارہ سال تک اسلامی جمہوریہ ایران میں مہر درخشاں بن کر چمکتے رہے اور ان کے وجود مسعود سے قوم کو زندگی کی حرارت ملتی رہی۔

امام خمینیؒ قدس سرہ نے مختلف اسلامی موضوعات پر بے شمار کتابیں تالیف کیں۔ انہوں نے اپنے ہمہ گیر معمولی افکار عالیہ کی بدولت تمام اسلامی علوم اور ان کے مختلف شعبوں سے متعلق گرانقدر کتابیں جیسے فلسفہ،علم کلام، منطق، عقائد، فقہ، اصول فقہ، اخلاق، آداب،علم الاجتماع، اسلام میں حکومت کا تصور، قانون،اقتصادی اور سیاسی مباحث وغیرہ تحریر کی ہیں۔

۱۹۷۹ء میں وقوع پذیر ہونے والے انقلاب کے بارے میں امام خمینیؒ جو عرفانی نکتہ نظر رکھتے تھے اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ امام خمینیؒ کے مکتوبات اور بیانات میں بکثرت ایسے شواہد موجود ہیں جن کے مطابق اسلامی انقلاب کو زمینی عوامل اور مشیت الٰہی پر مشتمل ایک واقعہ کے طور پر دکھایا گیا ہے۔

امام خمینیؒ کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے سے یہ حقیقت پوری طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ وہ مجسم طور پر عرفانی افکار کے پرتو تھے اور وہ ہمیشہ عرفانی افکار پر کار بند رہے۔ امام خمینیؒ ان معدودے چند عارفین میں سے ایک ہیں جن کا سیاسی عرفان شریعت سے جنم لیتا ہے اور غیبت کی طرف آگے بڑھتا ہے۔ امام خمینیؒ کے افعال وکردار کی عرفانی بنیادیں تیزی سے دینی اور شرعی قالب میں تبدیل ہوجاتی ہیں۔ وہ کبھی بھی ذکر الٰہی اور خدا کی یاد سے غافل نہیں رہے یہی وجہ ہے کہ ان کا شعری کلام عرفانیت سے خالی نہیں ہے۔

''دولت عرفان'' عنوان کے تحت امام امت آیت اللہ العظمیٰ خمینی طاب ثراہ کی کتاب ''چہل حدیث'' کا کچھ حصہ آپ کی خدمت میں عرض کرتی ہوں۔

شرح حدیث: کسی فوج کے ایک حصہ کو سریہ کہتے ہیں کہا جاتا ہے۔ بہترین سریہ وہ ہے جو چار سو افراد پر مشتمل ہو۔ حدیث کے متن سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ انسان ایک ایسا عجوبہ ہے جس کی ایک زندگی میں دوزندگیاں اور جس کے وجود میں دو کائنات ہیں۔ ایک تو وجود ظاہری، جو دنیوی اور طبعی لحاظ کے ساتھ اس کی جسمانی زندگی ہے۔ دوسرا وجود باطنی جوغیبی اور ملکوتی ہے یعنی اس کا روحانی وجود۔ اس کے کئی درجات ہیں جن کو عام طور پر کبھی سات درجوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور کبھی چار میں، کبھی تین میں اور کبھی صرف دودرجوں میں۔ ہر درجہ میں اس کی نسبت سے لشکر متعین کئے گئے ہیں وہ لشکر جو اسکی روحانی اور قلیل صلاحیتوں کے رہنما ہیں اور اس کو عالم بالا کی طرف کھینچتے ہیں اور اسکو نیکی وسعادت کی ترغیب دیتے ہیں۔ اس کے مقابل دوسری قوتیں ہیں جو جہل اور شیطانی قوتوں کی نمائندہ ہیں۔ سفلی جذبات کو بھڑکاتی ہیں اور شقاوت (اخلاق رذائل) کی طرف کھینچتی ہیں۔ ہر وقت ان دونوں قوتوں میں کشمکش اور جنگ وجدل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب رحمانی قوتوں کا غلبہ ہوتا ہے تو انسان صاحب سعادت ورحمت سمجھا جاتا ہے۔ فرشتوں کا رتبہ پاتا ہے اور اولیاء و بندگان صالحین کے زمرے میں شامل ہوتا ہے۔ اگر جہل اور شیطانی قوتوں کا غلبہ ہوتو انسان کاایک ظالم اور شقی فرد کہلاتا ہے۔ وہ کافروں اور شیطانوں کا ہم قبیلہ ہوتا ہے اور خدا کے حضور سے دھتکارے ہوئے ملامت زدوں کے زمرے میں شامل ہوجاتا ہے۔

پہلا قدم: تامل اورغوروفکر:

یعنی خدا کی جانب حرکت کرنا اوراپنے بارے میں غوروفکر کرنا مجاہدۂ نفس کی پہلی منزل ہے۔ بعض علمائے اخلاقیات نے اسی عمل کو پانچویں درجے میں رکھا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اپنے روز وشب میں سے کم ازکم تھوڑا سا وقت نکال کر سوچیں کہ ہم پر پیدا کرنے والے خداوند متعال کے لئے جس نے ہمیں پیدا کیا اور ہم کو ہر طرح کی دنیاوی نعمتوں اور راحتوں سے مالا مال کیاجو انسان کے لئے نفع بخش ہیں اور جن کی کارگزاریاں بڑے بڑوں کی عقل کو حیرت میں ڈال دیتی ہیں اپناوجود اتنی ساری نعمتوں سے نوازنے کے اس نے ہماری ہدایت کے لئے پیغمبروں کو بھیجا ہماری رہنمائی کے لئے کتابیں نازل کیں اور ہم کو اپنی طرف دعوت دی۔ ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ اس پروردگار کے لئے ہم کیا کرسکتے ہیں۔ کیا یہ سب چیزیں صرف اس مقصد کیلئے عطا کی گئی ہیں کہ ہم اپنے حیوانی وجود کو اور

اس کی خواہشات ہی کی تشفی کریں جن میں ہمارے ساتھ دوسرے حیوانات بھی شریک ہیں؟ یا ہماری زندگی کا کوئی اور مقصد بھی ہے؟ کیا انبیائے کرام، اولیائے عظام اور حکمائے عالی مقام نے، ہر قوم وملک کے افراد کو عقل وشرع کے اصولوں پر چلنے کی دعوت نہیں دی؟ کیا انہوں نے انسانوں کو ہوس پرستوں سے دور رہنے اور اس دنیائے فانی سے پرہیز کرنے کا سبق نہیں سکھایا؟ کیا سب لوگ انسان دشمن تھے، اور ہیں؟ یا ہم نفسانی خواہشوں کے ہاتھوں مجبور بھٹکے ہوئے انسان اپنی نجات کا راستہ نہیں جانتے؟ اس سلسلے میں امام خمینی کا شعر پیش خدمت ہے:

فارسی:

طاعت نتوان کرد گناہی بکنیم
از مدرسہ رو بخانقاہی بکنیم
فریاد انا الحق رہ منصور بود
یارب مددی کہ فکر راہی بکنیم

اردو:

نہ ہوگی ہم سے اطاعت، چلو گناہ کریں
ہٹاؤ مدرسہ رخ سوئے خانقاہ کریں
صدائے ساز اناالحق تو ہے رہ منصور
سہارا چاہئے یارب کہ فکر راہ کریں

عزم وارادہ:

جہادِ نفس میں اگلی منزل جو غور وفکر کے بعد مردِ مجاد کو طے کرنی ہوتی ہے وہ عزم وارادہ کی منزل ہے۔ یہ اس ارادہ سے بالکل مختلف ہے جس کا ذکر شیخ رئیس نے 'اشارات' میں عرفان کے اوّلین درجات کے زمرے میں کیا ہے ہمارے بعض مشائخ نے بھی عزم وارادہ جو اس مقام کے لئے لازمی ہے وہ گناہوں سے پرہیز کرنے اور تمام واجبات کو انجام دینے کے عہد کا نام ہے۔ یہ عبارت ہے اس لئے کہ جو کچھ کوتاہیاں اس سے زندگی میں سرزد ہوئیں ہیں ان کا کفارہ ادا کرے اور آخر کار انسان اپنے ظاہر کو عقل اور شرع کے سانچے میں ڈھال لے۔ کیونکہ عقل وشرع کا حکم ہے کہ'' ان کے مطابق

عمل کرے۔ یعنی زندگی میں اس کا عمل شرع کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق ہونا چاہئے۔ اور اسکا ظاہر رسول خداؐ کے عادات واطوار کی تقلید پر مبنی ہو وہ اپنی زندگی کو رسولؐ کی زندگی کے سانچے میں ڈھالے گا اور اس کے تمام اعمال واجبات کی پابندی اور مکروہات کو ترک کرنے سے عبارت ہوں گے وہ بزرگوار کی پیروی کرنے کی حتی المقدور کوشش کرے گا۔

یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ معارف الٰہی کا راستہ اس وقت تک طے نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ انسان پہلے قدم کے طور پر شریعت کے ظاہر کی پابندی سے آغاز نہ کرے۔ کوئی مرد اپنی روحانی زندگی کی قدروں کو نہیں پاسکتا۔ جب تک وہ شریعت کے قوانین کی نیک نیتی سے پابندی نہیں کرتا۔ وہ اخلاق حسنہ کی بلندیوں کو حاصل نہیں کرسکتا نہ ہی یہ ممکن ہے کہ معرفت الٰہی کا نور اس کے دل میں جلوہ فگن ہو اور اس کے دل میں معرفت الٰہی کے انوار اترتے ہیں تب بھی وہ شہوت کے ظاہری آداب کا پابند رہتا ہے۔

امام خمینیؒ نے فرمایا ہے:

فارسی :

از ہستی خویشتن گزر باید کرد
زین دیو لعین صرف نظر باید کرد

اردو:

اپنی ہستی سے آگے گزر چاہئے
اس خباثت سے صرف نظر چاہئے

جدو جہد:

اس میں ارادہ عزم کو قائم رکھنے کی کوشش کو بتایا ہے۔ خدانخواستہ اگر تو اس دنیا سے کوچ کرجائے تو ایک بے مغز ہیولے سے زیادہ نہ ہوگا۔ گناہ کرنے کی جرأت آہستہ آہستہ انسان کے ارادے کو کمزور اور کھوکھلا بنادیتی ہے اور س سے انسانیت کے قیمتی جوہر کو چھین لیتی ہے۔ سب سے زیادہ جو چیز انسان کے ارادہ اور عزم کو کمزور کرتی ہے وہ موسیقی ہے اس کے لئے گناہوں سے کنارہ کشی کرو اور سب کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کرنے کا عزم کرو۔ اپنے ظاہر کو حقیقت کے سانچے میں ڈھال لو اپنے آپ کو دل والوں کے زمرے میں شامل کرو۔

فارسی:

فرہاد شوو تیشہ براین کوہ بزن
از عشق، بہ تیشہ ریشۂ کوہ بکن
طور است وجمال دوست ہمچون موسیٰ
یاد ہمہ چیز را جز او دور فگن

اردو:

فرہاد ہو، جا اور الٹ دے یہ پہاڑ
لے تیشہ عشق اور اسے جڑ سے اکھاڑ
جلوہ بھی ہے، طور بھی! تو موسی بن کر
اک اسکے سوا، دل میں جو بستی ہو، اجاڑ

محاسبہ ومشارطہ:

اپنے نفس کے ساتھ لڑنے والے مجاہد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اعمال کے بارے میں سوچے سمجھے اور ان کا جائزہ لے۔ امور مشارطہ یہ ہے کہ دن شروع ہوتے ہی اپنے آپ سے اس چیز کا عہد کرے کہ آج کے دن وہ خدا کے حکم کی کوئی خلاف ورزی نہیں کرے گا اور وہ اسی شرط پر مضبوطی سے قائم رہنے کی کوشش کرے۔ مراقبہ جب انسان اپنے آپ سے نیکی کا عہد (مشارطہ) کرلیتا ہے تو مراقبہ کا مرحلہ اس کے سامنے آتا ہے اس عمل کے دوران انسان مجاہد کو ہر وقت اپنے عمل کے بارے میں چوکنا رہنا چاہئے اور اسے فرض سمجھنا چاہئے کہ اپنے عہد پر کاربند رہے۔ اگر خدانخواستہ تمہارے دل میں کوئی گمراہ کن خیال آئے تو سمجھ لو کہ یہ شیطان اور اس کے ہمنوا ہیں تو تم کو اپنے عہد سے ہٹاچاہتے ہیں۔ شیطان سے کہہ دو کہ آج کے دن تم نے اپنے آپ سے خدا کی نافرمانی نہ کرنے کا عہد کیا ہے:

فارسی:

صوفی بہ رہِ عشق صفا باید کرد
عہدی کہ نمودہ ای وفا باید کرد

تا خویشتنی ، بہ وصل جانان نرسی
خود را بہ رہ دوست فنا باید کرد

اُردو:

طے عشق و صفا کا راستہ کرنا ہے
جو عہد کیا ہے، وہ وفا کرنا ہے
ہے شوق وصال گر، تو پھر چھوڑ خودی
خود کو ، رہ دوست میں فنا کرنا ہے

ذکر وفکر:

ذکر سے مراد ہے خدا تعالیٰ کو یاد رکھنا اور انسان پر اسکی گوناگوں نعمتوں کا تذکر، یہ جان لو کہ انسانی فطرت کا تقاضہ ہے کہ وہ اپنے محسن کا احترام واکرام کرے۔ اگر کوئی انسان اپنی کتاب ذات کی مطالعہ کرے تو وہاں ضرور یہ لکھا ہواپائے گا کہ انسان کو اپنے اوپر احسان کرنے والے اور نعمتیں عطا کرنے وال کا شکرگزار ہونا چاہئے یعنی وہ ہرلحہ اللہ کا ذکر کرتا رہے اور کبھی بھی اللہ کی یاد اور اس کے بتائے ہوئے راستے سے غافل نہ ہو۔

فارسی:

این فلسفہ را کہ علم اعلیٰ خوانی
برتر ز علوم دیگرش میدانی
فارس زرہ سالک عاشق نگرفت
ہر چند بعرش اعظمش بنشانی

اُردو:

یہ فلسفہ جس کو علم اعلیٰ سمجھا
ہر علم سے سر بلند و بالا سمجھا
یہ خارِ رہِ سالک عاشق بھی نہیں

تو　زیب　وہ　عرش　معلیٰ　سمجھا

اب آپ کی خدمت میں ''امام خمینی کا عرفان'' بیان کرتی ہوں۔

تاریخ کی عظیم ہستیوں کے حیرت انگیز کمالات میں سے ایک یہ ہے کہ ان کی شخصیت کے گونا گوں پہلوؤں کے تحت ہر گروہ اپنے اپنے ذوق کے مطابق انکی زندگی کے کسی ایک پہلو سے خیرہ ہوکر اسی ایک پہلو پر سوچنے لگتا ہے۔ ظاہر ہے ہر صاحب کمال اپنی استعداد کے مطابق ان کو کسی ایک میدان میں فضیلت کی چوٹیوں پر دیکھتا ہے اور ان کی دوسری فضیلتوں سے غافل رہتا ہے۔ کچھ لوگوں کی نظریں ان کے فقہ واصول کے احاطہ پر مرکوز ہیں اور علوم منقولہ میں ان کی گہری معلومات کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو کچھ لوگ ان کی شجاعت تیز بینی سے متاثر ہوکر انگشت بدندان ہے تو دوسرا گروہ ان کے غیر معمولی حسن نظم وتدبیر پر سردھنتا رہتا ہے۔ اسی طرح صاحبان سیر وسلوک ان کو عرفان تکامل کی راہ طے کرلینے والے توانا شیخ ومرشد کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔

البتہ جو چیز اس مرد الٰہی کے تمام کمالات وامتیازات کے درمیان بنیادی واساسی کردار کی حامل ہے وہ ان کا عرفانی تصور کائنات ہے۔ عرفانی نقطہ نظر جس نے عملی سیر وسلوک کے ساتھ ضم ہوکر ان کو ایک انسان کامل بنادیا ہے۔

اس ضمن میں امام خمینیؒ کے عرفانی نظریات کی خصوصیتوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتی ہوں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے یہاں اس نکتہ کی طرف متوجہ کردینا چاہتی ہوں کہ اسلامیہ جمہوریہ ایران کے بانی، قبل اس کے کہ عوامی سطح پر قائد ورہبر، اور ایک بڑے طبقے میں مرجع تقلید کے عنوان سے یا حوزہ علمیہ میں ایک بزرگ فقیہ اور ماہر اصول کی حیثیت سے جانے، پہچانے اور مانے جائیں۔ حوزہ علمیہ قم میں علماء واساتذہ کے درمیان ایک ایسے اولیٰ صفت پاکیزہ چہرے کے طور پر معروف تھے جس نے الٰہی معارف اور عرفانی حقائق کے اکتساب کے لئے برسوں حضرت آیت اللہ میرزا محمد علی شاہ آبادی جیسے استاد کے سامنے زانوے ادب تہہ کیا ہے اور ان کے ایسے عارف وکامل کے ارشاد ونصیحت کے ذریعہ خود بھی مقامات معنوی کے اعلیٰ مراحل طے کرچکا ہے کہ اسکا ذوق معنوی مباحث سے سرشار ہے۔

اس مرد عظیم کے تالیفاتی سلسلہ پر ایک نظر خود اس بات کی گواہ ہے کیونکہ امام خمینیؒ کی سب سے پہلی یادگار شرح دعائے سحر'' ہے جو انہوں نے صرف ستائیس سال کی عمر میں تحریر فرمائی ہے

(۱۳۴۷ہجری قمری) اس کے بعد ۵۳ سال کی عمر میں (۱۳۵۵ہجری قمری) شرح قوص الحکم ومصباح الانس کی تالیف تکمیل کرتے ہیں۔ یقیناً اس پایہ کی تالیفات کو اور وہ بھی اوائل تحقیق وتصنیف میں علوم عرفانی پر نظر رکھنے والے صاحبان فن اور اہل بصیرت بھی حیرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ خاص طور پر یہ دیکھ کر کہ انہوں نے اس وقت قلم اٹھایا جب کہ ابھی انہیں اپنے استاد سے فارغ ہوئے کچھ عرصہ بھی نہیں گزرا تھا کیونکہ ۱۳۵۰ھ میں ''مصباح الانس'' جو عرفان نظری کے متون عالیہ میں سے ہے آپ اپنے استاد آیت اللہ شاہ آبادی کی خدمت میں شروع کرتے ہیں اور کچھ عرصہ کے بعد قم سے استاد کے ہجرت کرجانے کے سبب درس کا سلسلہ رک جاتا ہے۔ چنانچہ امام طاب ثراہ نے شرح مصباح الانس کے حاشیہ صفحہ ۴۴ر پر خود تحریر فرمایا ہے جس کا اردو ترجمہ یہ ہے۔

''اس صفحہ تک میں نے یہ کتاب اپنے استاد عارف کامل شاہ آبادی روحی فداہ کی خدمت میں پڑھی اتفاقاً انہیں تہران منتقل ہونا پڑا جس کے سبب ان کے فیض سے محروم ہوگیا خدا ان کا سایہ باقی رکھے۔''

امام خمینیؒ طاب ثراہ کے عرفانی افکار کی بنیاد واساس توحید سے متعلق ان کے گہرے تصورات پر استوار ہے اس سلسلہ میں وہ بار ہا صراحت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ تمام کلمات واصطلاحات، حتی جو کچھ اہل عرفان کہتے ہیں سب نارسا اور توحید کی حقیقت بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

امام خمینی کی عرفانی بصیرت کی خصوصیات

ظاہر وباطن کا آپس میں جڑا ہونا

کچھ صاحبان شریعت دین کے ظاہری احکام وآداب کو سب کچھ سمجھ لیتے ہیں اور باطن سے جو اسکی اصل روح وجان ہے غفلت برتتے ہیں اور دوسری طرف کچھ لوگ اپنی تمام کدو کاوش اور تلاش وجستجو باطن پر مرکوز کردیتے ہیں اور ظاہر پر اعتبار اور اہمیت کے قائل نہیں ہیں اور ان دونوں خطا کار گروہوں کے بالمقابل سچے عارفین کی منزل ہے جو مقام باطنی تک پہنچنے کے لئے شرع مقدس کے ظاہر ودستورات کی پیروی کرتے ہیں اور شرعی آدب واحکام کی پابندی کے بغیر کمال تک رسائی کو ناممکن جانتے ہیں۔ وہ شیوۂ وراہ جو عالم معنی سے مربوط ہے اور ظاہر جو کہ سروباطن سے وابستہ ہے وہی ہے جو خدا اس کے رسول اور اس کے اولیاء کے اقوال وگفتار کے ذریعہ حاصل ہوا ہے۔ دینی احکام وآداب یعنی شرح مقدس الٰہی (کتاب سنت) کہ ظواہر کا علم اسرار ربانیہ، انوار غیبیہ اور تجلیات

تک رسائی مجاہد مقصود حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اور حاشیہ میں خاص طور سے فرماتے ہیں کہ ''شریعت'' کے بغیر طریقت'' و''حقیقت'' تک نہیں پہنچ سکتا اور اگر ظاہر پر جس رح ہونا چاہیئے توجہ اور احترام ہوتو یہ چیز یقیناً انسان کو باطن تک پہنچا دیتی ہے۔

عقل وکشف اور برہان وعرفان میں ہم آہنگی

امام خمینیؒ طاب ثراہ کے نظریہ کے مطابق اگر چہ عرفان عقل سے الگ ایک چیز ہے لیکن کسی بھی عالم میں عقل صریحی کا مخالف نہیں ہے کیونکہ عقلی برہان بھی صاحبان عرفان کے شہود کے خلاف نہیں ہے۔

عرفاء کے کشف وشہود کا طریقہ اگر چہ عقل سے ماوراء ایک راہ ہے لیکن یہ امر مقدمات بدیہہ کی بنیاد پر سیر کرنے والی عقل صریح کے خلاف نہیں ہے۔ مشاہدات ذوقیہ ہرگز برہان اور براہین عقلیہ کی مخالفت نہیں کرتے کہ صاحبان عرفان کے مشاہدے کے خلاف ہوں۔

جامعیت اور وسیع النظری

معنوی اور عرفانی افکار اپنے تمام تر تقدس واحترام کے باوجود امام خمینیؒ کے ذہن کو اسلام کے دوسرے زندگی بخش پہلوؤں کی طرف سے غافل نہیں بناتے کیونکہ وہ اسلام کو ایک جامعیت کی نظر سے دیکھتے ہیں اس آسمانی نظام ومکتب کو صرف اہل عرفان کے اقوال وتعبیرات میں منحصر نہیں کرتے۔ حتی ان لوگوں سے جوعموماً انسانی زندگی کے سیاسی واجتماعی پہلوؤں کونظر انداز کرتے ہوئے ایک طرف سے تمام قرآنی آیات وروایات کو اپنے مصنوعی تخیلات کے پرتو میں تفسیر کرتے ہیں۔

محی الدین ابن عربی پرخصوصی توجہ

محی الدین ابن عربی خاص طور پر اسلام عرفان کے'' باوِآدم'' کی حیثیت سے یاد میں بیان ونظم کیا ہے۔ آپ کے آثار اتنے مستحکم اور گہرائی کے حامل ہیں کہ تقریبا ہزار سال گذرجانے کے باوجود آج بھی درس وتحقیق کے متون کے طور پر دینی درسگاہوں اور یونیورسٹیوں میں علمی دنیا کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔

بہر حال حضرت امام خمینیؒ کے عرفانی افکار میں ابن عربی کی جانب خصوصی توجہ کی جھلک ملتی ہے۔ ایک طرف تو ان کو'' الشیخ الکبیر'' کے عنوان سے یاد کرتے ہیں اور دوسری طرف مختلف مباحث میں ان کے اقوال کونقل اور ان کی تائید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

آزاد اندیشی اور محققانہ طریقہ نظر

حضرت امام خمینیؒ نے محض عرفانی کتابوں کے متون کے مطالعہ پر اکتفانہیں کی بلکہ اس کے سلسلہ میں کدو کاوش اور تحقیق وجستجو سے کام لیا ہے۔ آپ اتنی علمی قوت وتوانائی کے حامل ہوچکے تھے کہ بلاجھجک آزادانہ طور سے ان پر تنقید وتبصرہ اور ان کی قدرو قیمت اور اہمیت بیان کردیتے تھے نہ تو کلمات وعبارات آپ کو خیرہ کرتے اور نہ ہی صاحبان قلم کا تقدس واحترام آپ کو اپنی بات کہنے سے روکتا تھا۔

اجتماعی فیصلوں میں عرفانی تصور کائنات کی کارفرمائی

امام خمینیؒ طاب ثراہ کے سیاسی واجتماعی رجحانات اور فیصلے بلا شبہ توحید کے بارے میں آپ کے بلند افکار ونظریات سے متاثر تھے۔ دوسرے لفظوں میں آپ کا عرفانی تصور کائنات جس وقت اجتماعی زندگی میں جلوہ گر ہوا تو ان امتیازی خصوصیات کی حامل امام خمینیؒ جیسی عظیم شخصیت وجود میں آئی جو اپنے اندر گہرے احساس وادراک بے نظیر ثبات واستقامت پر جوش دلیری وشجاعت آئندہ کے بارے میں زندگی بخش امیدوآرزو،عزم راسخ اور ناقابل تسخیر ارادے سموئے ہوئے تھی۔

مختصر یہ کہ ہمیشہ اور ہر جگہ آپ کی رہنما تحریروں اور پیغاموں کی اصل وبنیاد توحید پر استوار عرفان ومعنویت کی خوشبو لیے نظر آتی ہے۔

امام جب بھی اپنی ذمہ داریوں سے فرصت پاتے تھے تو خلوتوں اور اوقات خاص میں موزوں کلام کا سہارا لے کر آتش دل پر پانی چھڑکتے تھے اور شعر کی زبان میں دردفراق کی داستان اپنے دلدار بیگانہ کو سناتے تھے۔ امام خمینیؒ کو ہرگز شعروشاعری کا شوق نہ تھا اور نہ انہوں نے کبھی خود کو اس میں سرگرم رکھا۔ انہوں نے جب کبھی اپنے پیغام رسانی کے فریضہ سے فرصت پائی اوپنے دادفراق کا حال کملات والفاظ موزوں کے قالب میں ڈھال کر حوالہ قرطاس کردیا ان کا مقصد شعروشاعری نہ تھا بلکہ شعر ان کی پاک وبلند روح کے ہزار ہا جلوؤں میں سے ایک تھا ان کا شعر بلال کی جلوہ گاہ ہے۔ ان کا شعر عاشقانہ راز ونیاز ، ایک ہیجا میں آئی ہوئی بیقرار اور مضطرب وبے تاب روح ہے جو عالم تنہائی میں لفظوں سے کام لے کر اپنے دل دردمند کا راز اپنے محبوب سے کہتی ہے اور اپنے معبود سے مناجات کرتی ہے وہ قافیہ اندیش نہ تھے اور بقول مولانا روم جب خون اپنی شعرگوئی کے بارے میں فرمایا ہے۔

''سچی بات یہ ہے کہ جوانی میں شعر گوئی پر قدرت رکھتا تھا جو شعر وشعور کا موسم ہوتا ہے اور اب ختم ہو چکا ہے۔ نہ فصل پیری میں کہ اسے بھی پیچھے چھوڑ چکا ہوں اور نہ عمر کے آخری لمحات میں جس سے اب دست وگریباں ہوں''

ہاں امام خمینیؒ کا شعر حالت استغراق کا پھول، حضرت حق کے جلال وجمال کی پاکیزگی کے اقرار میں فنا ہونے کا ثمرہ اور شہود بقائے دلدار کا نتیجہ ہے۔

ہر دم اک نقش بناتا ہے تیرے رخ کا خیال
کس کو بتلائیں کہ اس پردہ میں کیا کیا دیکھا
نافہ چیں میں کہاں، مشک ختن میں بھی کہاں
ہر سحر باد صبا میں جو تماشا دیکھا

اس طرح کے شعر جو اس حالت استغراق وشہود سے وجود میں آتے ہیں شعراء کے درمیان رائج ومتداول ہیئت اور طرز اسلوب سے الگ ایک ہیئت اور طرز اسلوب رکھتے ہیں۔

تعبیریں اور اصطلاحیں جو آثار حضرت امام خمینیؒ میں استعمال ہوتی رہی ہیں جو عارفان شاعر اور شاعران عارف اپنے اشعار میں استعمال کرتے آئے ہیں عارفان واصل نے جن معانی کو مشاہدہ اور واردات قلبی کے احوال میں پایا اور ذوق حضور سے آزمایا انہیں الفاظ کے قالب میں ڈھالا اور رمز واستعارہ کے طور پر بیان کیا ہے کیونکہ وہ مشاہدات اور ادراکات براہ راست بیان کی گرفت میں نہیں آسکے اور کلام کا دامن معانی کو اپنے اندر سمو لینے کی گنجائش نہیں رکھتا۔

معانی ہر گز اندر حرف ناید
کہ بحر قلزم اندر طرف ناید

کوئی معنی حرف میں آتا نہیں
بحر قلزم ظرف میں آتا نہیں

امام خمینیؒ نے بلندمرتبہ عرفاء اور سلف صالح کی اصطلاحات سے استفادہ کرتے ہوئے ان کی تعبیرات کو اپنے اشعار میں استعمال کیا ہے۔ ایسا بھی ہے کہ کہیں کہیں ان مصطلاحات کو استعمال کرتے ہوئے نئے مضامین اور نئے معانی مراد لئے ہیں۔ تمام مصطلحات کا مفصل بیان اس مختصر

مضمون میں مشکل ہے لہٰذا بطور نمونہ چند مثالوں پر اکتفا کرتی ہوں۔

اہل عرفان نے جو اصطلاحات اپنے کلام میں استعمال کی ہیں ان میں ایک اصطلاح ''رخ'' ہے جس کے بارے میں انہوں نے بتایا ہے کہ اس سے مراد ''تجلی جمال حضرت حق'' ہے جو اعیان عالم کی ایجاد اور اسمائے الٰہی کے ظہور کے سبب ہے۔ نیز انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ''رخ'' سے مراد لطف الٰہی ہے۔

امام خمینیؒ نے بار بار لفظ رخ کو اپنے کلام میں استعمال کیا ہے۔

اے خوب رخ کہ پردہ نشینی وبی حجاب
اے صد ہزار جلوہ گر وباز ود نقاب

اے سراپا لطف اے پردہ نشین وبے حجاب
لاکھوں جلوے ہیں ترے پھر بھی تیرے رخ پر نقاب

باعقلان بگو کہ رخ یار ظاہر است
کاوش بس است این ہمہ در جستجوی دوست

ظاہرہ ے ورئے دوست، کہو اہل ہوش سے
کافی ہے کاوش طلب و جستجوئے دوست

دوسری اصطلاح ''زلف'' ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ کلیات وجزئیات معقولات ومحسوسات ارواح واجسام اور جوہر اعراض کے مرتبہ امکانیہ سے کنایہ ہے۔

امام خمینیؒ فرماتے ہیں:

سر زلف بکناری زن ورکسار کشا
تاجہان محوشود، خرقہ کشد سوئے فنا

زلف چہرے سے ہٹا تابش رخسار دکھا
یہ جہاں جائے مع خرقہ سوئے دار فنا

در صید عارفان و زہستی رمید گن
زلف چودام و خال لبت ہمچودانہ ہست

کرتاہے صید عارف و ہستی رمیدہ کو
ہے زلف دام خال لب یاردانہ

ایک اصطلاح عرفانی ''خال'' ہے کہتے ہیں کہ خال نقطہ وحدت حقیقی سے عبارت ہے، اور مراد وحدت ذات ہے۔

امام خمینیؒ اس معنی کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

من بخال لبت ای دوست گرفتار شدم
چشم بیمار ترادیدم و بیمار شدم
زندانی خال لب دلدار ہوا ہوں
میں نرگس بیمار کا بیمار ہوا ہوں
گیسوئی یار دام دل عاشقان او
خال سیاہ پشت لبش ادنہ من است
گیسوئے یاردم دل اہل عشق ہے
خال سیاہ لب پہ جو ہے دانہ ہے مرا

''لب'' کہا گیا ہے کہ اس سے مراد کلام ہے اور ''نفس رحمانی کی طرف بھی اشارہ ہے جواعیان پر افاضہ وجود کرتا ہے۔

شیرین لب شیرین خط وشیرن گفتار
آن کیست کہ بار این ہمہ فرہاد تونیست
کوئی شیرین لب ہو شیرین خط ہو یا شیرین مقال
پاکے سب کچھ جس کو بھی دیکھو ترا فرہاد ہے
سر فہم بر قد دوست بہ خلوت گہ عشق
لب نہم برلب شیرین تو فرہاد شوم
سر ہو میرا تیرے قدموں پہ، خلوت گہہ عشق
لب ہوں تیرے لب شیریں پہ تو فرہاد ہوں میں

''ابروٗ' جس سے مراد صفات الٰہی میں جو حاجت ذات ہیں اور عالم وجود صفات ہی سے رونق

اور بہار جمال حاصل کرتا ہے۔

خم ابرو تو قبلہ نماز باشد
یاد تو گرہ گشای رازم باشد
ابروئے دوست قبلہ ہے میری نماز کا
اورعشق دوست پردہ کشا دل کے راز کا

فارسی:

خم ابرو کجت قبلہ محراب نیست
تاب گیسوی تو خود راز تب وتاب نیست

اردو:

خم ترے ابرو کا میرا قبلہ محراب ہے
تاب گیسو پر درد دل کا پیچ وتاب ہے

عشق: حد سے بڑھی ہوئی محبت عرفان میں طلب کے ساتھ دوستی حق کو کہتے ہیں اہل معرفت کے نزدیک تمام ہستی وجود کائنات اور حرکت افلاک عشق کی پیدا وار ہے امام خمینیؒ نے فرمایا ہے:

فارسی:

آن دل کہ بیاد تو نباشد دل نیست
قلبی کہ بعشقوت نطپد جزگل نیست
آن کس کہ ندارد بسر تو راہ
از زندگی بی ثمرش حاصل نیست

اردو:

جس میں نہیں تیری یاد وہ دل کیا ہے؟
تڑپے نہ جو تیرے لئے وہ جزگل کیاہے؟

خلوت۔ لغت میں غیرے سے خالی جگہ اور تنہائی کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں بندہ کا خدا سے تنہائی میں راز کہنا اور اسکی یاد کے علاوہ کسی اور کو جگہ نہ دینا شریعت اسلام میں دوسے مذاہب کے برخلاف خلوت اختیار کرے اور اس جیسے امور میں افراط وتفریط کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

وہ فرماتے ہیں:

از خطه حقیقت وازخیمه مجاز
برخاسته به خلوت دلخواه می رسد

اردو:

تیرا رخ میں ہمارے ، نور خلوت گاہ ہے
یاد رخ تیری فروغ قلب نا آگاہ ہے

درویش۔ لغت میں بے نوا اور فقیر کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں اہل عرفان میں وہ شخص ہے جو دنیا اور تعلقات دنیا کی طرف اعتنا نہ کرے۔ اس سلسلہ میں امام خمینیؒ فرماتے ہیں۔

فارسی:

تکبیر زبان دو سوی محبوب کنم
از کرقه برون آیم ودرویش شوم

اردو:

زباں پر نعرہ تکبیر ہو وار رخ سوئے دلبر
جدا کروں یہ خرقہ، واقعی درویش ہوجاؤں

مختصراً یہ کہ امام خمینیؒ ایک مومن ومجتہد وتاریخ ساز انسان اور موجودہ صدی کے معمار تھے وہ ایسے مرد مجاہد تھے کہ ان کی مثال اس صدی میں نہیں ملتی انہوں نے دنیا میں ایسا ذخیرہ چھوڑا ہے جس کا ذکر لوگوں پر تا قیامت رہے گا۔

اسلامی دنیا کی ترقی میں امام خمینیؒ کا حصہ

آج کی دنیا اسے محض ایک تصور کہہ کر رد کرسکتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ امریکہ اور روس کے حاشیہ برداروں نے عراقی عوام کو جس غیر انسانی طریقے سے کچلا ہے اس نے دنیا کو ایک نئی خیمہ بندی اور ایک نئی سرد جنگ کی طرف ڈھکیل دیا ہے۔ مستقبل میں ایسا نقشہ یقیناً ابھر سکتا ہے جہاں ایک طرف دنیا کے اسلامی ممالک کے خیمے نصب ہوں اور دوسری طرف امریکہ اور یورپ کی عیسائی اور یہودی طاقتیں۔ امریکہ اور روس کے حاشیہ برداروں نے ایران میں اسلامی انقلاب کے بعد جو رویہ اپنایا ہے اس سے یہ بات صاف طور پر عیاں ہوجاتی ہے کہ وہ اسلامی انقلاب کو اپنے لئے بھی ایک چیلنج تصور کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ ان کے عوام بھی کہیں اس انقلاب کے دھارے میں نہ بہ جائیں۔

اسلامی انقلاب کو سمجھنے سے پہلے ہم کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ اسلام کے بارے میں اسلامی طرز فکر اور غیر اسلامی طرز فکر میں بہت بڑا فرق ہے۔ مغربی مفکرین نے اس بات کا اچھی طرح پروپگنڈہ کیا ہے کہ مذہبِ اسلام کا سلسلہ صرف رسولؐ پاک کی ذات سے شروع ہوتا ہے اور یہ ایک ایسا مذہب ہے جس کا ارتقا وقت کے ساتھ آہستہ آہستہ ہوتا رہتا ہے۔ جبکہ اسلامی طرز فکر اس کے بالکل برعکس ہے۔ دراصل اسلام ارتقائی عمل کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اسلام کا وجود اس دن عمل میں آ گیا تھا جب حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی تھی۔ آج کی موجودہ دنیا کے سیاق وسباق میں متمدن ہونے کا مطلب معاشی خوشحالی اور دنیا وی مال وزر کی فراوانی سے لگایا جاتا ہے۔ جبکہ اسلامی نقطہ نظر میں متمدن ہونے ک مطلب خدا شناس ہونا۔ حق پرست ہونا، اور خواص آدمیت کا حاصل ہونا ہے۔ حضرت آدم میں یہ ساری خصوصیات شامل تھیں۔ قرآن حکیم ان کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

''پھر اس کے رب نے اسے برگزیدہ کیااور اس کی توبہ قبول کرلی اور اسے ہدایت بخشی ......

سورۂ طٰہٰ -آیت :۱۲۲

دراصل حضرت آدمؑ کو جن خطوط پر زندگی گزارنے کی ہدایت ہوئی تھی وہی اسلام کے اصل خطوط تھے اور حضرت آدم اس زمین پرخلق ہونے والے پہلے عالم تھے۔ ان کے بعد آنے والے انبیاء کا ایک سلسلہ ہے جن کے بارے میں بھی قرآن میں صاف صاف ارشاد ہوا ہے:

''اللہ نے آدمؑ نوحؑ ابراہیمؑ اور آل عمران کو تمام عالموں پر منتخب کیا۔ (سورۂ آل عمران ۔آیت

(۳۳

اسی طرح حضرت ابراہیم کے مسلم ہونے کا تذکرہ قرآن میں اس طرح ملتا ہے:

''ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ وہ پکے مسلم تھے۔'' (آل عمران آیت ۶۷)

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کسی ایک محدود دائرے کا نام نہیں ہے بلکہ اس دنیا میں جب بھی مظالم کی انتہا ہوئی ہے۔ خیر کی طاقتوں کو تقویت پہنچانے کے لئے پیغمبروں کا نزول ہوتا رہا ہے۔ مگر یہ بات قابلِ غور ہے کہ ہمارے رسولؐ سے پہلے جو بھی نبی آئے وہ اپنی اپنی قوم کی فلاح کے لئے آئے اور انہوں نے یہ دعویٰ بھی پیش نہیں کیا کہ ان کا پیغام آخری، ابدی اور عالمگیر ہے۔ لیکن محمد بن عبداللہؐ ہی وہ نبی تھے جو اس دنیا میں آخری نبی کی صورت میں بھیجے گئے اور کسی ایک قوم کیلئے نہیں بلکہ ساری انسانیت کیلئے نبی بنا کر بھیجے گئے۔ اس طرح یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ رسول کے بعد حق و باطل، اسلام اور کفر کے درمیان جب بھی اور جہاں بھی صف آرائی ہوئی اسکے لئے نمونہ و نظیر اسوۂ نبویؐ ہی قرار پائے گا یا یوں کہیں کہ قیامت تک برپا ہونے والے تمام اسلامی انقلابات کے رہبر اور ہادی ہمارے رسولؐ ہی ہونگے۔

آج ہم جس دنیا میں سانس لے رہے ہیں وہ پہلے سے بہت مختلف دنیا ہے۔ ایک ایسی دنیا جہاں سارے عقیدے، سارے نظریات، سارے نظام اور سارے فکری دھارے ایک سوالیہ نشان بن کر کھڑے ہوگئے ہیں۔ انسان کا علم جتنا بڑھتا جارہا ہے انسان کی بنیادی حیثیت اتنی ہی گھٹتی جارہی ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جو مشرق و مغرب اور شمال تا جنوب ساری دنیا میں پھیلتا چلا جارہا ہے۔ گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ انسان بے بس اور مجبور ہوتا چلا جارہا ہے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ جب انسان کے سامنے وہ نظریات اور وہ فکری دھارے جو وقت کی کسوٹی پر اپنی آب و تاب کھو چکے ہیں۔ طلائی طشتریوں میں سجا کر پیش کئے جاتے ہیں تو وہ ان کی چمک دمک کو دیکھ کر انسان کسی معصوم بچے کی طرح لپکتا ہے۔ مگر جب وہ قریب جا کر دیکھتا ہے تو وہاں سوائے سراب کے اسے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ سراب وہ سراب نہیں ہے کہ جہاں معصوم آنکھیں دھوکہ کھا جاتی ہیں۔ بلکہ یہ سراب تو مغربی سامراجی نظام کا ایک ایسا جال ہے جس کو ساری دنیا پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کیلئے سامراجی طاقتوں نے بڑی ہوشیاری اور مکاری کے ساتھ بچھایا ہے۔ علامہ اقبال کے الفاظ ہیں:

آ بتاؤں تجھ کو رمز آیۂ ان الملوک
سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادوگری

خواب سے بیدار ہوتاہے ذرا محکوم اگر
پھر سلادیتی ہے اسکو حکمراں کی ساحری

اس سراب رنگ وبو کو گلستاں سمجھاہے تو
آہ اے ناداں! قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

امام خمینی کو جو دنیا ملی اس کے نقشے پر دو بڑی طاقتوں کا بول بالا تھا۔ یایوں کہیں کہ دوشیطان کھڑے تھے جوساری دنیا کونگل لینا چاہتے تھے ۔ان ملکوں نے اپنی اپنی نوآبادیت قائم کرلی تھیں اور یہیں لوٹ کاوہ سلسلہ شروع ہوا تھا جس نے تمام پرانی اقدار کو، تمام مذہبی روایات کو، پاسداریکو، رشتوں ناتوں کوسرمایہ اورحرص کی ڈوری سے جوڑ دیا تھا۔جوممالک ان کے زیرنگیں تھے، ان کا بنایا ہوا مال خرید رہے تھے یہ انہیں کو اپنی مادی نعمتوں سے نوازرہے تھے ۔ ورنہ دوسری صورت میں یہ ایسے حالات پیدا کررہے تھے کہ وہ ممالک خانہ جنگی کا شکار ہوکر ان کے قدموں پر دوبارہ سر رکھنے پر مجبور ہوجائیں۔ دوسرے ممالک کی طرح نام نہاد اسلامی ممالک بھی اپنے کوان اثرات سے محفوظ نہیں رکھ سکے رسول کی تعلیمات ،علی کی فتوحات اورحسینؑ کی عظیم قربانی کو انہوں نے فراموش کردیا۔ وہ ممالک اندر سے اس جذبہ خودداری کو بیدارنہیں کرسکے۔جسکی پاسداری کیلئے انہوں نے اسلامی مملکتوں کو قائم کیا تھا۔ سامراجی طاقتوں نے اسلامی ممالک کا نقشہ کچھ اس طرح بنادیا کہ وہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گئے۔ وہاں کا سیاسی اور معاشی نظام مغربی طرز پر بنایا گیا اور ان لوگوں کوحکومت کی گدی پر بٹھایا گیا جومغربی ذہن رکھتے تھے اور ان ممالک کی دولت کومغربی دنیا اور یورپی دنیا کو دینے میں عارنہیں سمجھتے تھے۔

اور یہی وہ نقطہ عروج تھا جہاں ساری دنیا نے ایران کی سرزمین سے ایک ایسے تازہ آفتاب کو ابھرتے ہوئے دیکھا جس نے آنے والے زمانے میں ایک انقلاب برپا کردیا۔ یہ انقلاب صرف ملکی آزادی اور جابرحکمرانوں کو اکھاڑ پھینکنے کے لئے ہی نہیں آیا بلکہ یہ انقلاب اپنے ساتھ ان اصولوں اور

نظریوں کو بھی لیکر آیا جن کو پانے کے لئے یہ دنیا ایک عرصے سے زہر کے جام پی رہی تھی۔ یہ وہی اصول اور وہی نظریات تھے جو رسولؐ نے ساری نوع انسانی کی بقاء کے لئے مرتب کئے تھے۔ رسول نے آنے والے زمانے کے لئے ایک ایسا راستہ ہموار کردیا تھا جس میں سوائے ایک خدا کے دنیا کی ہر خدائی سے انکار تھا۔ اب ایک طرف دنیا کی وہ بڑی طاقتیں تھیں جن کو دنیا کی ہر چیز کو اپنے داموں پر خرید لینے کا گھمنڈ تھا اور جہاں دنیا کی ہر بساط پر انکی ہی مہرے بیٹھے ہوئے تھے۔ دوسری طرف وہ صاحبِ کردار فاقہ کش اور بوریہ نشین انسان تھا، جس کے وجود نے بلند ایوانوں میں ایک کھلبلی پیدا کردی تھی۔ امام خمینیؒ کے اسلامی انقلاب کی صورت میں ایران کی سرزمین سے وہ لاوا پھوٹ پڑا جس نے ساری دنیا میں شہنشاہیت کے ستونوں کو ہلا ڈالا، وہ عالمِ دین جو خاک نشین تھا اور جو خدائے برتر کے لئے علاوہ کسی بھی دوسری طاقت کے آگے سجدہ نشین ہونے کو تیار نہیں تھا۔ وہ عالمِ دین جس کو شہنشاہیت نے ملکوں ملکوں کی دربدری کے لئے مجبور کردیا تھا۔ وہ عالم دین جو دیکھنے میں ایک بوڑھا اور کمزور سا آدمی تھا، اسی عالمِ دین نے جب اپنے لبوں کو جنبش دی تو ملک ایران جو سینکڑوں سال سے عامرانہ طاقتوں کے سہارے عیش وعشرت کی زندگی گزار رہا تھا زہد وتقویٰ میں ڈوب گیا۔ بوتلیں توڑ ڈالی گئیں۔ مصلے بچھا دیئے گئے۔ جوان چہروں پر داڑھیاں اگھ آئیں اور وہ سر جو شاہوں کے آگے جھکنے کے عادی ہو چکے تھے اب صرف خدائے برتر کے آگے جھکنے لگے، وہ نوجوان جو میدانِ جنگ میں توپوں کے منھ موڑ رہے تھے ان کی راتیں عبادتوں اور ریاضتوں میں گزرنے لگیں۔ میدانِ جنگ میں جس قدر سختیاں جھیل رہے تھے ان کے سر سجدہ شکر میں اتنے ہی زیادہ جھکتے چلے جارہے تھے۔ کربلا کے بعد یہ منظر دنیا کو پہلی بار نظر آرہا تھا اور دنیا سوچنے پر مجبور ہوگئی تھی کہ یہ انقلاب صرف ملک گیری کے لئے ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یہ انقلاب دوسرے کی زمین چھیننے کیلئے بھی نہیں ہوسکتا۔ یہ انقلاب صرف اصولوں اور نظریوں کی بقاء کے لئے ہی ہوسکتا ہے۔ اور دنیا نے دیکھا کہ شہنشاہیت چکنا چور ہوگئی اور سامراجی طاقتوں کے سارے منصوبے خاک میں ملا دیئے گئے۔ امام خمینیؒ نے کربلا کے بعد پہلی مرتبہ انسانی کردار کو اس بلندی پر پہنچا دیا جہاں اصولوں کے آگے جان کی کوئی قیمت نہیں رہ جاتی اور جہاں انسانی کردار ہی تیز تر ہتھیاروں کا کام کرتا ہے۔ دراصل امام خمینیؒ کے لئے حاصل زندگی صرف یہ نہیں تھا کہ وہ اپنے ملک کو شہنشاہیت کے پنجوں سے نجات دلا دیں بلکہ انکی عظمت یہ تھی کہ انہوں نے آزادی اور خودداری کی للک کو قومی دھارے میں تبدیل کردیا اور اسلامی

اصولوں اور ضابطہ حیات کو ہر انسان کے دل کی تڑپ بنادیا۔

دارا وسکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی
(اقبالؔ)

یہ انقلاب کسی ایک ملک یا کسی ایک قوم تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ یہ اسلامی انقلاب تو ساری دنیا پر چھا جانے والا ایک ایسا فکری عمل تھا جس کو ایک نہ ایک دن پورا ہونا ہی تھا۔ ایران کے جس اسلامی انقلاب نے شہنشاہیت اور ملوکیت کی عمارت گرادی تھی اس سے پورا عالم اسلام متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ دنیا کے بہت سے اسلامی ممالک کو بیلٹ باکس کے ذریعہ انتخاب کرائے۔ کویت میں عوامی مظاہروں نے ایسی صورت اختیار کرلی کہ امیر کو پارلیمنٹ بحال کرنی پڑی۔ الجیریا کی راجدھانی الجزائر میں عوامی جوش سے ایک طلاطم برپا ہوگیا اور حکومت کو ممنوعہ جماعتوں کو قانونی حیثیت دینے کے لئے مجبور ہونا پڑا۔ دنیا کے نقشے پر موجود اسلامی ممالک میں صرف پاکستان، ملیشیا اور ترکی ہی ایسے ممالک تھے جہاں پہلے سے جمہوریت موجود تھی مگر وہاں بھی اسلامی انقلاب نے ایک نئی زندگی پھونک دی۔ عورتیں اور دبے کچلے عوام اپنے حق کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ کچھ اسلامی ممالک نے ہمیشہ کی طرح، اپنے مغربی آقاؤں کے اشاروں پر آمرانہ اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے، اپنے ہی ملک میں بغاوتیں کرائیں اور خاندانی روایات کا واسطہ دے کر اپنا اقتدار قائم رکھا اور آزادی کی چنگاری کو راکھ کے ڈھیر میں چھپانے کی کوشش کی۔ مگر انقلاب ایران کی ہوا پاکر راکھ میں دبی ہوئی سیاسی چنگاریاں شعلہ جوالہ بن گئیں اور عامرانہ ذہنیت پر ٹکی ہوئی عمارتیں آہستہ آہستہ ہلنے لگیں۔

در اصل یہ اسلامی انقلاب کا پرتو ہی تھا کہ دنیا سے ایرانی شہنشاہیت کے خاتمہ چند برسوں بعد ہی عالی سطح پر بھی وہ واقعات نمودار ہوئے دنیا نے جن کا پہلے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ یہ آگ مشرقی یورپ میں جب پہنچی تو روسی آمروں کی پناہ میں پل رہے شاہوں کو اکھاڑتی چلی گئی۔ پولینڈ، ہنگری، چیکوسلواکیہ، بلغاریہ، رومانیہ اور مشرقی جرمنی میں عام انتخابات ہوئے اور عوامی سرکاریں وجود میں آگئیں۔ ساؤتھ افریقہ کی کمزور سرکار نے وقت کی آواز کو پہچان لیا اور ۲۷/ برسوں سے جو گناہ وہ نیلسن منڈیلا کو قید میں ڈال کر کر رہی تھی، س کا کنارہ کرلیا۔ جنوبی ایشیا بھی آزادی کی نیلم گری سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ نیپال میں عوامی انقلاب کی وہ آندھی آئی کہ شاہ کو خاندانی اقتدار سے ہاتھ کھینچ لینا

پڑا اور عنان حکومت عوام کو سونپ دینی پڑی۔

چین کا اشتراکی نظام ہمیشہ سے آمرا نہ رہاہے۔ مگر جب ساری دنیا میں قید بند سے آزاد ہوجانے کی ہوائیں چل رہی ہوں تو وہ کیسے اچھوتا رہ سکتا تھا۔ چینی عوام پوری آزادی تو نہیں حاصل کر سکے مگر تھیان میں چوک پر جو کچھ ہوا اور جس طرح چینی طالب علم ٹینکوں کے آگے سینہ سپر ہوگئے اس نے چینی حکمرانوں کی نیندیں اڑادیں۔

او ر انقلاب ایران جب تمام جغرافیائی سرحدوں کو پار کرتا ہوا امریکی حدوں میں داخل ہوا تو وہاں کی وسطی اور جنوبی ریاستوں میں ڈکٹیٹرشپ کا جنازہ نکل گیا۔ نکارا گوا لسولا ڈور، برازیل اور ارجن ٹینا کی ریاستیں اپنے روائتی خول سے باہر نکل آئیں اور وہاں بھی عوام حکومتیں قائم ہوگئیں۔

اور ایک وقت ایسا بھی آیا جب امام خمینیؒ کی شخصیت کو دنیا کے نقشے پر قول اور عمل میں مطابقت کی علامت سمجھا جانے لگا۔ دنیا کا ایک بڑا حصہ ان کے چشم وابرو کے ایک اشارے پر اپنی جان نچھاور کرنے کو تیار ہوگیا۔ اور دنیا کے تمام مذاہب کے لئے یہی وہ لمحہ فکر تھا جب وہ اسلامی انقلاب کو اپنے لئے چیلنج تصور کرنے لگے ، یہودی اور عیسائی دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ گذشتہ تاریخ کے باب ان کی آنکھوں کے سامنے بار بار ابھرنے لگے۔ یہودی اور عیسائی دنیا کی وہ طاقتیں جو اسلام سے ہمیشہ نبرد آزما رہی تھیں آج پھر سر جوڑ کر بیٹھ گئیں اور اسلامی انقلاب کے اس تازہ دھارے کو روکنے کا بندو بست کرنے لگیں۔ انہوں نے اپنی فراست اور چالاکی سے اسلامی انقلاب کو کچلنے کے لئے نام نہاد اسلامی ممالک کو ہی اپنا آلہ کار بنا لیااور ایران کو جنگ کی بھٹی میں اس لئے جھونک دیا کہ ایران اور اسلامی انقلاب دونوں جل کر بھسم ہوجائیں۔ مگر مغرب کے سیاستداں یہ بھول گئے کہ آگ میں انسانی جسم تو جل سکتے ہیں مگر انسانی کردار نہیں جل سکتے۔ جنگ تو ختم ہوگئی مگر ایک دنیا نے دیکھ لیا کہ جنگ کی آگ میں تپ کر ایرانی عوام کس طرح سونے سے کندن بن گئے۔ علامہ اقبال کے الفاظ ہیں:

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

رسولؐ کے زمانے میں بھی اسلام کو سب سے زیادہ خطرہ ان عناصر سے تھا جو اسلام کے پیکر میں اسلام کے دشمن تھے۔ ایران کے اسلامی انقلاب کو بھی سب سے زیادہ نقصان ان مسلمانوں سے پہنچا جن کا مرثیہ علامہ اقبال نے اس طرح پڑھا تھا:

کیا سنا تا ہے مجھے ترک وعرب کی داستاں
مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز ساز

لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیل
خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاکِ حجاز

حکمتِ مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کردیتاہے گاز

ہوگیا مانند آب ارزاں مسلماں کا لہو
مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانا ئے راز

عراقی حکومت کے خلاف جنگ میں امریکہ اور اس کے حاشیہ برداروں کو نہ صرف سعودی عرب کی اسلامی سرزمین کا سہارا مل گیا بلکہ ترکی، شام اور مصر جیسے بڑے مسلم ممالک بھی ان کے حکم بردار ہوگئے۔

مگر اس بات کی گارنٹی کون دے گا کہ وہ ممالک جو جنگ میں ایک ساتھ لڑ رہے ہوں وہ جنگ ختم ہوجانے کے بعد بھی ایک ساتھ ایک ہی خیمہ میں رہیں گے۔ ۱۹۴۱ء میں جب ہٹلر نے روس پر حملہ کیا تھا تو مغربی ممالک فوراً روس کی مدد کو پہنچ گئے تھے۔ مگر دوسری جنگ عظیم میں وہ مغربی ممالک روس کے خلاف ہتھیار بندی اور سرد جنگ میں پیش پیش تھے۔ کیاسعودی عرب، ترکی اور مصر وہی ممالک نہیں ہیں جو ایران کے خلاف جنگ میں عراق کا ساتھ دے رہے تھے؟ دنیا اتنی تیزی سے بدل رہی ہے کہ آنے والے زمانے کے بارے میں صرف تصور ہی کیا جاسکتا ہے۔ مگر اسلامی انقلاب کے بعد اسلامی سرزمین پر برپا ہونے والی دونوں جنگوں میں چاہے اور کوئی بات مشترک ہو یا نہ ہو مگر کچھ باتیں ضرر مشترکہ ہیں اور جو اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ مغربی طاقتیں اسلامی سرزمین اور اسلامی عوام کا کس قدر استحصال کررہی ہیں۔ پہلی جنگ بھی امریکہ اورس کے حاشیہ بردار لڑ رہے تھے اور دوسری جنگ بھی امریکہ اورس کے حاشیہ بردار لڑ رہے تھے۔ دونوں جنگیں اسلامی سرزمین پر لڑی

جارہی تھیں اور دونوں جنگوں میں سلامی خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔ اور یہ سارا تماشہ عیسائی اور صیہونی طاقتیں ساری دنیا کو اس لئے دکھارہی تھیں کہ دنیا کے دوسرے وہ ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک ان کو اپنا آقا اور مالک تصور کرتے ہیں اور اسلامی انقلاب کے تصور کو کسی خواب کی طرح بھول جائیں۔

مگر ایک دنیا دیکھ رہی ہے کہ مغربی دنیا اور اسلامی دنیا کے بیچ مورچہ بندی کے لئے جواز بھی موجود ہے اور گولہ بارود بھی۔ ساتھ ہی مغربی دنیا کی حالیہ یلغار نے یہ ثابت کردیا ہے کہ اگر کبھی پوری مغربی دنیا اور اسلامی دنیا میں ٹکراؤ کی نوبت آئی تو دنیا کے دو بڑے کمیونسٹ ممالک روس وار چین کسی بھی خیمے میں نظر نہیں آئیں گے مگر ان کی پوری ہمدردیاں مغربی ممالک کے ساتھ ہوں گی کیونکہ روس کو جتنا بڑا خطرہ اپنے بالٹک جمہوریہ ازبکستان، تاجکستان، قزاقستان، آذربیجان، کرغیریا اور ترکمانیہ وغیرہ کے آزاد ہونے کا ہے۔ پاکستان افغانستان اور ایران سے آئی ہوئی اسلامی انقلاب کی ہوائیں ان میں تازہ روح پھونک سکتی ہیں اور جذبہ حریت کو جلا بخش سکتی ہیں۔ تازہ خبر یہ آئی ہے کہ روس میں ''اسلامک ریوائیل'' پارٹی وجود میں آچکی ہے اور ماسکو سے اس کا اخبار ''الوحدت'' کے نام سے جاری ہوگیا ہے۔ اسی طرح چین کا زنجیانگ سور جہاں ترکی بولنے والے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی آبادی موجود ہے اور جو کبھی مشرقی پاکستانی کہلاتا تھا، پاکستان سرحدوں کے ذریعہ اسلامی انقلاب سے اپنے رشتے ہموار کرسکتا ہے۔

مگر امریکہ اور اس کے ہم نواؤں نے دنیا کے نقشہ پر سیاسی بساط بچھا دی ہے۔ عرب کی سرزمین کے ساتھ ساتھ عرب کے فرمانرواؤں کو اپنے جال میں اُلجھا لیا ہے اور ایک ایسے نئے عالمی نظام کی بنیاد ڈال دی ہے جو بظاہر آئندہ جنگوں کو روکے گا مگر جو دراصل اسلامی انقلاب کے اس دھارے کو روکنے کے لئے بنایا گیا ہے جو روز بروز اسلامی دنیا کے عوام کے دلوں میں گھر کرتا جارہا ہے۔

آج دنیا امن چاہتی ہے۔ اسلامی انقلاب امن کا پیغامبر ہے۔ آج دنیا علم چاہتی ہے، اسلامی انقلاب علم کا پاسبان ہے۔ آج دنیا عمل چاہتی ہے، اسلامی انقلاب عمل کی درسگاہ ہے۔ آج دنیا ایمان چاہتی ہے، اسلامی انقلاب ایمان کا پرتو ہے۔ آج دنیا کردار چاہتی ہے، اسلامی انقلاب کردار کا آئینہ دار ہے۔ دکھوں سے بھری ہوئی اس دنیا کو اس سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہئے۔

موجودہ زمانہ اس عظیم المرتبت ہستی کو نہیں بھولا ہے جس کی ایک جنبش لب نے شاہی ایوانوں میں تہلکا مچا دیا تھا۔ جس کے متبرک ہاتھوں نے اس عظیم انقلاب کی داغ بیل ڈال دی تھی اور زمین ہموار کردی تھی کہ آنیوالا زمانہ ہمیشہ اس کی آبیاری کرتا رہے۔

آج افغانستان، عراق اور دیگر اسلامی علاقوں سامراجی دھماکوں کے سایہ میں آگ کی لپٹیں بلند ہورہی ہیں وہ صرف ان ممالک کی سرحدوں تک ہی محدود رہنے والی نہیں ہیں، بلکہ یہ آگ اس خطہ زمین کے عوام کے دلوں میں سلگتی ہوئی اس آگ کی غمازی کررہی ہے جوساری دنیا میں پھیل جانے کو بے چین ہے۔ اسلامی انقلاب کی آمد آمد ہے۔ اور دنیا کے تمام دنیا کے تمام مظلوموں اور بے سہارا لوگ اس کا استقبال کرنے کے لئے اپنی باہیں پھیلائے ہوئے ہیں۔ اور خداوند عالم نے اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں انہیں مظلوموں کو دنیا کا وارث بنانے کا وعدہ کیا گیا ہے۔

جو مجھ کو زندہ جلارہے ہیں وہ بے خبر ہیں
کہ میری زنجیر دھیرے دھیرے پگھل رہی ہے
(جاوید اختر)

کلام امام خمینیؒ پر حافظ شیرازی

عراق رضا زیدی

فارسی غزل گوئی میں حافظ شیرازی کو وہی مقام حاصل ہے جو اردو غزل میں غالبؔ کے حصے میں آیا ہے۔ شہرت، پسندیدگی اور مقبولیت میں ایران و ہند کے علاوہ بھی ایک عالم میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اداروں سڑکوں اور محلوں کے نام ان کے نام سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ حافظ شیرازی آٹھویں صدی ہجری کے شاعر ہیں۔ان کی وفات 791 میں شیراز میں ہوئی تھی۔''خاک مصلیٰ'' سے ان کی تاریخ وفات حاصل ہوتی ہے۔ بیسویں صدی کے اوائل تک تقریباً سبھی غزل گوشعرا نے حافظ کی پیروی کی کوشش کی ہے۔ ہندوستان کے مشہور غزل گوشعرا میں نظیری ،عرفی اور فیض نے حافظ کی زمین میں غزلیں کہیں ہیں۔ غالب پر بھی حافظ کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔

بیسویں صدی جسے جدید شاعری، شعر نو اور شعر سپید جیسی تحریکوں نے اپنی اصل احساس سے بغاوت پر آمادہ کر کے مغربی افکار و رجحانات کا غلام بنادیا۔ اسے زندگی سے قریب کی شاعری سے منسوب کیا گیا حالانکہ جن سمبولک الفاظ کی دہائی آج دی جارہی ہے روایتی شاعری کے استعاروں میں وہ سب کچھ موجود تھا جس کو'' ہماری شاعری'' میں مسعود حسن رضوی ادیب نے ثابت بھی کیا ہے۔ ایران میں ہندوستان سے زیادہ مغرب زدہ لوگ موجود تھے ان کی مغرب نوازی جب ادب کے ساتھ اصل زندگی میں سرایت ہوئی تو صنف نازک سے منسوب غزل ہی نہیں بلکہ اصل صنف نازک بھی لباس سے عاری ہوکر محفل رقص ومیخواری کا دلکش نظارہ بن کر رہ گئی۔انسانی اقدار جو اسلامی نظام کا ایک جز ولاینفک ہیں آہستہ آہستہ دم توڑنے لگیں کیوں کہ عیاش شہنشاہ کو اپنی عیاشی کے لئے گماشتے چھوڑنے کی ضرورت بھی نہ رہی وہ جس کی تلاش رہتی تھی وہ سر عام اپنے جلوے دکھا رہا تھا۔ لہٰذا رضا شاہ پہلوی نے اسے آئین کا حصہ بنا کر حجاب کوممنوع قرار دے دیا۔ یہ وہ عوامل تھے جو دین پرستوں کو راس نہ آسکے اور اس نظام کے خلاف آواز اٹھانا واجب کی حدود میں آ گیا۔حق پرستوں کا قتل عام اور جلاوطنی کا سلسلہ شروع ہوا تو امام خمینی کی شکل میں رہبر انقلاب نے ایسا انقلاب بر پا کیا کہ ایران سے ہمیشہ کے لئے ظلم واستبداد کا جنازہ نکل گیا۔ اسلامی انقلاب آیا تو اس میں بھی ایک شدت کا شائبہ نظر آیا جسے امام خمینیؒ کی نظروں نے قابو سے باہر ہونے سے قبل بھانپ لیا ۔ یہ شدت

تھی غزلوں کے مضامین کے خلاف جن میں بظاہر گل وبلبل ، گیسو، ابر وعارض ،لب ،دل، جام،شراب اور پیمانے وغیرہ کی باتیں تھیں اور شاہ کے زمانے میں ان کا ایسا کھلے عام استعمال ہو چکا تھا کہ لوگوں کو اب ان کے نام سے بھی نفرت ہونے لگتی تھی۔عوام ان کتابوں کو نذر آتش کرنے کے لئے آمادہ ہونے لگے۔خصوصاً کلام حافظ سے جو کہ ایرانی ادب کی شناخت بن چکا تھا ایسا متنفر ہوئے کہ سوائے رہبر انقلاب کے ان کے جذبات پر کسی کو قابو پانا مشکل ہوگیا۔ جب تک ان الفاظ کی تاویلیں پیش کی جاتیں اور عوام کو سمجھایا جاتا تب تک بہت دیر ہوچکی ہوتی۔ لہٰذا اس طوفان کو روکنے کے لئے خود امام خمینی نے اسی لب ولہجے میں غزلیں کہنا شروع کیں جس میں روایتی غزلوں کا خزانہ تھا خصوصاً غزلیات حافظ کہی گئی تھیں۔ امام خمینی نے ان الفاظ کے عرفانی معنی ومطالب بھی بطور تشریح پیش کئے۔ مثلاً ''آب'' جس کے معنی پانی کے ہیں اسے عرفانی اصطلاح میں ''فیض ومعرفت'' کے معنی میں سمجھایا۔ صفات الٰہی کو حاجب ذات ہونے کی بنا پر ''ابروٗ'' سے تعبیر کیا۔ بو سے کو'' فیض وجذبہ باطن'' کی خواہش مندی کا نام دیا۔ پیانہ کو'' دل عارف'' مراد لے کر انوار غیبی کے مشاہدے کا ذریعہ بتایا۔'' جام'' کو تجلیات الٰہی کی جلوہ گاہ اور انوار لامتناہی کا مظاہرہ کرنے والا بتایا۔ خال کو ایک نقطہ سمجھ کر نقطۂ وحدت کا اشارہ گردانا،گیسو کو ایک ایسا رشتہ قرار دیا جو سالک کو طلب کی راہ میں حق تک پہنچاتا ہے۔حسن ایک ذات میں مجتمع ہونے والے کمالات کو تصور کیا کیونکہ کمالات کی آخری منزل خدا کے علاوہ کسی کے پاس نہیں لہٰذا یہ ذات خدا ہے۔عشق جس کی دوصورتیں مشہور تھیں عشق مجازی اور عشق حقیقی اسے صرف عشق حقیقی تک محدود رکھ کر وجود کائنات اور حرکت افلاک کو عشق کی بدولت سمجھا۔غرض کہ وہ تمام الفاظ جو ایک مدت تک اپنی حیثیت کھو چکے تھے انہیں دوبارہ معنویت بخش کر روایتی شاعری کو عام کیا اور خود بھی یہی شاعری کی۔ امام خمینی چوں کہ اپنے دور کے نہایت ذہین ، جری اور اکثر علوم دینی ودنیوی سے مزین وبہرہ ور تھے۔ لہٰذا جب غزل کہنا شروع کی تو امام الغزل حافظ شیرازی کی پیروی کی اس پیروی کے لئے مندرجہ بالا اسباب کے علاوہ کچھ اور بھی اسلامی وقرآنی ہم آہنگی بھی متحرک ہوئی جس نے حافظ کی پیروی کو نئی رفتار عطا کردی ۔ امام خمینیؒ کی کامیابی کا راز قرآنی افکار ورموز سے آگاہ ہو کر ان پر عمل پیرا ہونا تھا۔ وہ قرآنی نکات سے اچھی طرح واقف بھی تھے اور عمل پیرا بھی۔ یہ قرآنی افکار حافظ شیرازی کے بھی ذہن ودل کا آئینہ تھے جیسا کہ بہاؤالدین خرمشاہی نے'' حافظ'' پر تحریر کیا ہے۔

"اوصاحب ابن فضیلت از فضل قرآن پژوھی نیز بھرہ منداست" اور ایک جگہ لکھتے ہیں۔

''باری حافظ ہم قرآن شناس بود، ہم بلاغت شناس، قرآن شناس بود، فضل وفرہنگ بسیاری خواہد، قرآن شناس یعنی کسی کہ بہ علوم قرآنی احاطہ دارد۔'' کلام حافظ میں یہ سارے شواہد موجود ہیں۔ مثلاً

صبح خیزی وسلامت طلبی چون حافظ
ہر چہ کردم ہمہ از دولت قرآن کردم

حافظ کی طرح برائے سلامتی صبح کو اٹھنا یہ سب کچھ میں نے قرآن سے سیکھا ہے۔

اس طرح کی مثالیں حافظ کے اشعار میں جابجا موجود ہیں یہاں ایک اور مثال دی جاسکتی ہے وہ خون خرابے کو بھی قرآن کی نظر سے حرام سمجھتے ہیں۔

ای چنگ فرو بردہ بخون دل حافظ
فکرت مگر از عزت قرآن خدا نیست

اے حافظ کو قتل کرنے کی فکر میں رہنے والے شاید تجھے خدا کے قرآن کا پاس نہیں ہے۔
انہیں قرآنی نکات نے حافظ کی تمام شعروں کو عرفانی شاعری میں ڈھالنے کا کام کیا۔ امام خمینی خود بھی قرآن اور اس کے آئینے میں عرفان کو محبوب سمجھتے تھے لہٰذا ان عوامل نے بھی آپ کی شاعری میں حافظ کے اثرات قبول کیئے۔ ایک آخری وجہ حافظ کا اپنا اسلوب ہے جس میں فصاحت، ملاحت، ایک مخصوص سادہ گری، مختصر سے الفاظ میں بڑے بڑے مطالب اور لطیف ترین معانی ادا کرنا، شیرینی، ایجاز اور پاکیزگی ہے۔ حافظ کے دیوان کی ابتدا مندرجہ ذیل شعر سے ہوتی ہے۔

الّا یا ایّھا الساقی اور کاساً و ناولھا
کہ عشق آسان نمود اوّل دلی افتادہ مشکلھا

خبردار اے ساقی ساغر اٹھا اور تقسیم کر، کیوں کہ آغاز عشق آسان نظر آیا لیکن اب مشکلوں کا سامنا ہے۔ امام خمینیؒ نے اپنی کئی غزلوں کا آغاز ''الایاایّھا الساقی'' سے کیا ہے اور ایک غزل تو اسی زمین میں ہی کہی گئی ہے۔

الا یا ایّها الساقی برون برحسرت دلها
که جامت حل نماید یکسره اسرار مشکلها

اے ساقی دور ساغر چلاتا کہ دل کی حسرتیں نکل سکیں ، تیری شراب سبھی مشکل اسرار کو حل کردیتی ہے۔

اسی زمین میں حافظ کی سات اشعار کی غزل ہے۔ امام خمینی نے بھی غزل سات اشعار پر ہی مبنی رکھی۔ اس آٹھ قوافی کی غزل کا پہلا اور آخری مصرع عربی زبان میں تحریر ہے۔ جب کہ امام خمینی نے دور حاضر پر نظر رکھتے ہوئے اس سے گریز کیا ہے اور حافظ کی پیروی میں صرف آغاز عربی الفاظ سے کیا ہے۔ خمینی صاحب نے ایک دوسری زمین میں اسی ترکیب کا تتبع کیا ہے۔

الایا ایّها السّاقی زمی پر ساز جامم را
که از جانم فرو ریزد هوای ننگ ونامم را

اے ساقی اٹھ اور ہمارے جام کو شراب سے لبریز کردے جو ننگ ونام کی ہوس کو دل سے نکال دے۔

ان مطالب کے علاوہ قرآنی حکایات میں آئے ہوئے نبیوں رسولوں کے ناموں کے علاوہ اماموں اور اہم شخصیات کے ناموں سے تلمیحاتی نظام میں جو فیض حافظ نے اٹھایا ہے وہ امام خمینی کے کلام میں ملتا ہے۔ مثلاً حضرت آدم ، آزر، سکندر، جناب خضر ، حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت داؤد، روح الامین روح القدس ، زلیخا، جناب سلیمان جمشید ، شیرین، حضرت عیسیٰ ، فرہاد، کسری ۔ لیلیٰ ، مجنوں، مانی، جناب موسیٰ، جناب نوح، نمرود، جناب یعقوب ، جناب یوسف اور ہمارے پیغمبر محمد مصطفیٰؐ مختلف صفاتی ناموں سے یاد کئے گئے ہیں۔ جناب خضر کی تلمیح کو حافظ نے تقریباً اپنے انہیں اشعار میں استعمال کیا جب کہ خمینی صاحب نے صرف دو جگہ سے فیض اٹھایا ہے۔ یہاں مثال میں ایک ایک شعر دونوں کا پیش کیا جاتا۔

حافظ دریا کوه درره ومن خسته ضعیف
ای خضر پی خجسته مدد کن بهمتم

زندگی کی راہ میں سمندر اور پہاڑ مشکلوں کی صورت میں ہیں اور میں لاچار وضعیف ہوں۔ اے خضر میری مدد کر۔

امام خمینی دست گیری کنم ای خضر! که در این ظلمات
پی سرچشمه آب حیوان آمده ام
اے خضر بحر ظلمات میں مجھے راستہ دکھا
میں چشمہ آب حیات کی تلاش میں آیاہوں

آخر میں چندوہ استعاراتی الفاظ ، کلام امام خمینیؒ سے بطور مثال پیش کئے جارہے ہیں جن کے لئے حافظ کے اشعار مشہور ومعروف ہوچکے ہیں وہ دل کی ہر بات انہیں الفاظ کے سہارے کہہ جاتے ہیں۔ یہاں حافظ کے اشعار اس لئے درج نہیں کئے جارہے ہیں کہ یہ تقریباً حافظ کی ہر غزل کا خاصہ ہیں اور مضمون کو طوالت سے بھی بچانا ہے۔

بردر میکده از روی نیاز آمده ام
پیش اصحاب طریقت بنماز آمده ام
از نهان خانه اسرار ندارم خبری
به در پیر مغان صاحب راز آمده ام

مندرجہ بالا اشعار میں درمیکدہ ، روی نیاز، اصحاب طریقت، نماز، نہان خانہ اسرار ، خبر ،پیر مغان ، صاحب راز،صوفی،خرقہ ، زاہد،سجادہ ، دیرمغان اورنغمہ نواز جیسے الفاظ غزلیات حافظ کی خوب یاد دلارہے ہیں۔ خمینی صاحب کی ایک غزل کے صرف تین اشعار میں آپ حافظ کی کسی بھی غزل کے کسی نہ کسی شعر کا لطف اٹھاسکتے ہیں ۔جن کا اردو ترجمہ اس طرح کیا جاسکتا ہے۔

میں از روئے نیاز میکدہ کے درپر آیاہوں ، میں نماز اداکرنے کے لئے اصحاب طریقت کے سامنے آیاہوں(یہاں اگر میکدہ (میخانہ)دنیاوی شراب والا مراد لیا جائے تو امام خمینی کی شخصیت مجروح ہونے کے ساتھ ترجمہ کرنے والے کی دانشوری پر بھی سوالیہ نشان لگ جائے گا)جب کہ دوسرے مصرع میں اہل طریقت اہل صفا یعنی خداوالوں کی بات کی گئی ہے۔ یہاں میکدہ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ گڑ گڑا کر اللہ سے دعامانگی جاتی ہے مناجات کی جاتی ہے اور مناجات کا طریقہ اہل طریقت سے زیادہ کون سمجھ سکے گا۔

دوسرے شعر میں شاعر کہتا ہے کہ میں درون پردہ اسرار سے بےخبر ہوں ۔ اسی لئے تو اس راز کو جاننے کے لئے پیرِ مغان، جو رازوں کا جاننے والا ہے، کے پاس آیاہوں ۔ یہاں پیر مغاں سے

مراد ''روحانی رہبر کامل'' ہے۔شراب پلانے والا ساقی نہیں۔

تیسرے شعر کے تیور قابل دید ہیں کہ صوفی تو اپنے خرقے میں ہے اور زاہد سجاد ہے اور میں پیر مغاں کے پاس نغمہ نواز آیا ہوں۔ یوں تو دیر مغاں اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں زرتشتیوں کے روحانی پیشوا جمع ہوتے ہیں جنہیں موبد بھی کہا جاتا ہے۔لیکن اس شعر میں کنایہ اہل معرفت کی مجلس کی طرف ہے۔

مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں ۱۹ ویں صدی کے اواخر اور بیسوی صدی میں گم ہوتی ہوئی فارسی شعری روایتوں کو امام خمینیؒ نے دوبارہ زندگی بخشی ہے اور اس کام کو خوبصورتی اور چابکدستی سے انجام دینے کے لئے غزلیات حافظ سے مکمل فیض اٹھایا ہے جس کی وجہ سے ان کے کلام پر حافظ کے گہرے اثرات نظر آتے ہیں۔

سیاست امام خمینیؒ کے نقطہ نظر سے

سید قیصر رضا تقوی

انسان کے ہر فعل کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے پہلے مقصد، دوسرے ارادہ، تیسرے عمل چوتھے نتیجہ، جب انسان کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے پیش نظر مقصد کا ہونا لازمی امر ہے اور جب ارادہ عمل کی منزل طے کر لیتا ہے تو ایک نتیجہ بر آمد ہوتا ہے۔ لیکن ہر عمل سے پہلے ذہن انسانی میں ایک فکر کا پایا جانا بھی لازمی ہے۔ اور اسی فکر کے تحت وہ اپنے ہر فعل کو تکمیل تک پہنچانے اور بہتر سے بہتر نتائج حاصل کرنے کی غرض سے ایک منصوبہ تیار کرتا ہے۔ اور اس منصوبہ کا انحصار اس کی اپنی ذاتی صلاحیتوں پر ہوتا ہے۔ جس کے مطابق وہ اپنی حکمتِ عملی مرتب کرتا ہے۔ اور اسی حکمتِ عملی کو سیاست کہتے ہیں۔ انسان کی ہر حکمتِ عملی پر اس کے نظریات اور ذہنی رجحانات اثر انداز ہوتے ہیں۔ یعنی انسان کی سیاست پر اس کے سوچنے کا انداز، ذہنی صلاحیت قوتِ ارادی اور کردار اور اخلاق کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ عام طور سے سیاست کا مطلب یہ نکالا جانے لگا ہے کہ ہر اخلاقی وغیر اخلاقی طریقہ کار اختیار کر کے اپنے ذاتی مقاصد کو حاصل کیا جائے اس بات سے قطع نظر کہ اس کے اس رویہ سے معاشرہ پر کیا اثر پڑتا ہے لیکن سیاست کا اصل مفہوم اس سے مختلف ہے جس سے بیشتر لوگ ناواقف ہیں۔

علماء اور دانشوروں نے سیاست کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ۱۔ تہذیب نفس ۲۔ تدبیر منزل۔ ۳۔ سیاست مدن تدبیر منزل اور سیاستِ مدن میں اتنا فرق ہے کہ تدبیر منزل کا دائرہ گھر کی چہار دیواری کے اندر پائے جانے والے انتظامی امور تک محدود رہتا ہے۔ جبکہ سیاست مدن لامحدود ہے۔ یعنی اس میں معاشرہ۔ شہر، ملک اور بعض اوقات تمام دنیا کے معاملات کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ انسان کی سیاست اس کے نظریات کی تابع ہوتی ہے۔ اس لئے انسان کا خدا مخلوقِ خدا اور قانونِ الٰہی کے متعلق جیسا نظریہ ہوگا ویسی ہی سیاست وجود میں آئے گی۔

اسی اصول کے پیش نظر موجودہ زمانے کی سیاست کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلے مادی سیاست، دوسری روحانی سیاست، مادی سیاست وہ ہوتی ہے جس کی بنیاد جھوٹ دغابازی اور مکاری پر رکھی جاتی ہے۔ اس طرح کی سیاست میں حیاتِ انسانی کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، ظلم وتشدد کے زور پر لوگ اپنی بالادستی قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مذہب کو بھی اپنا ذاتی مفاد حاصل کرنے کی غرض

سے استعمال کیا جاتا ہے۔لیکن سیاست میں اس طرح کے نظریات رکھنے والے لوگوں کی کوئی ذاتی قدر ومنزلت نہیں ہوتی بلکہ دولت اور طاقت واقتدار سے مرعوب ہوکر اپنی غرض کے تحت لوگ انہیں اپنا رہنما تصور کرلیتے ہیں لیکن جب یہ دولت طاقت واقتدار ختم ہوجاتا ہے تو ایسے لوگوں کا سیاسی وجود بھی ختم ہوجاتا ہے۔ چونکہ عوام کی یادداشت بہت کمزور ہوتی ہے اور مادی نظریات رکھنے والے سیاسی رہنماؤں کے کردار انسان کے دل ودماغ پر کوئی اثر نہیں چھوڑتے اس لئے ذہنِ انسانی انہیں نظر انداز کردیتا ہے اور ایسے رہنما صرف تاریخ کی کتابوں تک ہی محدود ہوکر رہ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس ایسی سیاست جو روحانی نظریات کی حامی اور قانونِ الٰہی کے مطابق ہوتی ہے وہی انسانی معاشرہ کے لئے فائدہ بخش بھی ہے چونکہ اسلامی قوانین زندگی کے روحانی تصورات کے عین مطابق مرتب کئے گئے ہیں اور اس میں اصلاحِ معاشرہ ، اخلاقیات تقویٰ وپرہیزگاری کی تعلیم کے ساتھ ظالم کی مذمت اورمظلوم سے ہمدردی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسکے علاوہ خدا پر توکل کے ساتھ ایثار وقربانی کو بہت اہمیت دی گئی ہے اس لئے اسلامی نظریات پر مبنی سیاست ہی فطرتِ انسانی کے مطابق ہوتی ہے جس کے تحت کمزور سے کمزور انسان کو بھی بآسانی انصاف مل سکتاہے، اس طرح کے نظریات جب سیاست پر اثر انداز ہوتے ہیں تو ان اصولوں پر سختی سے عمل کرکے لائے جانے والے انقلابات نہ صرف یہ کہ دیر پا ہوتے ہیں بلکہ لوگوں کے نظریات وانداز فکر میں بھی نمایاں تبدیلی دیکھنے کوملتی ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب تبلیغ دین کا سلسلہ شروع کیا تو اس کی بنیاد بھی خدا کے بتائے ہوئے اصول وقوانین کے تحت رکھی۔ اورعرب کے جاہل معاشرے میں ایسا انقلاب برپا کردیا جوناممکن تھا۔ یعنی عرب کی وہ جاہل اقوام جس میں ظلم وتشدد کے واقعات فخریہ بیان کئے جاتے ہیں،لڑکیوں کو پیداہوتے ہی زندہ دفن کردیا جاتااور جس میں سچائی وایمانداری کی کوئی وقعت نہ تھی۔ لوٹ اورقتل وغارتگری ان کا پیشہ تھا، ایسے خطرناک لوگوں کے ذہنوں میں انقلاب برپا کردینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ مگر حضورؐ کی تبلیغ کا یہ اثر ہواکہ لوگوں نے آپؐ کے پیغام کو سنا اور اپنی زندگیوں کے رخ تبدیل کردیئے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ حضورؐ نے جو حکمتِ عملی اختیار کی تھی وہ قانونِ الٰہی کے عین مطابق تھی۔ صحیح معنی میں اسی کو انقلاب کہتے ہیں۔

انقلاب ایسی تبدیلی کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ لوگوں کے سوچنے کا انداز اور معاشرے میں نمایاں تبدیلی رونماہوجائے ۔ اور معاشرتی بے راہ روی کی اصلاح کرکے اسے نئے انداز سے تعمیر

کیاجائے۔ اور اس طرح کاانقلاب اسی وقت ممکن ہے کہ جب اس کا قائد اسلامی نظریات کا پابند ہو اور ذاتی مفادات کو پسِ پشت ڈال کرتمام دنیاوی مصائب برداشت کرکے اصلاحِ معاشرہ کوترجیح دیتا ہو انظر آئے۔ ایسے قائدین کی رہبری میں لائے جانے والے انقلابات نہ صرف یہ کہ دائمی ہوتے ہیں بلکہ وہ حکومتوں میں رد وبدل ہونے سے ختم نہیں ہوتے بلکہ ذہنِ انسانی میں برابر محفوظ رہتے ہیں۔

اسی طرح کا انقلاب حضرت آیت اللہ روح اللہ الموسوی الخمینیؒ کی قیادت میں ایران میں لایا گیا۔ اس انقلاب کا مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ ایران کے مظلوم عوام کو ظالم وجابر بادشاہ کےظلم وستم سے آزاد کرایاجائے بلکہ ایران کے اس معاشرہ کی اصلاح بھی مقصود تھی جس پر مغربی تہذیب مکمل طریقہ سے حاوی ہوچکی تھی۔ امام خمینیؒ نہ صرف یہ کہ علمِ فقہ علم ہیئت، جدید فلسفہ اور باطنی علوم کے استاد تھے بلکہ ایک انقلابی شخصیت کےبھی مالک تھے اور ہمیشہ عوامی مسائل کی طرف متوجہ رہتے تھے۔ اپنی طالب علمی کے زمانہ سے ہی آپ اپنی تحریروں اورتقریروں کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کے لئے کوشاں رہتے تھے جب رہبر انقلاب امام خمینیؒ نے اپنی تعلیم مکمل کی اور عملی زندگی میں قدم رکھا تو اصلاح معاشرے کی غرض سے ایک منصوبہ تیار کیا جس کی بنیاد اسلامی اصول وقوانین کے مطابق تھی اور ابتداء سے ہی آپ نے اسلامی قوانین پر سختی سے عمل کرنے کا عزم کیا۔ یہ وہ پرآشوب زمانہ تھا جب رضا شاہ کی حکومت پر مغربی تہذیب مکمل طور سے غالب آچکی تھی۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں مذہب کو ایک فرسودہ نظام تصور کرکے عریانیت وبے حیائی کو جائز سمجھنے لگے تھے۔ جگہ جگہ دعوتِ عیش دینے کی غرض سے عشرت کدے قائم تھے اور شاہ ایران اپنی پوری طاقت کا استعمال کرکے علماء دین کی آواز کو دبا دینا چاہتا تھا۔ سامراجی طاقتوں کے اشاروں پر ناچنے والی نام نہاد اسلامی حکومتیں ظلم وتشدد کے زور پر قائم تھیں۔ ایران میں بھی اسی طرح کی حکومت رضا شاہ نے قائم کر رکھی تھی ۔ اس کے دورِ شہنشاہیت میں کسی انسان کو اپنی بات کہنے کی اجازت نہ تھی سیاسی ومذہبی تقریروں پر مکمل پابندی عائد تھی۔ رہبر انقلاب امام خمینیؒ نے حالات کی نزاکت کوسمجھ لیا تھا اور اسلام کے مستقبل کو تباہ کردینے والے خطرے کومحسوس کرلیا تھا۔ اسی لئے رہبر انقلاب امام خمینی نے شاہ ایران کا مقابلہ کرنے کی غرض سے میدانِ عمل میں قدم رکھا اور ایک کتاب ''کشف الاسرار'' لکھی اس کتاب میں امام خمینیؒ نے رضا شاہ کی ظالم حکومت کی پرزور الفاظ میں مذمت کی تھی اورعوام کو اس بات سے بھی آگاہ کیا تھا کہ

حکومتِ ایران نہ صرف یہ کہ ظالم ہے بلکہ اسلام کے لئے بہت بڑا خطرہ ہے اور سامراجی طاقتوں نے ایک منصوبہ تیار کیا ہے جس کا بنیادی مقصد اسلام کو تباہ و برباد کرنا ہے اور اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے میں رضا شاہ کی حکومت معاونت کررہی ہے۔ اور اسلام دشمن تحریکوں کی حمایت کرکے ظلم وتشدد کے ذریعہ ناسمجھ عوام کو اسلام سے دور رکھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ شاہ ایران چاہتا تھا کہ ایران کی اسلامی تحریکوں کو سختی کے ساتھ کچل دیا جائے اور علمائے دین کی توہین کی جائے اپنے انہیں ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے شاہ ایران نے ساواک نامی تنظیم کی بنیاد ڈالی جس کے تحت اسلامی معاشرے کی بنیادوں کو ہلاکر مغربی تہذیب کو رائج کرنا مقصود تھا جسکے لئے ضروری تھا کہ علماء دین کی نصیحتوں کو بے اثر کردیا جائے وچونکہ شاہ ایران کی سیاست مادی نظریات کی حامی تھی اسلئے امام خمینیؒ نے حکومت کی طرف سے عائد پابندیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے شاہ کے منصوبوں کی شدت کے ساتھ مخالفت کرنے کا عزم کیا۔ چونکہ امام خمینیؒ کی سیاست اسلامی قوانین کے عین مطابق تھی اس لئے وہ اسلامی اصولوں کے لئے کوئی سودے بازی کرنے پر رضا مند نہ ہوئے اور ہر اسلام دشمن تحریک کا پردہ فاش کرے عوام کو اس کے خلاف جدو جہد کرنے کا درس دیا۔ جو انسان اپنی حکمت عملی اسلامی اصولوں کے مطابق مرتب کرتا ہے اسے خدا کے علاوہ کسی کا خوف نہیں ہوتااسی لئے امام خمینیؒ کبھی شاہ ایران کے ظلم وتشدد سے خوف زدہ نہ ہوئے اور شاہ کے ارادوں پر اس وقت ایک کراری ضرب لگائی جب آپ نے سامراجی طاقتوں کے ساتھ ہونے والے حکومتِ ایران کے سماجی، سیاسی ومعاشی معاہدوں کی کھل کر مخالفت شروع کی۔ رہبر انقلاب کی تحریک زور پکڑنے لگی۔ لوگوں نے آپ کی بات کو سمجھنا شروع کیا۔ امام خمینیؒ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے ''ساواک'' کے مسلح ایجنٹوں نے رہبر انقلاب کی درس گاہ پر حملہ کردیا جس کے نتیجہ میں آپ کے بہت سے رفیق شہید ہوگئے اور آپ کو گرفتار کرلیا گیا۔ لیکن زبردست عوامی احتجاج کی بنا پر آپ کو جلد ہی رہا کردیا گیا۔

اس واقعہ کے بعد امام خمینیؒ کے اندر ایک نیا جذبہ پیدا ہوا اور آپ نے ایران کے تمام علماء کو متحد کیا۔ ان علماء دین کی تنظیم نے رہبر انقلاب کی قیادت میں ایک ملک گیر تحریک عوام کی رائے ہموار کرنے کی غرض سے شروع کی جس کے تحت ایران بڑے شہروں میں مظاہروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ حکومت کے خلاف عوام کی بڑھتی ہوئی مخالفت اور حالات کو بے قابو دیکھ کر شاہ ایران کی مسلح افواج نے مظاہرین پر گولیاں برسانا شروع کیں۔ جس کے نتیجہ میں ۱۵؍ہزار بے گناہ حریت پسند

شہید کردیئے گئے۔ اور امام خمینیؒ کو گرفتار کر کے ترکی میں جلا وطنی کی زندگی گذرنے پر مجبور کردیا گیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد نجفِ اشرف منتقل کردیا گیا۔ جلا وطنی میں بھی آپ کے عزائم میں کوئی کمی نہ ہوئی اور آپ نجف سے ہی ایرانی عوام کو اپنے پیغامات کے ذریعہ انقلاب کی طرف متوجہ کرتے رہے اور انقلابی تحریک برابر آگے بڑھتی رہی اس عوامی تحریک کے بڑھتے ہوئے اثرات کے پیش نظر امام خمینیؒ کو پیرس بھیج دیا گیا۔ لیکن دشمن اسلام کا یہ اقدام بھی انقلابی تحریکوں پر اثر انداز نہ ہوسکا۔ اور ایران کے علماء دین برابر آپ کے پیغامات پر ردعمل ظاہر کرتے رہے اور قربانیاں پیش کرتے رہے۔ چونکہ امام خمینیؒ کی یہ انقلابی تحریک اسلامی قوانین کے مطابق تھی اور جب آپ نے اسلامی نظریات کو بنیاد بنا کر اپنی سیاست کو دنیا کے سامنے پیش کیا تو لوگ آپ کے اشاروں پر ہر طرح کی قربانی پیش کرنے کو رضامند ہوگئے۔ اسی جذبہ کے تحت سینکڑوں حریت پسند علماء دین شہید ہوکر انقلاب کی جڑوں کو مضبوط کرتے رہے۔ آخر کار امام خمینیؒ کی قیادت میں انقلاب ایران کامیاب ہوا شہدا کا خون رنگ لایا اور سامراجی طاقتوں کا ایجنٹ رضا شاہ ایران چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوگیا۔ اور شاہ کی مسلح افواج اور سرکاری ملازمین نے امام خمینیؒ کو اپنا رہبر تسلیم کرلیا۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ رہبر انقلاب کے نظریات اسلامی قوانین وروحانی سیاست کے مطابق تھے اور یکم فروری ۱۹۷۹ء کا وہ دن ایران کی تاریخ میں سنہرے الفاظ میں لکھا گیا کہ جب حضرت آیت اللہ روح اللہ الخمینی نے تزک واحتشام کے ساتھ آزاد ایران کی سرزمین پر قدم رکھا۔ اور آپ نے حقیقی اسلامی جمہوریہ کی بنیاد ڈالی، اس انقلاب نے نہ صرف ایرانی عوام بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کو دعوتِ فکر دی۔ جب امام خمینیؒ کے پیغامات واقوال دنیا کے سامنے آنا شروع ہوئے تو لوگوں نے اسلام کی حقیقت کو سمجھا۔ یہ اسی انقلاب کا اثر تھا کہ جو نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بے راہ روی کی زندگی گذار رہے تھے انہوں نے بھی اپنی زندگیوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق گزارنے کا عزم کیا۔ اس لئے یہ صحیح ہے کہ یہ ایرانی انقلاب نہیں بلکہ ایک اسلامی انقلاب تھا کہ جس نے نوجوان نسل سے مغربی تہذیب کوختم کر کے اسلامی روح پھونک دی اور یہ اسی انقلابکا نتیجہ ہے کہ نہ صرف مسلم ممالک سے تعلق رکھنے والے مسلمان بلکہ مغربی ممالک میں بھی آقائے خمینی کے پیغامات سے متاثر ہوکر مختلف تنظیموں کا قیام وجود میں اور جگہ جگہ لوگ تبلیغ ین کے لئے کوشاں ہیں۔ یہ اسی انقلابِ اسلامی ایران کا نتیجہ ہے کہ برطانیہ میں محترم جناب پروفیسر کلیم صدیقی (مرحوم) کی قیادت میں تبلیغِ اسلام کا سلسلہ بہت کامیابی سے انجام پا تارہا ہے۔ یہ انقلابِ

اسلامی کا ہی اثر تھا کہ جب فرانس یونیورسٹی میں لڑکیوں کے پردہ پر پابندی عائد کی گئی تو وہاں کی پردہ نشین طالبات نے اس پر پابندی کے خلاف فرانس کی سڑکوں پر مظاہرہ کیا یعنی وہی خواتین جو کبھی حجاب کو ایک فرسودہ رواج تصور کر کے اسے ترک کر چکی تھیں وہی اسلامی نظریات کی تابع تھی جس کا اصل مقصد یہی تھا کہ نوجوان نسل میں اسلامی روح پھونک دی جائے۔

کیا یہ اسلام کی حقانیت اور امام خمینیؒ کی قوتِ ارادی وقوتِ ایمانی نہ تھی کہ آپ نے سوویت یونین کے صدر محترم گورباچوف کے نام لکھے گئے اپنے مکتوب میں انہیں دعوت اسلام دی۔ اور اس مکتوب کا محترم گورباچوف صاحب نے خاطر خواہ جواب بھی دیا۔ اس مکتوب میں رہبرِ انقلاب نے سوویت صدر کو آگاہ کیا تھا کہ کمیونزم ایک ناقابلِ عمل نظام بن چکا ہے ۔ اوراس نظام کے ماننے والوں کو اس کا متبادل تلاش کرنا ہوگا۔ آیت اللہ خمینیؒ کی اس پیشین گوئی کی حقانیت چند ہی مہینوں بعد ظاہر ہونا شروع ہوگئی۔ جس کے پیش نظر تمام سوشلسٹ وکمیونسٹ ممالک چاہے وہ چیکوسلوا کیا ہو یا جرمنی رومانیہ ہو یا لتھوانیہ ہر طرف سے اس فرسودہ نظام میں تبدیلی لانے کی سعی کی جانے لگی۔

جب ہم تاریخ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ جب بھی اسلام یا پیغمبر اسلامؐ کی شان میں کسی نے کوئی گستاخی کرنے کی جرأت کی ہے تو اس کا خاطر خواہ جواب ائمہ طاہرینؑ یا اسلامی اصولوں پر سختی سے عمل کرنے والے علماء دین نے ہی دیا ہے ۔ جب شیطانی آیات میں سلمان رشدی حضرت ابراہیم وپیغمبر اسلامؐ۔ ازواجِ رسول واصحاب رسول کی شان میں گستاخی کی تھی۔ تو علاوہ ہندوستان وایران کے کسی ملک کی یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ اس شیطانی کتاب کے خلاف آواز اٹھائیں۔ ہمیں فخر ہے کہ ہندوستان نے سب سے پہلے اس کتاب پر پابندی عائد کر کے غیر جانبداری کا ثبوت دیا۔ اس کے علاوہ تمام مسلم حکومتوں پر سکوت طاری تھا۔ لیکن رہبر انقلاب امام خمینیؒ نے تمام سامراجی طاقتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ملعون سلمان رُشدی کے خلاف قتل کا فتویٰ دیکر عالمِ اسلام کو انگشت بدندان کر دیا۔ تمام دنیا کے حق پرست مسلمانوں نے امام خمینیؒ کی اس آواز پر لبیک کہا۔ حالانکہ اس فتویٰ کے ردعمل میں تمام مغربی ممالک سے ایران کے تعلقات پر گہرا اثر پڑا لیکن یہ امام خمینیؒ کی روحانی سیاست کی حکمتِ عملی تھی کہ اسلامی قوانین اور اسلام کے تحفظ کے لئے مادی نقصانات کی اور خدا کے علاوہ کسی سے خوفزدہ نہ ہونا چاہئے۔

یہ امام خمینیؒ کی روحانی سیاست وبصیرت کی ہی وجہ ہے کہ روئے زمین پر ایران واحد ملک ہے

جس نے اپنی حکمتِ عملی کے لئے اسلامی نظام کو منتخب کیا۔ اور اپنے تیس سالہ دور میں اس پر سختی سے کاربند ہے استکباری طاقتوں کے پروپگنڈے اور عراق کے ساتھ آٹھ سالہ جنگ کے باوجود ایران کے ثبات قدم میں کوئی لغزش نہیں پیدا ہوئی۔

یہ امام خمینیؒ کی ایمانی فراست وسیاسی بصیرت ہی تھی کہ جب امریکہ کے صدر ریگن نے مک فارلن کو خفیہ طریقہ سے ایران بھیجا اور حکومتِ ایران کو ہتھیاروں کی لالچ دے کر اپنی طرف راغب کرنا چاہا تو امام خمینیؒ نے اپنی اسلامی سیاست سے کام لیتے ہوئے جملہ ذمہ دارانِ مملکت کو مک فارلن سے گفتگو کرنے سے منع کر دیا اور متنبہ کیا کہ اس سامراجی ایجنٹ کا مقصد ہمیں فائدہ پہنچانا یا ہماری مدد کرنا نہیں ہے بلکہ ہمیں بدنام کرنے کی غرض سے ایک شیطانی سازش ہے۔ حالانکہ اس وقت ایران کو ہتھیاروں کی سخت ضرورت تھی اور اسکے بعد جو واقعات رونما ہوئے انہوں نے امام خمینیؒ کے اس نظریہ کی توثیق کردی اور یہ ثابت کردیا کہ اسلامی نظریات پر کبھی مادیت اثر انداز نہیں ہوسکتی۔ اسلئے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست ہوگا کہ امام خمینیؒ کی سیاست اسلامی نظریات کے عین مطابق تھی۔ جس کا اندازہ ان کے مندرجہ ذیل قول سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

''تعزیہ داری وعاشورہ کو زندہ رکھنا ایک بہت اہم سیاسی عبادی مسئلہ ہے۔ ہمیں ان اجتماعات سے فائدہ اٹھانا چاہئے اسکو کوئی معمولی چیز نہ سمجھے کہ ایک جگہ جمع ہوئے اور روئے بس! نہیں ہم ایک ایسی قوم ہیں جس کا یہ عمل بھی اسلامی سیاست کا آئینہ دار ہے۔ ہم ان ہی اشکوں سے وہ طوفان برپا کرتے ہیں جو اسلام کی راہ میں حائل بڑی سے بڑی مستحکم دیواروں کو ڈھا دیتا ہے۔

ہم امام خمینی کی سیاست کو علامہ اقبال کے اس شعر کی مدد سے باآسانی سمجھ سکتے ہیں۔

جلالِ بادشاہی ہلوکہ جمہوری تماشہ ہو
جدا ہودین سیاست تو رہ جاتی ہے چنگیزی

(اقبالؔ)

ہماری یونیورسٹیاں اور اسلامی تہذیب وتمدن

امام خمینی

امام خمینی اپنے ملک کی یونیورسٹیوں کو اسلامی تربیت کے اہم مراکز کے طور پر فروغ دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے طلبا سے ایک خطاب میں یونیورسٹیوں کو اسلامی طرز پر ڈھالنے اور انہیں اسلامی تہذیب واخلاق کا مرکز بنانے پر زور دیا تھا۔ تاکہ آنے والی نسلیں اسلامی قدروں کے ساتھ زندگی کے میدان میں قدم رکھ سکیں۔ ذیل میں ان کی تقریر کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے:

ملت اسلامیہ عالم بالخصوص ملت ایران پر سلام، ان معظم اساتذہ اور نوجوان طالب علموں پر سلام جو اسلام کے لئے ایک بہادر و جانباز سپاہی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سردست میں آپ لوگوں کے سامنے اس بات کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں کہ یونیورسٹیوں کی اصلاح سے ہماری مراد کیا ہے؟ بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ یونیورسٹیوں کی اصلاح کا مطالبہ کرنے والے اور انہیں اسلامی بنانے کا مطالبہ کرنے والے علم کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ مثلاً علم ہندسہ ایک اسلامی علم ہے یا ایک غیر اسلامی علم طبیعیات کی بھی گویا دو قسمیں ہیں: ایک اسلامی اور ایک غیر اسلامی۔ اسی خیال کے تحت ان لوگوں نے اعتراض اور مخالفت کی آواز بلند کرتے ہوئے کہا کہ علم اسلامی اور غیر اسلامی نہیں ہوتا۔ بعض لوگوں نے خیال کیا کہ یونیورسٹیوں کو اسلامی بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ان درس گاہوں میں علم فقہ وعلم تفسیر اور علم اصول کی تعلیم دی جائے گی، یعنی قدیم مدارس میں جو چیزیں پڑھائی جاتی ہیں۔ اب یونیورسٹیوں میں بھی انہیں چیزوں کی تعلم دی جائے گی۔ یہ ایسی غلطیاں ہیں جو بعض لوگ خود کرتے ہیں یا اپنے آپ کو ان غلطیوں کا شکار بنادیتے ہیں۔ ہم جو بات کہنا چاہتے ہیں وہ در اصل یہ ہے کہ ہماری ونیورسٹیاں سامراجی یونیورسٹیاں ہیں اور ہماری یونیورسٹیاں ان لوگوں کی تعلیم وتربیت کرتی ہیں، جو مغرب زدہ ہیں اور ہمارے نوجوانوں کو مغربی تہذیب وتمدن کا دلدادہ بنارہی ہیں۔ ہم فقط یہ کہتے ہیں کہ ہماری یونیورسٹیاں ایسی نہیں ہیں جو ہماری ضرورت کے مطابق نوجوانوں کی تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دیتی ہوں۔ ہماری یہ یونیورسٹیاں گزشتہ پچاس سال سے بظاہر تعلیم وتربیت میں مصروف ہیں اور قومی بجٹ کا ایک بہت بڑا حصہ ان یونیورسٹیوں کے لئے مخصوص ہوتا ہے اور بجٹ کی یہ رقم محنت کش عوام کے خون پسینے کی کمائی ہوتی ہے، لیکن اتنی طویل مدت گزارنے کے بعد بھی

ہم یونیورسٹیوں میں پڑھائے جانے والے کسی مضمون میں خودکفیل نہیں ہوسکے ہیں۔ پچاس سال گزرنے کے بعد بھی اگر آج ہم کسی مریض کا علاج کرانا چاہتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ اس مریض کو برطانیہ لے جانا چاہئے۔ پچاس سال سے ہمارے ملک میں یونیورسٹیاں تعلیم وتعلم کے کام میں لگی ہوئی ہیں، لیکن آج بھی ہمارے ملک میں مریضوں کی دیکھ بھال کرنے والوں کی تعداد کم ہے۔ ہمارے یہاں یونیورسٹیاں تو تھیں اور آج بھی ہیں لیکن ملک وملت کے ہرضروری کام کے لئے ہم مغرب کے محتاج ہیں۔ پس ہم یہ کہتے ہیں کہ یونیورسٹیوں میں بنیادی تبدیلی پیدا ہونی چاہئے اور ہماری یونیورسٹیوں کو اسلامی ہونا چاہئے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ انہیں فقط اسلامی علوم کی تعلیم دی جانی چاہئے اور نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ ہرعلم کی دوقسمیں ہیں: ایک اسلامی اور دوسری غیراسلامی، بلکہ ہم یہ کہیں ہیں کہ گزشتہ پچاس سال کے دوران ان یونیورسٹیوں نے جو خدمت انجام دی ہے اسے ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہماری یونیورسٹیاں اس سرزمین کے نواجوانوں کی ترقی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ ہماری یونیورسٹیاں تبلیغاتی جنگ(Propaganada War)کے میدان میں تبدیل ہوگئی ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نوجوان علم حاصل کرنے کے بعد بھی تربیت حاصل نہیں کرپاتے اور اسلامی تربیت سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں۔ ان یونیورسٹیوں میں لوگ فقط ڈگری حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہماری یونیورسٹیاں ملک وملت کی ضرورت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اپنی راہ وروش کا تعین کریں اور قوم کے اس سرمایہ کو تباہی وبربادی کی طرف نہ جانے دیں۔ اگر ان کی طاقت برباد ہوگئی ہوتو اس کا مطلب ہوگا کہ ہماری طاقت بھی ختم ہوگئی یا ان نوجوانوں کو بیرونی طاقتوں کی غلامی میں دے دیا۔ جہاں تک نوعیت کا سوال ہے ہمارے معلم اسلامی نہیں ہیں۔ ان لوگوں نے تعلیم کے ساتھ ہی ساتھ تربیت کی طرف کوئی توجہ نہیں دی ہے۔ پس ہماری یونیورسٹیوں سے ڈگری حاصل کرنے والے یہ صلاحیت بھی نہیں رکھتے کہ وہ ملک وملت کی فلاح وبہبود کے لئے کام کریں بلکہ ان کی حتی الامکان کوشش یہ ہوتی ہے کہ ذاتی مفاد ومصالح کا خیال رکھیں جب ہم ان یونیورسٹیوں میں بنیادی تبدیلی کی بات کرتے ہیں تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ یونیورسٹیاں ملک وملت کی ضرورت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے کام کریں اور اغیار واجانب کے بجائے ملک وملت کی خدمت میں سرگرم رہیں۔ ہمارے اسکولوں اور ہماری یونیورسٹیوں کے اکثر اساتذہ

مغربی سامراج کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں اور ہمارے نوجوانوں میں بے راہ روی پید اکرنے میں مصروف ہیں اور ہمارے نوجوانوں کو فاسد کاموں کی طرف راغب کررہے ہیں ۔ہم یہ ہرگز نہیں کہتے کہ ہم جدید علوم کے خواہاں نہیں ہیں۔ ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ ہر علم کی دو قسمیں ہوتی ہیں جبکہ بعض حضرات اس موضوع پر بحث ومباحثہ میں لگے رہتے ہیں چاہے وہ عمداً کام کرتے ہوں یا انجانے میں۔ دونوں ہی صورتوں میں اس موضوع پر بحث بے سود ہے۔ ہم تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہماری یونیورسٹیوں میں اسلامی اخلاق ہوتا تو یہ مہلک وخطرناک لڑائیاں نہ ہوتیں۔ یہ جھگڑے فساد محض اس وجہ سے ہیں کہ لوگ اسلام سے ناواقف ہیں اور ان کی از سرنو تربیت بالکل نہیں ہے۔ پس یونیورسٹیوں میں بنیادی تبدیلی ہونی چاہئے اور ان کی از سرنو تعمیر کی جانی چاہئے تاکہ ہمارے نوجوانوں کی اسلامی تربیت ہوسکے۔ کہ اگر ہمارے یہ نوجوان اسلامی تربیت کے سایہ میں علم حاصل کریں اور انہیں مغربی تربیت نہ دیں اور یہ بھی نہ ہو کہ ایک گروہ انہیں مغربی تربیت کی طرف گھسیٹے ، ایک گروہ مشرق کی طرف اور ایک جماعت ان نوجوانوں کو ان لوگوں کی طرف لے جانے کی کوشش کرے جو ہمارے اوپر اقتصادی پابندیاں عائد کئے ہوئے ہیں اور ہمارے اردگرد اقتصادی ناکہ بندی کا حصار کھینچ دیا ہے۔ ہماری یونیورسٹیوں کا ایک گروہ ان کی مدد کے لئے آمادہ ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اگر ملت ایران مغرب کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی تو ہمارے نوجوان طالب علموں کو بھی چاہئے کہ مغرب کے خلاف کمر بستہ ہوجائیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اگر ہماری قوم کمیونسٹوں کے مقابلے کے لئے کھڑی ہو جائے تو یونیورسٹی کے طالب علموں کو بھی کمیونسٹوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہئے جبکہ اپنی سادہ لوحی اور باطل تربیت کی وجہ سے ان طالب علموں نے کچھ اساتذہ کو پسند کرلیا پس آج ہم ایک آزاد یونیورسٹی تشکیل دینا چاہتے ہیں اور اس میں بنیادی تبدیلی پیدا کرنا چاہتے ہیں تاکہ یونیورسٹیاں آزاد ہوجائیں اور مغرب سے ان کا کوئی تعلق نہ رہے اور یہ کمیونزم اور مارکسزم سے وابستہ نہ رہیں تو یہ طالب علم گروپ بنیاد اور محاذ آرائی کرنے لگتے ہیں ۔اس دلیل کی بنیاد پر ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ایسی یونیورسٹیاں نہیں ہیں جو اسلامی ہوں اور اسلامی تعلیمات کے سایہ میں ہمارے نوجوانوں کی تربیت کریں۔ نیز یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہمارے نوجوان کی صحیح تربیت نہیں ہوئی اور دوسری طرف وہ علم حاصل کرنے میں بھی دلچسپی نہیں رکھتے۔ وہ ساری عمر نعرہ بازی اور جھوٹے وبے بنیاد پروپگنڈے میں بسر کردیتے ہیں ،کبھی روس کی طرفداری کرتے ہیں تو کبھی امریکہ کی طرف داری

کرتے ہیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے نوجون آزاد ہوکر اپنے اعمال کا محاسبہ کریں۔ اپنی لازمی ضرورتوں کے بارے میں خود ہی غوروفکر کریں اورمشرقی یا مغربی بلاک سے وابستہ نہ ہوں۔ ہم آج امریکہ کے خلاف نبرد آزمائی میں مصروف ہیں۔ ہمارا مقابلہ دنیا کی ایک بڑی طاقت سے ہے۔ پس ایسے حالات میں ان نوجوانوں کوبھی امریکی سامراج کے مقابلے کے لئے پوری طرح کمربستہ ہوجانا چاہئے۔ ہم یونیورسٹیوں کو ایسا بنادینا چاہتے ہیں کہ ہمارے نوجوان خود اپنے اور اپنی ملت کے لئے کام کریں۔ در اصل یہ لوگ دور بیٹھ کر فتنہ آمیز بات کیا کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ انقلابی کاؤنسل کے اراکین یونیورسٹیوں کو اسلامی بنانے کا مطلب نہیں جانتے ہیں ۔ اسی وجہ سے یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہرعلم کی دوقسمیں ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک اسلامی علم ہندسہ اور ایک غیر اسلامی ہندسہ۔ انہیں یہ نہیں معلوم کہ انقلابی کاؤنسل کے بعض ممبران ڈاکٹریٹ کرچکے ہیں اور بعض مجتہدین ہیں۔ کیا ان لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ اسلامی علوم ومعارف کی تعلیم مدارس میں ہوتی ہے اور یونیورسٹیوں میں دیگر علوم کی تعلیم دی جاتی ہے؟ لیکن یونیورسٹیوں کا اسلامی ہونا لازمی ہے تاکہ اس جگہ جو علم حاصل کیا جارہا ہے وہ ملک وقوم کی تقویت اور ملت کی ضرورتوں کے مطابق ہو۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یونیورسٹیوں میں آج جوتعلیم دی جارہی ہے اس کے نتیجے میں ہمارے نوجوان کوکمیونزم کی طرف گھسیٹا جارہا ہے ہے یا انہیں مغربی تہذیب کا دلدادہ بنایا جارہا ہے جبکہ ایسا ہرگزنہیں ہونا چاہئے ۔ہم یہ کہتے ہیں کہ یونیورسٹی کے اساتذہ ہمارے نوجوانوں کوصحیح تعلیم نہیں حاصل کرنے دیتے اور ان کی ترقی میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں۔ یہ اساتذہ مغرب کے غلام ہیں اسی وجہ سے ہم لوگوں کو ہر شعبہ حیات میں مغرب کا محتاج بنائے رکھنا چاہتے ہیں۔

یونیورسٹیوں کے اسلامی ہونے کا مطلب استقلال اورمکمل آزادی ہے۔

یونیورسٹیوں کے اسلامی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں کومشرق ومغرب کے سامنے سر جھکانے کی نوبت نہ آئے بلکہ انہیں مکمل استقلال وآزادی حاصل ہوجائے۔ یہ خود کومشرق ومغرب سے علیحدہ کرلیں اور ہم لوگ ایک آزاد مملکت ،ایک آزاد یونیورسٹی ایک آزاد ملک اور ایک آزاد وغیرہ وابستہ تہذیب وتمدن سے مالامال ہوجائیں۔

عزیزانِ من ! ہم سامراجی یونیورسٹی سے ڈرتے ہیں اور ہم اس یونیورسٹی سے خوفزدہ ہیں جو

ہمارے نوجوانوں کی تربیت اس طرح کرتی ہے کہ وہ مغرب کی غلامی کو باعث عزت وشرف سمجھنے لگتے ہیں اور ہم ایسی یونیورسٹی سے ڈرتے ہیں جو ہمارے نوجوانوں کو کمیونسٹ بنادیتی ہیں اور وہ ملک وملت کی خدمت کے بجائے کمیونزم کی غلامی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ہم ایسی یونیورسٹی نہیں چاہتے ہیں جو اپنے تربیت یافتہ لوگوں میں اتنی صلاحیت بھی نہ پیدا کرسکے کہ وہ یہ بھی نہ سمجھ سکیں کہ یونیورسٹی کی آزادی اور اسلامیت کا مفہوم کیا ہے۔

میں صدر جمہوریہ ایران اور اعلیٰ انقلابی کاؤنسل کی جانب سے پیش کی جانے والی اس تجویز کی بھرپور تائید کرتاہوں جس کے ذریعہ ہم لوگ یونیورسٹیوں کی آزادی اور اسلامیت کی حفاظت کرسکیں۔ میں بارگاہ خداوندی میں ملت اسلامیہ بالخصوص مسلمان نوجوانوں کی سعادت کا طالب ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تجویز کے مطابق یونیورسٹیوں کومخرب عناصر کے وجود سے پاک کردیاجائے گا اورصحیح وسالم اور اسلامی اخلاق واسلامی تہذیب وتمدن پر مبنی یونیورسٹیوں کا قیام عمل میں آجائے گا۔

والسّلام علیکم ورحمة اللّٰہ وربرکاتہ

مورخہ ۲۱/اپریل ۱۹۸۰

منتخب اشعار عرفانی امام خمینیؒ

اُردو ترجمہ

عیدنوروز

باد نوروز سے سرمست ہیں کوہ و صحرا
زیب تن عید کی پوشاک کریں شاہ و گدا

بلبل سدرہ نشیں بھی نہیں پہونچا اس تک — اسی مطرب پہ میں نازاں ہوں جو ہے قبلہ نما
صوفیاء وعرفا نے نہیں دیکھا وہ دشت — دست مطرب سے ملے مے، تو ملے راہ صفا
جائیں سب دشت میں یا سوئے چمن عید کے دن — میکدے ہی میں لگاؤں گا میں رخ سوئے خدا
شاہ ودرویش کو نوروز مبارک ہو ، مگر — یاد دلدار کرے آکے در میکدہ وا
گر در پیر خرابات کا رستہ مل جائے — سر کے بل طے کروں یہ راہ میں قدموں کی جگہ

نہ ملا اس کا پتہ، ٹھوکریں کھائیں برسوں
اہل دستار کی صف میں بھی نہ کچھ ہاتھ آیا

حسن اختتام

اٹھ اور مے بھردے ساقیا ہمارے جام کو
جو دل سے دور پھینک دے ہوای ننگ و نام کو
وہ مے انڈیل جام جو میں روح کو فنا کرے
نکال دے وجود سے فریب و مکر و دام کو
خودی سے جورہا کرے، زمام دل کو تھام لے
گرادے نظروں سے خیال منصب ومقام کو
وہ مے جو بزم میکشاں اجنبی کے درمیان
کچل دے جذبہ رکوع و سجدہ و قیام کو
حریم قدس گلرخاں سے رہنا دور ہی کہ میں

جدھر سے آؤں کوئی گل سنبھال لے لجام کو
میں جارہا ہوں بزم بیخودان بے خبر میں اب
نکال آؤں ذہن سے ہر ایک فکر خام کو
تو قاصد سبک روان بحر موت ، پیش کر
امیر بحر پر ہماری مدحت وسلام کو
یہ نقش تہ بہ تہ عدم کیا ہے ختم جام پر
کہ دیکھے پیر دیر میرے حسن اختتام کو

شرح جلوہ

کس کی آنکھوں نے نہ دیکھا رُخ زیبا تیرا — گوش ہر ہوش سنا کرتا ہے نغمہ تیرا
خوان نعمت سے ترے ہیں متنعم ہر ہاتھ — شوق ہر دل ہے کہ پالے اثر پاتیرا
راہی عشق ہوں کیا خرقہ ومسند سے غرض — نقد کونین نہ لے عاشق بینا تیرا
کھوٹے سکوں سے نہ لے مول قد سروقد اں — خواب میں دیکھا ہے جس نے قد رعنا تیرا
جس کا تو قبلہ نہیں، رخ وہ کرے کس جانب — کہ حرم میں تو نہیں مسکن وماویٰ تیرا
بزم عشق تو ہر جاہے کہ ہر جاہے تو — کور دل ہے نہ ملے جس کو ٹھکانہ تیرا
اور کیا دیکھ ہی سکتی ہے زمانے کی نگاہ — خم ابرو ترا یا گیسوئے دوتا تیرا
واکیا عشق کا دربند کیا عقل کا در — سر میں جس کے بھی سماتا گیا سودا تیرا

توڑ دوں لوح وقلم مجھ سے یہ ہوسکتا ہے
یہ نہیں ہوگا کہ سمجھا سکوں جلوہ تیرا

آفتاب نیمۂ شب

اے سراپا لطف ! اے پردہ نشین وبے حجاب
لاکھوں جلوے ہیں ترے پھر بھی ترے رخ پر نقاب
آفتاب نیمہ شب اے مہ نصف النہار — اختر دور از نظر ، بالا ز ماہ وآفتاب

مہر سایہ ہے ترا کیہاں طلایہ دار ہے   گیسوئے حور جناں ہے تیرے خیمے کی طناب

تیری حسرت میں ہیں سوزاں جان ہائے قدسیاں
حوریاں خلد کے دل تیری فرقت میں کباب

توجلالت کا فسانہ ، تو نمونہ حسن کا   تو ہے بحر بیکراں اور عالم امکاں سراب

کیا یہ ممکن ہے کہ ڈالے اک نگاہ نیم وا   تا سفر آسان ہو میرا سوئے دار الحساب

حسن دل آرا ہے تیرا حسن بخش روئے حسن
اور ترا غمزہ ہے عزرائیل ہر شیب وشباب

کردیا مجھ کو خراب ایمائے چشم دوست نے   دوجہاں کی ساری آبادی فدائے ایں خراب

سخن دل

وہ عاشق جمال ہے عیاں ہے اس کے رنگ سے
وہ بے نیاز دل ہے لگ رہا ہے قلب تنگ سے

وہ نرم ہو نہ پائے گا کسی کی نرم بات سے
یہ بات آشکار ہے اسی کے قلب سنگ سے
کبھی بھی دوست باب صلح سے نہ باہر آئے گا
سمجھ گئے ہم آج اس کی ہر ادائے جنگ سے
بتارہا ہے روئے سرخ پی ہے اس نے آج سے
وہ مست ہے یہ لگ رہا ہے دیدۂ قشنگ سے
وہ آج رات قتل عاشقاں کا عزم ہے کیے
نہ مجھ سے پوچھیئے یہ پوچھ لیجئے خدنگ سے

نہیں عیاں کرے گا ''ہندی '' اس کے راز عشق کو
میں کیا کروں ، یہ راز خود عیاں ہے اس کے رنگ سے

مذہب رنداں

جس کا دل ہو بے نیاز دو جہاں درویش ہے
جو ہو بے پروائے مخفی وعیاں، درویش ہے
خانقاہ وخرقہ سے ہے مذہب رنداں الگ
جو ہوان دونوں سے بیزاری کناں درویش ہے
وہ نہیں درویش جو پہنے ہے درویشی کلاہ
بلکہ آزاد سرو دستار و جاں درویش ہے
بزم ذکر آراستہ مت کر، کہ ہے ذاکر تو یار
جو کوئی پہچان لے ذاکر کو، ہاں درویش ہے
جو ہجوم عام میں دعوائے درویشی کرے
وہ حقیقت میں نہ باور د زبان درویش ہے
خواہش دل سے کوئی صوفی بنے درویش اگر
اپنی خواہش کا وہ بندہ ہے کہاں درویش ہے

قبلہ محراب

خم ترے ابروئے کج کا قبلہ محراب ہے
تاب گیسو میرے درد دل کا پیچ وتاب ہے
اہل دل کے واسطے بھی ہوں جو آداب دعا یاد دید زلف ورخ منجملہ آداب ہے
جب بھی دیکھا ہے حریفوں کو تو سب باہوش تھے
حلقہ رنداں میں بیداری بھی میری خواب ہے
مدعی علم وعمل کے بحر میں ہے غوطہ زن مستی وبیہوشی رندان مرا گرداب ہے
ہر کوئی اپنی خطا پر چاہتا ہے مغفرت
بندگی میں دوست میرا غافر و تواب ہے

عشق کا رستہ نہ چھوڑوں گا قسم معبود کی — تیرا عشق رخ ہمارا جز و خاک و آب ہے
شادی وغم جو مقدر ہے وہ ملنا ہے ضرور
مایۂ عشرت مرا جام شراب ناب ہے

خرقہ تزویر

ہم ہیں اور خرقہ تزویر ہے اور کچھ بھی نہیں
دورخی پاؤں کی زنجیر ہے اور کچھ بھی نہیں
خود پسندی وخود اندیشی وخود بینی سے — جاں ہی کیا روح زمیں گیر ہے اور کچھ بھی نہیں
آہ کیا لے کے گئے بارگہ دوست میں ہم — سر بسر نامہ تقصیر ہے اور کچھ بھی نہیں
رخ زمانے سے پھرایا، کیا میخانہ پسند — دل مرا بستہ بہ تقدیر ہے اور کچھ بھی نہیں
پیش درویش نہیں گر صفت درویشی — وہ ہے اور خلق کی تحقیر ہے اور کچھ بھی نہیں
بے صفا گو کوئی صوفی ہوتو اس کا قبلہ — در مرد زر وشمشیر ہے اور کچھ بھی نہیں
عالم اخلاص نہ رکھتا ہوتو پھر علم اس کا — ''پردہ برعقل'' کی تفسیر ہے اور کچھ بھی نہیں
بس کتابیں ہی جو عرفان کی پڑھ لے عارف
قیدی لفظ وتعبیر ہے اور کچھ بھی نہیں

پرواز جاں

کوئی رستہ جو سوئے دلبر ہوجائے
مری سوئی ہوئی قسمت مری دمساز ہوجائے
نسیم صبح کو رستہ ملے گر کوئے دلبر میں
دل افسردہ گر اس سروکا ہمراز ہوجائے
جونے درد دل عشاق کا احوال بتلائے
جو غمگین افسردہ گر اس سروکا ہمراز ہوجائے
ترس آجائے مورناتواں پر گر سلیمان گو

جو اہل دل کی محفل میں وہ سرافراز ہوجائے
اسی کے در پہ سر رکھ دوں قدم پر اس کے جاں دے دوں
اگر در کھول دے اور بے نیاز ناز ہوجائے
مرے سر پر ہوتو سایہ فگن اے سروزیبائی
کہ دنیا سے مری جان مائل پرواز ہوجائے

قبلہ عشق

بہار ہے در میخانہ باز لازم ہے
بسوئے قبلہ عاشق نماز لازم ہے
نسیم قدس نے عشاق باغ سے یہ کہا
کہ دو جہاں سے رہو بے نیاز لازم ہے
نہیں پہنچتا ہے دامان سرو تک مرا ہاتھ
بہ بید عاشق مجنوں ، نیاز لازم ہے
ہے غم جودل میں مرے عشق گلعذاراں کا
دوا بہ جام مئے چارہ ساز لازم ہے
نہیں پہنچتا ہے دامان بوستان تک ہاتھ
نظر بہ سروقد سرفراز لازم ہے

دلجوئی پیر

ہاتھ چومو شیخ کے ، اس نے مجھے کافر کہا
محتسب کو دو دعا جس نے رسن بستہ کیا

ہوں در پیر مغاں پر معتکف ، جس نے مجھے
دے کے اک ساغر دو عالم سے مرا دل بھر دیا
آبِ کوثر پی کے میں احسان رضوان کا نہ لوں
تیرے عکس رخ نے مجھ کو حاکم دوراں کیا
پردۂ سرّ ازل اٹھاہے اس کے ہاتھ سے
میری قسمت سے مجھے درویش نے واقف کیا
پیر میخانہ نے اپنے ناخن تدبیر سے
کرلیا مجھ کو مسخر کردیا مجھ کو فنا
پیر میخانہ نے کی اس درجہ دلجوئی مری
مجھ کو یکسر خود مری ہستی سے غافل کردیا

اسرا جاں

ہے پیر میکدہ رستہ میں آنے والا ہے — گل شگفتہ ہے اک ساتھ بلکہ غنچہ ہے
وہ باغ یمن کا غنچہ جو دوست کی جاں سے — جہاں کہیں دل آگاہ ہو، مہکتا ہے
بہ موئے عطر فشاں اور بارخ شاداب — گزر کے خیمہ سے محفل تک آنے والا ہے
ہے خطہ اس کا حقیقت تو خیمہ اس کا مجاز — وہیں سے خلوت دل میں پہنچنے والا ہے

ترانہ ملک جنت سدا گلزار
کبھی کبھی دل میخوار سے اُبھرتا ہے

دھواں جو اٹھتا ہے سرمست مے کے سینہ سے — بہ اشک و آہ دل پیر تک پہنچتا ہے
اٹھالے دل سے میرے ہاتھ اب کہ نالہ مرا — نکل کے دل سے سرشاہ پر برستا ہے
غم فقیر وہ ماہی سے تابہ ماہ گیا — اسی سے سینہ مہ داغ داغ ہوتا ہے
کمان ابروئے دلدار میں وہ جادو ہے — کہ راز دل کی کمیں گاہ تک پہنچتا ہے

رازِ نہاں

افسانہ غم میرا اک راز نہانی ہے
سمجھے گا وہی اپنی ہستی سے جو فانی ہے
خم طرہ گیسو کا تیرے نہ ملا مجھ کو
پائے گا وہی جس نے مرضی تری جانی ہے
ہاں اوربھی اک ساغر میخانہ کے خم سے دے
اس میکدہ میں ساقی ''نہ'' ایک کہانی ہے
دلدار کا دلدادہ ساقی کا شریک غم
اک رند ہے، وہ بھی جو بے زلفوں کی قسم مجھ کو
ہوں دو ترے در سے عشوہ گر ہر جائی
حسرت ترے چہرے کی پیغام رسانی ہے
کوچہ میں ترے آئیں اور جائیں جو گلہ باں
ہوجاؤں میں گلہ باں اب دل میں یہ ٹھانی ہے

خضرِ راہ

یہ کیا ؟ کہ میکدہ تیری گزر گاہ ہوا
ہمارا نالہ دل تو نہ خضر راہ ہوا
بساط گاہ تری اورخرابہ درویش؟
خدانخواستہ، کیا تجھ کو اشتباہ ہوا
صفاوہ دل کو عطا کی ہے تیری آمد نے
حصیر فقر ترے دل سے کاخ شاہ ہوا
تھی دور آہ سے جس رات سخت تاریکی
سفیر نور سحر تیرا روئے ماہ ہوا
کہو یہ شیخ سے اس رات وعدۂ جنت

مرے نصیب میں '' تو چاہ یا نہ چاہ ہوا
تو شاہ بزم جمال اور ''ہندی'' بے دل
وہ جو بھی کچھ ہے ترا خاک بارگاہ ہوا

دعویٰ اخلاص

تو آدم زادہ ہے کیوں بھول بیٹھا علم الاسماء
کہاں ہے'' قاب قوسین'' اور کدھر ہے تیرا'' اوادنی''
یہ فریاد ''انا الحق '' بر فراز دار کیا معنی؟
اگر تو ح طلب ہے، کیا ہوئی '' انیت دانا''
الگ کردے یہ خرقہ ہے اگر تو صوفی صافی
گئی تیری کدھر وہ دم زنی با بوق وباقرنا
قلندر زہد مت بیچ ، آبرو اپنی نہ ضائع کر
تو زاہد ہے تو بتلا کیا ہوا ''اقبال بردنیا ''
ہماری بندگی خوب اگر سودا گری ٹھہرے
تو کیا دعویٰ اخلاص ،با ایں خود پرستی با
یہ دھندہ چھوڑدے زاہد ! نہ دے اپنی طرف دعوت
سنا ہے میں نے تیرا ''لاالہٰ'' ''کیا ہوا'' الا؟
ادیب کم نظر ! بس توڑدے یہ لک آلودہ
دل آزاری ذرا کم کر، خدا سے کیوں ہے بے پردا

جلوۂ جمال

قصۂ کوتاہ یار آیا
با گیسوئے مشک بار آیا

در کھول دیا ، نقاب الٹی　　بے پردہ وہ دیکھو یار آیا
کوئی نہ تھا ساتھ اکیلا آیا　　یکتا وغریب وار آیا
در غیروں پہ بند کرکے بیٹھا　　یعنی پے یار غار آیا
میں کھوگیا اس کے حسن رخ میں　　وہ جلوہ گر از کنار آیا
پردے کو اٹھا کے درمیان سے　　تا بر سر مے گسار آیا
صبح شب قدر کے عقب میں　　خورشید جہاں مدار آیا
شمعوں کو بجھا سحر ہوئی ہے　　خورشید جہاں مدار آیا

رکھ دے یہ قلم ہٹا یہ دفتر
قصۂ کوتاہ یار آیا

جام جم

کہو گلزار خوں سے ہم اہل عشق ہیں، بے دل وغم اسیر ہیں
کریں دستگیری بیدلاں، نگہ کرم کے فقیر ہیں
کسے جا دکھائیں یہ درد ل ، کہیں اور جس کی دوانہیں
تو ہی اپنا دست کرم بڑھا کہ جو موت آئے تو میر ہیں
تو ہماری بزم میں آ کبھی ، کبھی دل پہ تیر نظر چلا
کبھی دیکھ آکے غلط روی ، کہ ہم آب وگل سے خمیر ہیں
ہمیں تاجران اجل تو ہیں، ہمیں یارگلبن وبرگ کے
وہ جو رند ہیں نہ برہنہ پا؟ وہ ہمارے دل کے بصیر ہیں
وہ جو مے فروش ہیں پاک ہیں،وہیں دل خروش ہیں مست ہیں
وہیں بند گوشی ونظر کیے، وہی پیر پاک ضمیر ہیں
اٹھا سامنے سے یہ جام ہے، نہ لے نام جم نہ لے نام کے
یہ تو زادۂ مہ وسال ہیں، یہ ہماری طرح اسیر ہیں

دریائے فنا

تیرے کوچہ میں رہوں ، یہ مرا عزم دل تھا
جو بھی گزرے وہیں گزرے ، یہ مرا حاصل تھا
حلقہ زلف سے تیرے وہ گرہ کھل جائے　　جس کا کھلنا بڑا مشکل ہے ، سدا مشکل تھا
کل ترے ہجر میں ظلمت کدہ میرا دل تھا　　تذکرہ تیرا بس اک روشنی محفل تھا
دوست سب مے زدۂ ومست وخراب وبیہوش
بے نصیب اک وہی جو میری طرح جاہل تھا
جس نے ہر قید کو توڑا ، وہ ظلوم اور جہول　　اور جو خود آپ سے اور غیر سے بھی غافل تھا
اہل دل کے لئے ہےعلم ، فقط ایک حجاب　　اس سے باہر جو نکل آیاوہی جاہل تھا
غوطہ زن شوق سے دریائے فنا میں عاشق　　بے خبر وہ جو بظلمت کدہ ساحل تھا
عشق کے ساتھ چلا حوزۂ عرفاں سے جو میں
دیکھا، جو کچھ بھی پڑھایا گیا۔ سب باطل تھا

مستی نیستی

محضر شیخ میں کچھ تذکرہ یار نہیں
خانقاہوں میں بھی اس کے کہیں آثار نہیں
مسجد و دیر و کلیسا وکنیسہ دیکھا　　کسی گوشہ میں وہاں خانہ دلدار نہیں
ساغر مے میں ہے جو راز نہاں ، اہل خرد　　کیا کہیں تم سے ہمیں جرات اظہار نہیں
اپنے راہی کے لئے رمز ہے اک ،عشق کی راہ　　آشنا اس سے جہاں میں کوئی ہشیار نہیں
نیستی کی ہے۔ مری جاں میں جومستی اس سے　　داد گاہوں کو کہیں جرات انکار ہیں
راہ مستی پہ چل اور ہوش میں آنا نہ کبھی
کہ صف ہوش وراں لائق دیدار نہیں

روئے یار

کس راستہ پہ چل پڑے یہ عاشقان زار
ہے راہ بے کنار، کہاں رکھ رہے ہیں بار
جائیں یہ جس طرف سرکوئے نگار ہے
رکھ دیں جہاں بھی بار ، وہیں ہے درنگار
ساقی کو ہر جگہ نہیں پہچانتے ہیں یہ
یہ جام لیں، مگر جو بڑھے خود ہی دست یار
ساقی کے عشق رخ میں یہ جشن وسرور ہے
ہے اس کے ہجر وصل میں سب زاری ونزار
کھلتے ہیں نور رخ سے اسی کے چمن میں گل
ہے یاد سر وقد میں یہ سب خندہ بہار
دیدار رخ حجاب کے ہوتے کہاں نصیب؟
بارے اٹھا نقاب دکھا روئے گلعدار

بادۂ ہوشیاری

لے جام اور یہ جامۂ زہد و ریا اتار
محراب کردے شیخ ریائی کو واگذار
جاپیر میکدہ کو سنادے ہمارا حال
اک جام دے کے دور کرے سر سے یہ خمار
کشکول فقر ہم کو سر افتخار ہے
اے یار دلفریب ! بڑھا اور افتخار
ہم ریزہ صحبت رند فقیر ہیں
اک غمزہ سے نواز دل پیر جیرہ خوار
ذکر رقیب زہر ہے، یہ ذکر بند کر
یہ زہر کیوں نہ ہو کہ ہے یہ سانپ گنڈے دار
بوس وکنارِ یار نے بخشی مجھے حیات
اب ہجر میں نصیب نہیں بوسہ وکنار
دے دو یہ پیر میکدہ کو انتباہ غم
ساقی نے جام دے کے کیا مجھ کو ہوشیار

عروس صبح

یہ شب جو میری بانہوں میں ہے صورت عروس
رکھنا نہ ایسے وقت دریغ از کناربوس
اے شب! عروس صبح کو بانہوں میں بھینچ لے
امشب کہ تنگ بانہوں میں خفتہ ہے یہ عروس
ہرگز نہ اپنے لب لب شیریں سے میں ہٹاؤں
آنے دو بانگ صبح کو، آئے صدائے کوس
ہوگی نہ آج اذان اڑا دو سرِخروس
امشب کہ میرے حال پہ وہ مہربان ہے
محرومیوں کا اپنی نہیں مجھ کو کچھ فسوں

✦

جو ہے حامل دل باختہ یہی بل ہے اس کے نیاز میں
یہ بعید ہے کہ وہ ناکسوں کو شریک کرسکے راز میں
کہاں اہل ہوش وخرد کو ہے مرے سوزعشق کی کچھ خبر
کہاں یہ دماغ کہ جھانک لیں درصحن سوزوگداز میں
نہیں یار عربدہ ساز نے اگر اپنے کوچہ میں راہ دی
رہوں مست اپنے نیاز میں' اسے محور ہنے دو ناز میں
ذرا سے کوئی جاکہے دل سوختہ کی خبر تو لے
ہے علاج سوزش عاشقان تری چشم بندہ نواز میں
چلے ہم تو آتش ہجر میں ، وہ جگر پہ مرہم لطف رکھ
کہ ہے آبشار کرم ترا، ترے دست عشق نواز میں
مرا دردعشق ہے بے دوا نہیں چارہ ساز ترے سوا
ہے دوا تری نگہ کرم ، یہ دوا حرم نہ حجاز میں

مرا کیا تباہ ہو شیخ سے کہ جدا ہیں دونوں کے راستے
میں فدا ہوں اپنے ایاز پر وہ اسیر زلف نماز میں

جلوۂ دیدار

دیکھ ادھر ، تشنہ دیدار ہوں میں
رخ دکھا، عاشق رخسار ہوں میں
عشوہ وناز دکھا کھول زباں   کہ ترا عاشق گفتار ہوں میں
رکھ قدم اپنا مرے بستر پر   میں ہوں دلسوختہ، بیمار ہوں میں
وصل سے کھول میرے دل کی گرہ   جلوہ دکھلا کہ گرفتار ہوں میں
عاشق سر بگریباں ہوں میں   بیخود و مردہ دیدار ہوں میں
قتل کر یا کہ جلا تو جانے   عاشق ویار وفادار ہوں میں
جس کو دیکھو وہ خریدار ترا
اور خریدار ہوں میں

آئینہ جال

میں درمیکدہ پر پیچ کے جاں، آیاہوں
اور ٹھکراکے متاع دوجہاں آیاہوں
جاں آئینہ ہستی ہے خبر تھی مجھ کو
اور میں توڑ کے آئینہ جاں آیاہوں
راز ہستی مجھے سمجھا نہ سکا ملک شہود
بہ نہاں خانہ، پئے راز نہاں آیاہوں

جلوۂ رخ ترا مقصود ہے بے منت غیر
کی ہے طے راہ دراز اور یہاں آیاہوں
بحر ظلمات میں اے خضر ! مجھے راہ دکھا
میں پئے چشمہ آب حیواں آیاہوں
بند ہوتی ہے مری آنکھ ، مجھے ہمت دے
تیرے کوچہ میں بہ چشم نگراں آیاہوں
شاد وخوشحال ہوانجام سفر سے ''ہندی''
میں در پیر پہ بابخت جواں آیاہوں

چشم بیمار

خال لب کا ترے اے دوست گرفتار ہوں میں
چشمِ بیمار کو دیکھا ہے تو بیمار ہوں میں

کوس انا الحق کا بجایا ہے کہ مثل منصور　اتنا بیخود ہوں، خریدار سردار ہوں میں
غم دلدار نے بھردی وہ مری روح میں آگ　جاں سے بیزارہوں اورشہرۂ بازار ہوں میں
وار ہے میرے لئے میکدہ کا در شب وروز　مسجد ومدرسہ دونوں ہی سے بیزار ہوں میں
جامہ زہد و ریا پھینک دیا اور پہنا　خرقہ پیر خرابات تو ہشیار ہوں میں
واعظ شہر کی باتوں نے ستایا جو مجھے　رند میخوار کا اب ہمدم وہمکار ہوں میں
یاد بتخانہ کروں اب کہ بت میکدہ نے　خواب سے مجھ کو جگایا ہےتو بیدار ہوں میں

آرزوئیں

میں نے سوچا تھا کہ ہوجاؤں میں آدم نہ ہوا
رہوں میں بے خبر حال دو عالم نہ ہوا
خم کروں سرکو در پیر خرابات پہ میں
تاکہ ہوجاؤں میں اس حلقہ کا محرم ، نہ ہوا
گھر یہ محبوب کو دوں ''خود'' سے میں ہجرت کرجاؤں
تاکہ اسماء کا ہوجاؤں معلم ، نہ ہوا
دوست کے ہاتھ سے شب بھر میں پیوں بادۂ عشق
دل میں لاؤں نہ غم کوثر وزمزم نہ ہوا
بے خبر خود سے رہوں والہ رخسار حبیب
اس طرح ہوکے رہوں روح مجسم ، نہ ہوا
سروپا گوش رہوں اور سروپاہوش رہوں
کہ رہوں تیرے دم گرم سے ملہم ، نہ ہوا
راہ اک سوئے فنا مجھ کو صفا سے مل جائے
تاکہ کہلاؤں وفادار مسلم ، نہ ہوا
کعبہ دل سے ہر اک بت کو نکالوں باہر
تارہوں دوست کی نظروں میں مکرم ، نہ ہوا
دفن سب آرزوئیں ہوگئیں اے نفس خبیث !
میں نے چاہاتھا کہ ہوجاؤں میں آدم ، نہ ہوا

جامہ دراں

دل میں حسرت ہے کہ پیمانہ ترے ہاتھ سے لوں
کہاں لے جاؤں یہ غم، کس سے میں یہ راز کہوں
جان پر، آرزوئے دید میں ، کھیلا ہوں میں
آذر اسپند ہوں، پرواز شمع رخ ہوں
اس کی فرحت سے ہوں اس کنج قفس میں بے جان
لے جایہ دام کہ آزاد میں پرواز کروں

خبث آلودہ یہ خرقہ یہ مصلائے ریا
درمیخانہ ، موقع ہو تو پر زے کردوں
ساغر عشق سے دے یار جو اک جرعہ مے
جان مستی میں الگ خرقہ ہستی سے کروں
ایک غمزہ تو دکھائے تو پلٹ آئے شباب
تو جو چاہے تو میں آفاق سے حد سے گزروں

بوئے نگار

نالہ کناں ہوں میں غم دلدار ہے مجھے
دل فتنہ گاہ آہ شرر بار ہے مجھے
کہہ یار دلفریب سے جاکر ،نقاب اٹھا تیرے ہی ہجر رخ کا تو آزار ہے مجھے
مجمع میں گلر خوں کے چڑھاؤں گا دار پر منصور کی فغاں ، جو بہت بار ہے مجھے
دے بادہ میرے جام میں ساقی کہ ہجر یار بارگراں ہے اک، کہ سربار ہے مجھے
کہتے ہو ، دوستوں پہ در دوست باز ہے یہ تازہ آرزو نیا آزار ہے مجھے
سمجھا ہے کیا خرابہ پیر مغاں کوتو ؟ بستان یار وہ در و دیوار ہے مجھے
سالک ! رہ سلوک میں پیچھے ہے کس کو تو
ہر کوچہ کوچہ جلوہ گہہ یار ہے مجھے

شمع وجود

وہ دن بھی آئے گا کہ ہم اس گھر سے جائیں گے
شاخ عدم پہ اپنا نشیمن بنائیں گے
شمع وجود یار سے دل کو لگائیں گے
پروانہ وار بال وپر اپنے جلائیں گے

منہ پھیر لیں گے خانقہ وصومعہ سے ہم
ساقی کے در پہ سر پئے سجدہ جھکائیں گے
صوفی کے وعظ سے نہ ہمیں حال آسکا
گیسو یہ تیرے دام ہیں، دانہ ہے خال لب
آزاد دام ودانہ سے خود کو بنائیں گے
کب جائیں گے نہ جانے اب اس بتکدہ سے ہم
بیگانہ گھر سے پشت کب اپنی پھرائیں گے

ﷺ ✢ ﷺ

شرح پریشانی

میں درد چاہتاہوں ، دوا چاہتانہیں　ہوں جستجوئے غم میں نوا چاہتا نہیں
عاشق ہوں میں ترا، تر ابیمار عشق ہوں　لیکن میں اس مرض سے شفا چاہتانہیں
تیری جفا کو جان کے بدلے خرید لوں　ہرگز میں تجھ سے ترک جفا چاہتانہیں
میری نظر میں عین وفا ہے تری جفا　بس اس لیے میں تجھ سے وفا چاہتانہیں
''مردہ'' مرا تو ہی ہے، توہی ہے مرا''صفا''　''مردہ'' کومتصل بہ'' صفا'' چاہتا نہیں

صوفی تو وصل دوست سے اب تک ہے بے خبر
میں ایسے صوفیوں سے صفا چاہتا نہیں

توہی مری دعا ہے ، توہی ذکر ہے مرا　میں کوئی ذکرو فکر و دعا چاہتا نہیں
قبلہ تو میرا تو ہے میں جس سمت رخ کروں　قبلہ سے کہہ میں قبلہ نما چاہتا نہیں

ﷺ ✢ ﷺ

جام ازل

ہم عشق زادہ ومتنبائے جام ہیں　جاں بازی وخیال بتاں میں تمام ہیں
دلدادہ میکدہ کے ہیں، جاں باز نوش بھی　پیر مغاں کے در کے قدیمی غلام ہیں

ہمخواب یار ہوکے تبہ ہجر یار میں　　غرق وصال ہوکے بہ ہجراں مدام ہیں
بے رنگ وبے نوا بھی ہیں، قیدی رنگ بھی　　ہم بے نشاں ہیں پھر بھی طلبگار نام ہیں
درویش سے بھی ، صوفی وعارف سے بھی ہے جنگ
پرخاش دار حکمت و علم کلام ہیں
ممنوع مدرسہ بھی ہیں، مخلوق سے بھی دور　　مہجور اہل ہوش، طرید عوام ہیں
روز ازل سے ہستی ومستی طلب سے دور　　ہمگام نیستی ہیں، فنا میں تمام ہیں

وادی ایمن

میں صحرا میں اہل نظر ڈھونڈتا ہوں
ہوں گم کردہ ، راہبر ڈھونڈتا ہوں
نشاں کچھ نہ اوراق سے میں نے پایا　　میں رندوں کے گھر کی خبر ڈھونڈتا ہوں
ثمر بخش سجادہ خرقہ، نہ مسند　　گلستاں رخ کا ثمر ڈھونڈتا ہوں
میں چھوڑآیا بت خانہ وجام ومسجد　　رہ عشق میں رہ گزر ڈھونڈتا ہوں
میں سوئے ''ہمہ'' ہیچ سے جارہاہوں　　ہوں لغزاں کوئی ہمسفر ڈھونڈتا ہوں
رہ عشق ہے پر خطر، پر خطر ہو　　ہوں عاشق رہ پر خطر ڈھونڈتا ہوں
ہوا آگے اس دیر کہنہ میں بے پر
سفر میں نئے بال وپر ڈھونڈتا ہوں

رازکشائی

بس'' بہت ہوچکی یہ یاوہ سرائی'' بس کر　　خود ستائی وخود انگشت نمائی ، بس کر
لب اظہار نہیں کھولتے اہل اخلاص　　تو بھی اب چھوڑ یہ ملبوس ریائی ، بس کر
یاد رکھ ، تیری خطاکاریاں حق جانتا ہے　　حیلہ گر! چھوڑ دے یہ زہد نمائی ، بس کر
بے خدا کتنی شب روز عبادت کی ہے؟　　مان لی کتنی خداؤں کی خدائی ، بس کر

کرچکا شرک تری روح میں اپنا مسکن بس کر اب دعویٰ توحید نمائی بس کر
دل شیطان زدہ اورعشق خدا، کیا مطلب ؟ ہم سمجھتے ہیں تری راہنمائی بس کر

معصیت ایسی عبادت سے کہیں بہتر ہے
میری جان ! چھوڑ دے اب شرک فزائی بس کر
خیل ابلیس سے نسبت نہیں اہل اللہ کو
اے قلم ! خوب ہے یہ راز کشائی ، بس کر

ساغر فنا

جب تک جہاں میں جلوہ ہے تیرے نقش پا کا
جب تک ہے آسماں میں نغمہ تری ندا کا
جب تک کہ جام وہی ہے جب تک ہے عشق ومستی
جب تک ہے دیر و مسجد مرکز تری انا کا
باتوں کا تیری جب تک ہے رنگ اس جہاں میں
جب تک ہے عطر افشاں جھونکا تری ہوا کا
جب تک کہ بولیوں میں شامل ہے تیری بولی
جب تک چھڑا ہے ساز رنگین تری نوا کا
نئے عشق معتبر ہے، نئے عاشقی موثق
جب تک نہ تو بنالے خود کو ہدف فنا کا

شمس کامل

جو صف بستہ ہو رندو ! رہبرما دل آگیا
دیدۂ دل دید کو منزل بہ منزل آگیا

شاخ گل پر پرفشاں بلبل ہے اس کے شوق میں　گل بھی اس کے ہجر رخ میں ہو کے بسمل آ گیا
صاعقہ پھر گرنے والا ہے، یہ کہہ دو طور سے　موسیٰ عمراں پئے ابطال باطل آ گیا
شپرہ چشمان تیرہ دل کو دے وو آ گہی　کوہساروں کے عقب سے شمس کامل آ گیا
عرشئہ چرخ چہارم سے دم عیسیٰ کے ساتھ　دلبر مشکل کشا، حلال مشکل آ گیا
غم نہ کر اے غرق دریائے مصیبت غم نہ کر　نوحؑ دوراں لے کے کشتی بن کے ساحل آ گیا

گلزار جاں

غم دل کس سے کہوں اور کہ غمخوار ہے تو
مجھ سے پھر جائے جہاں پھر بھی مرا یار ہے تو
دل کسی کو نہ دوں اور رخ کسی در کا نہ کروں　جب مراد خواب ہے، جب میرو مددگار ہے تو
راہی کوچہ ترا قافلہ سالار بغیر　مجھ کو کیا غم ہے کہ خود قافلہ سالار ہے تو
رخ چمن کا نہ کروں اور نہ میں رہگزر میں جاؤں　تو چمن زار ہے میرا، مرا گلزار ہے تو
درد رکھتا ہوں مگر ہے کوئی پرساں نہ طبیب　شاد دل ہوں کہ مسیحا ہے پرستار ہے تو

رباعیات امام خمینیؒ کا منظوم اردو ترجمہ

ایمان

وہ جس کی جگہ ہے نہ فلک پر نہ زمیں پر
کرسی پہ ہے وہ اور نہ وہ عرش برین پر
ایماں کا نہیں اس کے سوا دوسرا مفہوم
جلوہ وہ دکھاتا ہے دل اہل یقین پر

عشق

جس میں نہیں تیری یاد ، وہ دل کیا ہے ؟
تڑپے نہ ترے لیے تو جز گل کیا ہے؟
تجھ تک نہ ملے جانے کا رستہ جس کو
اس شخص کی زندگی کا حاصل کیا ہے؟

قبلہ

بروئے دوست قبلہ ہے میری نماز کا
اور عشق دوست ، پردہ کشا دل کے راز کا
دست نیاز کھینچ لوں دونوں جہاں سے
ملجائے گر اشارہ تری چشم ناز کا

پریشان

جب تک ترا برہان پہ تکیہ ہوگا
یا دفتر عرفان پہ بھروسہ ہوگا
تا عمر فراق دوست میں اے غافل !
بیماری دل کا نہ مداوا ہوگا

ہمراز

یہ رات کہ میخانے کے در باز ہیں سب
یاران خرابات ہم آواز ہیں سب
محبوب ہے پاس کس کو پروائے رقیب
غافل ہیں غم ہجر سے ہمراز ہیں سب

ثنائے حق

ذرات جہاں ، بہ حمد حق گویا ہیں
باذکر فصیح، اسی کے رہ پویا ہیں
دل کور ہیں ہم جو ان کو سمجھیں خاموش
تسبیح کناں ، بہ حمد حق گویا ہیں

بے قرار

یارو! دل پُر شور و نوا کو دیکھو
طوفان کشندۂ بلا کو دیکھو
غافل ہے مرے دل پراگندہ سے
دیکھو ! دل یار بے وفا کو دیکھو

مہجور

راز کوئی اہل حق سے، نا اہل نے لیا، انمول لیا ؟
مردے ! کیوں زندہ دل بن کر مردے کا منہ کھول لیا؟
ہوش میں آ اس خواب گراں سے غافل ہے تو اے مہجور!
خواب گراں بیدار دلوں سے کس لیے تو نے مول لیا؟

دام دل

آیا ہے ، بہ دام شمع پروانہ دل
چھوڑے گا نہ واللہ یہ غم ، خانہ دل
درویشوں کی صف میں نہیں کچھ اس کا مقام
دیوانہ صفت گر نہیں دیوانہ دل

تیرا رسوا

پروانۂ شمعِ رخِ زیبا ہوں ترا
دلباختۂ قامت رعنا ہوں ترا
اے دوست! ترے ہجر میں آشفتہ ہوں
بس رخ سے نقاب اٹھا کہ رسوا ہوں ترا

باغ زیبائی

تیرا رخ حق میں ہمارے ، نور خلوت گاہ ہے
یاد رخ تیری فروغ قلب ناآگاہ ہے
باغ زیبائی کا ہے یکتا وہ اک سروبلند
کس طرح دیکھیں کہ اپنی ہی نظر کوتاہ ہے

فکر راہ

نہ ہوگی ہم سے اطاعت چلو گناہ کریں
ہٹا دو مدرسہ رخ سوئے خانقاہ کریں
صدائے ساز انا الحق تو ہے مے رہ منصور
سہارا چاہئے یارب کہ فکر راہ کریں

دور پھینک

فرہاد ہو، جا اور الٹ دے یہ پہاڑ
لے تیشہ عشق اور اسے جڑ سے اکھاڑ

جلوہ بھی ہے طور بھی ! تو موسیٰ بن کر
اک اس کے دل میں جو بستی ہو، اجاڑ

مفتوں

دیوانہ ہو، اس عقال پا کو واکر
طاؤس ! نکل کے زاغ کو رسوا کر
دیوانہ بتائے گا نہ حال دل وعقل
مفتوں عقال وعقل کو پیداکر

ایک نظر ادھر دیکھ !

اے شادی دل ، غصہ دل، اے غم دل !
اے زخم دل غمزدہ، اے مرہم دل !
اک ذرہ ناچیز پہ کر ایک نظر
آفاق پہ لہرائے ذرا پرچم دل

چراغ

تو عقدہ کشائے دل دیوانہ ہے
رخ کی ترے ضو چراغ کا شانہ ہے
یہ پردہ اٹھاکہ راہ مل جائے تری
اب تک ترے رخ سے آنکھ بیگانہ ہے

اے مہر!

اے مہر! کر طلوع ، کہ ہم سب ہیں محو خواب
برداشت تیرا ہجر ہو، لائیں کہاں سے تاب
ہر سو ہے تیرا نور ہمیں کیا دکھائی دے
ہیں چشم شپرۂ پہ تو پیدائشی حجاب

کوئے غم

نہیں کچھ اور ، ترے عشق سے دوچار ہیں ہم
ہے دل میں یاد ترے رخ کی، سوگوار ہیں ہم
قبول کر ہمیں یا دور کر برابر ہے
کہ ترے غم میں بہر حال پائدار ہیں ہم

محفل دوست

بس، محفل دوست میں دھواں ہے اور دم
اور حلقہ صوفی میں نہ ''لا'' ہے نہ ''نعم''
ہے حسرت غم ، یا ہے تمنائے خوشی ؟
جا اور کہیں یاں نہ خوشی اور نہ غم

خارراہ

یہ فلسفہ ، جس کو علم اعلیٰ سمجھا
ہر علم سے سربلند وبالا سمجھا
یہ خار رہ سالک عاشق بھی نہیں
تو زیب دہ عرش معلیٰ سمجھا

نقطۂ عطف

خم کھول کہ منتظر ہیں مستاں
مت دیکھ سوئے ہوا پرستاں
کر مجھ سے قبول رمز مستی   بن طفل بہ حلقہ دبستان
آرام دہ گل صفا رہ   بن ابر بہاری گلستان
تاریخ جمال کا ہو اک جز   سن گفتگوئے ہزار دستان
پیمانہ اٹھا کر نغمہ خوان ہوجا،   جانب بزم تنگدستاں
اے نقطہ عطف راز ہستی
لے دوست سے بڑھ کے جام مستی
میں شاہد شہر آشنا ہوں
میں شاہ ہوں، عاشق گداہوں
فرماں وہ جمع عاشقاں ہوں   فرماں بر یار بے وفا ہوں
ہے شہر سے آگے میرا شہرہ   بازیچہ دور و آشنا ہوں
سرمست شراب ناب ہوں میں   میں کشتہ ہجر دلربا ہوں
سازندہ دیر عاشقاں ہوں   بازندۂ رند بے نوا ہوں
نے سے ہی نہیں، زباں و دل سے   اور روح ورواں سے نغمہ زا ہوں
اے نقطہ عطف راز ہستی
لے دوست سے بڑھ کے جام مستی

ھ ✣ ھ

ایک راز ہے میری آستیں
یہ راز نہیں ہے عقل ودیں میں
ہوں زمرۂ عاشقاں میں سرمست   میں کیوں پڑوں عار صلح وکیں میں
شامل صف طیر آسماں میں   ہوں حلقہ نملہ زمیں میں

سمجھے مجھے عاشقاں ''چناں'' میں جانے مجھے سالکاں چنیں میں
دلباختہ جمال دلبر بے لطف ہوں روضہ بریں میں
ہے غمزۂ گل رخاں نظر میں کیوں گم رہوں ناز حوعین میں
کہتی ہے یہ میری بے زبانی ہوں محو، بتاں نازنین میں
اے نقطۂ عطف راز ہستی
لے دوست سے بڑھ کے جام مستی

اک رند کے دل سے آہ نکلی
تھی اس کو تلاش دستگیری
لایا گیا اس کو پیر کے پاس اور عشق سے اس نے توبہ کرلی
پھر لایا نہ لب پہ عشق کانام زندہ ہوا دل بہ فیض پیری
درویش صفت اگر نہیں تو پھر خیر نہیں ہے تیرے دل کی
میخانہ نہیں ہے فخر کی جا ہے جائے معاصی وخموشی
کہہ حلقہ دوستاں میں با ناز آہستہ ، مگر بصد دلیری
اے نطفہ عطف راز ہستی
لے دوست سے بڑھ کے جام مستی

اے پیک صدائے آسمانی
اے رمز ندائے جاودانی
اے قلۂ کوہ عاشق وعشق اے مرشد ظاہر ونہانی
اے جلوۂ کامل اناالحق در عرش بلند ایں جہانی
اے موسیٰ برق دیدۂ عشق اے شاہد لا طور ومعانی
اصل شجر اک ظہور تیرا در پردۂ سر سر مدانی

اے نقطہ عطف راز ہستی
لے دوست سے بڑھ کے جام مستی

دیکھے ہے نگاہ ابن آزر
مغرب سے طلوع حق کا منظر
گلشن ہے ترے فراق کی آگ اور بردو سلام سوز اخگر
پردہ رخ یار سے ہٹا دے دکھلادے وہ روئے گل مصور
نور رخ گلعذار سے اب ہے شہر قلندراں منور
آشفتہ ہوئی جو زلف اس کی تھا گل کی طرح جہاں معطر
درویش کے گوش جان ودل میں کہہ دے یہی اک سخن مکرر
اے نقطہ عطف راز ہستی
لے دوست سے بڑھ کے جام مستی

منجملہ سالکان درویش
کچھ رند صبور و دور اندیش
کچھ زاہد خشک جام برکف وہ مے زدکان فارغ از خویش
زاہد تو بنے ہیں اور مے نوش ! شکلیں علماء کی اور بدکیش
بیگانہ راہ دوست یہ لوگ یانوش ہے ان کے پاس یا نیش
اک جام میں فارغ جہاں ہیں در خلوت میکشان دل ریش
ہیں لاف زنان کیف و مستی برپاک دلان مردہ ، از پیش
اے نقطہ عطف راز ہستی
لے دوست سے بڑھ کے جام مستی

باطل شکن

ضیآء زیدی

ایک بوسیدہ مکاں سے ایک جسم ناتواں
دیکھتا ہے اک نگاہ دوربیں سے یہ جہاں
اس نے دیکھا پھر سے فرعونی حکومت آگئی
آتش نمرود پھر سے آسماں تک چھاگئی
ہم کو پھر جادوگروں کے سانپ ڈسنے آگئے
ہم کو اسرائیلی پھر سولی پہ کسنے آگئے
آگئے کعبہ میں پھر سے کچھ نئے لات و منات
قبضۂ فوج یزیدی میں ہے پھر نہر فرات
آج پھر بیعت کے طالب ہیں یزیدان زماں
ہر طرف سے تن گئے ہیں ہم پہ پھر تیروکماں
پھر سے مذہب اور حکومت میں جدائی آگئی
فکر و حکمت کو ہٹاکر پھر سیاحت چھاگئی
دیکھ کر ایسے مناظر ایک جسم ناتواں
غیظ میں اس طرح اٹھتا ہے کہ ہو مرد جواں
وقت کا ابن مظاہرؑ باندھ کر اپنی کمر
دوڑ پڑتا ہے حسینؑ وقت کی آواز پر
مشرقی طاقت سے بے پرواہ مغرب سے نڈر
حق کا پرچم نصب کرتا ہے وہ ہر اک ذہن پر
کاش یہ مرد مجاہد تابد زندہ رہے
جسم خاکی مرگیا تحریک پائندہ رہے

آیت اللہ خمینیؒ

نجمؔ مظفر نگری

باطل شکن تھا حق کے طرفدار کی طرح
لفظوں میں اس کے کاٹ تھی تلوار کی طرح
ظالم کے واسطے تو غضب ناک تھا مگر
مظلوم کے لئے تھا وہ غمخوار کی طرح
وقف سجود خاص تھی اس کی جبین شوق
وہ اسوۂ رسولؐ پہ رہتا تھا گامزن
آل عبا ائمۂ اطہارؑ کی طرح
اس کو خدا کا خوف تھا باطل کا ڈر نہ تھا
کردار میں تھا میثم تمار کی طرح
وہ پاسدار دیں بھی تھا عالم بھی تھا عظیم
ہم عصر عالموں میں تھا سردار کی طرح
یکسر مٹائے اس نے جو تھے مسلکی تضاد
تھا اتحاد قوم کی دیوار کی طرح
رشدی پہ جس نے موت کا فتویٰ لگادیا
مفتی بھی تھا وہ غازی کردار کی طرح
ششدر تھے اس کے عزم پہ مغرب کے حکمراں
قول وعمل میں تھا سپہ سالار کی طرح
اے نجمؔ ہے سلام خمینیؒ کی ذات پر
جو تھا فقیہہ رہبر بیدار کی طرح

امام خمینیؒ

علی مختار مبارک پوری

اِک رہبرِ بیدار تھے سرکار خمینیؒ
کیا صاحبِ کردار تھے سرکار خمینیؒ

مرعوب انہیں کر نہ سکی مغربی طاقت
کیا شیرِ جگر دار تھے سرکار خمینیؒ

اس دور بلا خیز میں باطل کے مقابل
جرار تھے، کرار تھے سرکار خمینیؒ

بے دین و گنہگار کے ناپاک سروں پر
چلتی ہوئی تلوار تھے سرکار خمینیؒ

کوئی نہ ہٹا پایا انہیں اپنی جگہ سے
اِک آہنی دیوار تھے سرکار خمینیؒ

ہر آن چمکتی رہی جو کفر کے سر پر
شمشیر شرر بار تھے سرکار خمینیؒ

دنیا نہ سمجھ پائی ابھی اُن کی حقیقت
کیا صاحبِ اسرار تھے سرکار خمینیؒ

جس گھر میں ہوئی تھی کبھی خیر شکنی بھی
اس گھر کے ہی دلدار تھے سرکار خمینیؒ

اُلجھا نہ کسی شاخ سے دامان صبا بھی
کیا گلشن بے خار تھے سرکار خمینیؒ

جس دور کی تعمیر پہ ہم ناز کریں گے
اس دور کے معمار تھے سرکار خمینیؒ

اے خمینیؒ السّلام

سید ذوالفقار باقرؔ

ائے غلام احمدؐ اے شرح حیات
رہبرِ انسانیت تو، مقبر ہے تیری ذات
ہر طرف ایران میں پھیلی ہوئی تھی تیرگی
علم سے عزم وعمل سے تونے بخشی روشنی
تھی جہاں عریانیت، بے پردگی اور اضطراب
صرف تیری ذات سے آیا وہاں پر انقلاب
حق و باطل میں بتاکر فرق خاص و عام کو
آئینہ تو نے دکھایا عالم اسلام کو
اے صداقت اور امن و آشتی کے تاجدار
نائب حجت میں بے شک ہوتا ہے تیرا شمار
ٹھوکروں سے کردیا مسمار قصرِ پہلوی
پست لوگوں کو عطا کی بوذری و قنبری
ہے نمایاں ساری دنیا میں جو تیرا کام ہے
اہل دانش کے لبوں پر اب بھی تیرا نام ہے
عزم شبیریؑ تھا تجھ میں حوصلہ جرار کا
چاہنے والا تھا بے شک حیدرؑ کردار کا
بادشاہت کا کیا ہے خاتمہ ایران سے
اہل ایراں جی رہے ہیں فاتحانہ شان سے
کانپتا ہے آج بھی رُشدی تیرے ہی نام سے
دشمنی مہنگی پڑی اس کو بہت اسلام سے
ائے عظیم المرتبت مرد حسینی السلام
اے خمینیؒ اے خمینیؒ اے خمینیؒ السلام

ارضِ ایراں ترے گل رنگ نظاروں کو سلام

شبنم سبحانی

ارضِ ایراں ترے گل رنگ نظاروں کو سلام
اے چمن زار یقیں تیری بہاروں کو سلام
جو خزاں میں بھی کھلاتے رہے زخموں کے گلاب
تیرے ان گل بدنوں لالہ ذاروں کو سلام
رقص شعلوں کا ہے مغرب کی کمیں گاہوں میں
اہل ایماں کی فراست کے شراروں کو سلام
کس نے توڑا ہے یہ جروت طلسم فرنگ
کج کلاہوں کو ترے شاہسواروں کو سلام
کس نے ہنس ہنس کے پیا ساغر زہراب ستم
تیرے مستوں کو ترے بادہ گساروں کو سلام
گر پڑا تاج شہی فرق ملوکیت سے
تیرے جانباز مفکر کے اشاروں کو سلام
تاسحر جو شب بلدائے ملوکیت سے
جنگ کرتے رہے ان چاند ستاروں کو سلام
جن پہ بجتا ہے گجر عظمت اسلام کا آج
ان دل آویزو فلک بوس مناروں کو سلام
غش ہیں پیران کلیسا دانائے فرنگ
ہوش مندی وخود آگاہی کے دھاروں کو سلام
دم بخود گردش دوراں ہے زمانہ حیراں

سرفروشی کے درخشندہ نظاروں کو سلام
جس نے دی ہے تجھے بڑھ بڑھ کے لہو کی سوغات
شہر یاروں کو تری آنکھ کے تاروں کو سلام
جس نے گل کاری خون شہدا دیکھی ہے
تیرے سوچوں کو تری راہ گزاروں کو سلام
یاد رکھے گا جہاں تیرے جوانوں کی ادا
خنجر بے خودی عشق کے ماروں کو سلام

ندائے آفتاب

پروفیسر سید وحید اختر

یہ کون سے آفتاب درخشاں کا ہے جنازہ
کہ جس کو ملیونہا اجالے بہشت زہرا کی سمت لے جا رہے ہیں
نوحہ بلب، سیاہ پوش وخاک برسر
یہ کیسا یوم عزا ہے جو عشرۂ محرم سے، عید قرباں سے قبل آیا
یہ کیسی بے رُت کی فصل باراں ہے
جس کے اشکوں میں شہر وقریہ نہار ہے ہیں
تمام کوچے، تمام میداں، سب خیاباں سیاہ پوش وفغاں بلب ہیں
یہ عین فصل بہار میں کس طرح زمستاں پھر آ گیا ہے
مژہ پہ ہر برگ گل کی آنسو دہک رہے ہیں
اور آتش داغہائے لالہ سے دشت وکوہ ودمن کے دامن بھڑک رہے ہیں
تمام اطفال ونوجواناں، تمام مرد وزناں کی آنکھوں میں غم کے تارے چمک رہے ہیں
ہلال ماہ عزا محرم سے پہلے اب کے نکل پڑا ہے
بیاں خوں حسینؑ سے لب دہک رہے ہیں
مساجد ومدرسہ کے تن میں دل شہیداں دھڑک رہے ہیں
حسینیوں میں حسینیت کے لہو کے قطرے چراغ آسا دمک رہے ہیں
عطش کے شعلے بھڑک رہے ہیں
یہ کون سا آفتاب تاباں تھا
جس کی آمد سے شہر وقریہ
تمام کوچے تمام میداں، سب خیاباں چمک اُٹھے تھے
فرودگاہ سے بہشت زہرا تک آدمیوں سے سارے رستے چھلک رہے ہیں
امام آمد، امام آمد، کے نعرہ ہائے فلک شکن سے تمام ایران گونجتا تھا

ہزار سالہ نظام شاہنشہی کا سیلاب بے پناہ عوام میں ایک حقیر تنکے کی طرح نابود ہوگیا تھا
ملوکیت کے قصور وایوان، غلام ومزدور اپنے کاندھوں پہ اپنی میت اٹھائے کشور بدر ہوئے تھے۔
جہاں کے مستضعفین ایران کو قبلہ گاہ نجات وآزادگان سمجھ کر
امام ملت کے پرچم سربلند کے سامنے جھکے تھے۔
زبانوں پر سرورشہیداں، امام آزادگاں کی نہضت کے تذکرے تھے
کہ چودہ قرنوں کے بعد اسلام کو ملی تھی حیات تازہ
تمام عالم کی آدمیت کے سامنے تھا نجات ظلم وستم کا جادہ
یہ تند موجیں یہ اٹھتی لہریں شہنشہی کے تمام قلعے گرا کے
طاغوت اور ابلیس کے کارندوں کے لانہ ہائے صید کی جانب لپک رہی تھیں
غروب تہذیب غرب کا تھا فضا میں چرچا
ہوا میں مستکبروں کے دامن کے پرزے فریاد کررہے تھے
جو اپنی قدرت کو فوق انسان، جہاں سوم سمجھ رہے تھے، شکست کھا کر گریز پا تھے
انہیں امام کبیر کے حق پرست ہونٹوں سے مل چکا تھا پیام فیصل
اس آگ نے گرانہیں چھوا تو طلسم ظلمات جل اٹھے گا
کہ مصطفیٰؐ وعلیؑ کے وارث حسینؑ وزین العباؑ کے فرزند وجانشین نے
سکھادیا ہے عوام کو وہ نہفتہ اسم عظیم، قلعہ کشا وجادوشکن
جو قلب مستضعفان وآزردگان کا مرہم ہے۔ ٹوٹے رشتوں کو جوڑتا ہے
جو اختراج وگروہ بندی کے صید ہائے زبوں کو حبل متیں کی وحدت سے باندھتا ہے۔
وہ اسم اعظم بزرگ رہبر کے لب پہ اُبھرا
ہزاروں لاکھوں کروڑوں سینوں میں جگمگایا
ہزاروں لاکھوں کروڑوں ہونٹوں کا درد بن کر ستمگران جہاں سے الجھا
نہ ہشت سالہ قتال خونیں سے دب سکا وہ
نہ مشرق اور مغرب کی سیاست سے بجھ سکا وہ چراغ تاباں
مزائیلوں اور بموں نے تخریب وقتل ودہشت کے دام پھینکے

وہ اسم اعظم ہزاروں لاکھوں شہید روحوں کی غیر فانی زباں سے بولا
تمام قدرت، تمام دولت، تمام شاہی وآمریت، ہراک سیاست حباب سیل زماں ہے
موج سراب آسا، گذشتنی ہے
ہر ایک قاہر ہر ایک ظالم، ہر ایک آمر کا تخت وایوان رفتنی ہے۔
یزید وصدام وشمر وریگن ہر ایک جلاد مردنی ہے
ہیں جاودانی مبارزاتی رہ عدالت
فقط ہے باقی خدائے قادر، خدائے عادل
بجز خدا کے تمام فانی، تمام فانی، تمام فانی
معلم اسم اعظم امروز روح حق سے ہوا ہے پیوست
کہ وہ بھی روح خدا تھا، روح حسینیت تھا۔
مگر سکھایا تھا جن کو اس نے وہ اسم اعظم جو اس کے اقدس بدن کو تہران کے مصلے سے لیکے جاتے ہیں
سونپنے کو بہشت زہرا
ظہور صاحب زماں تک اس کی صدا قلعہ شکن کے حافظ بنے رہیں گے۔
وہ ذوالفقار علی کی وارث زبان خاموش ہوچکی ہے۔ یہ اِک گماں ہے۔
نہ ذوالفقار علی رکی ہے کسی سے اور نے خموش ہوگی کبھی ابد تک
کہ جن کو سونپی تھی اس نے شمشیر امر معروف ونہی منکر
قیام مہدی تک اپنی تیغوں سے دشمنان ومنافقین کے خلاف لڑتے رہیں گے پیہم
نہ ان کے دامن میں بم گراتے عقابی شہپر
نہ ان کی جھولی میں ظلم ومکر ودغا کے پتھر
نہ پشت پر ان کی ہیں دیا بے، نہ ہیں دیا بہ شکن مزائیل
نہ ان کے قبضہ میں دار زنداں
نہ روح وتن کو جلانے والی اذیتوں کے چمکتے ساماں
نہتے بوڑھے، جوان بچے، ضعیف مائیں، کنواریاں، برقعہ پوش بہنیں
ہزار درصد ہزار پیروں سے چل رہی ہیں

ہزار در صدر ہزار ہونٹوں سے کہہ رہی ہیں
ہمارے ہتھیار ہیں حسینی عطش کی سوکھی ہوئی زبانیں
ہمارا نعرہ ہے جز خدا کے ہر ایک طاقت، ہر ایک دولت سراب وفانی
محمدؐ وفاطمہ کے پرسہ گسار بدلیں گے اس برس طرز روضہ خوانی
کہا تھا روح خدا نے ان سے
کہ اب بھی تازہ ہے تیغ وخنجر، تشدد وجبر کی کہانی
فراز نوک سناں سے امت کو دیکھتے ہیں سر شہیداں
کہ اب بھی ہیں زینب وسکینہ اسیر زنداں
کہ اب بھی زین العبا کی گردن میں طوق، ہاتھوں میں ہتھکڑی ہے
کہ آنے والی ہے جو بھی منزل، وہ اس صعوبت سے بھی کڑی ہے
ضعیف تشنہ جگر پدر کے لرزتے ہاتھوں پہ لاش اصغر دھری ہوئی ہے
دغا کے نیزے کی نوک اکبر کے دل میں اب تک گڑی ہوئی ہے۔
بریدہ بازوئے ابن حیدر علم اٹھائے ہوئے ہیں اب بھی
حسینؑ خوں کی قبا میں، زخموں کے پیرہن میں بدن چھپائے ہوئے ہیں اب بھی
زبان زینب ستم گزیداں سے کہہ رہی ہے
ہوس کے دربار میں ابھی تک بنات عصمت برہنہ سر ہیں
ستم کے دربار میں ابھی تک ہیں پیاس کے لب صداقتوں کے جنازۂ پہ کفن پر گریاں
گلوئے اظہار حق ابھی تک زبان بندی کے آہنی طوق میں ہیں نالاں
زبان کذب ومنافقت کی ہیں پوری آزادیاں کے دنیا میں جھوٹ کو مشتہر کرے وہ
دروغ کے اسلحوں سے پیغمبر خدا کی غریب امت کی فوج کو منتشر کرے وہ
ہر ایک سلطان ارض خاور غلام مغرب بنا ہوا ہے
شہی کے طشت طلا میں فرق بریدہ حریت دھرا ہے
یزید اب تک مرا نہیں ہے
حسینؑ دشت بلا میں ہل من مغیث اب بھی پکارتے ہیں

جنازۂ آفتاب تاباں سکوت کا نطق حق ہے
یہ مشعل آفتاب خاور اٹھانے والے
ہزار درصد ہزار پیروں سے بڑھ رہے ہیں
ضعیف درصد ہزار ہاتھوں پہ ہیں اٹھائے ہوئے جنازہ
کہ یہ جنازہ نہیں علم ہے خدا و پیغمبر و علی کا
ہزار درصدر آوازیں کہہ رہی ہیں
حسینؑ کل دشت کربلا میں ہوئے تھے بے یاور اور تنہا
حسینؑ اب بھی عراق میں ہیں غریب و تنہا
مگر یہاں پر جنازۂ آفتاب خاور اٹھانے والوں کے بے کراں سیل بے پتہ میں
حسینؑ تنہا نہیں ہیں۔ تنہا نہیں رہیں گے
خمینیؒ بت شکن کی قلعہ کشائی کا معجزہ ہے یہ بھی
کہ آج لاکھوں کروڑوں انساں زمیں کے گوشوں سے بڑھ رہے ہیں عجم کی جانب
ہر اک طرف سے پکارتے ہیں
کہ اب نہ چھوڑیں گے ہم حسین ابن فاطمہؑ کو کبھی اکیلا
یہ آفتاب اب کبھی نہ ہوگا غروب افق پر
حسینؑ دشت بلا میں تنہا نہیں رہیں گے۔
یہ روشنی تا ابد ہے قائم
یہ روشنی تا ابد ہے دائم

ادبی کائنات شمارہ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ مکتب کائنات دہلی

خمینیؒ رہبر

کیفیؔ سنبھلی

وہ مردِ آہن
ستم کے شعلوں سے کیا پگھلتا؟
کہ عزم کی اِک چٹان تھا وہ
وہ بحرِ عصمت
عبور ہوتا ہی کسی سے
کہ اس کا دامن
ہوس میں آلودہ ہی نہیں تھا
وہ کوہِ قامت
کہ جس کی رفعت
فلک کے دامن کو چھو رہی تھی

نہیں نہیں
بلکہ یوں کہوں میں
کہ چرخ قدموں پر اس کے خم تھا
تو کون تھا وہ؟
کوئی نبیؐ تھا کوئی ولی تھا؟
نہ وہ نبیؐ تھا نہ وہ ولی تھا
فقط وہ اک آدمی تھا جس کو
زمانہ یہ کہہ کے رو رہا ہے
خمینیؒ رہبر
خمینیؒ رہبر

پیکرروحانیت پائندہ باد

مرغوب حیدر نوگانوی

اے خمینیؒ رہبر انسانیت پائندہ باد
رہبر حق، پیکر روحانیت پائندہ باد

تیرے دم سے دین حق کی معرفت، پائندہ باد
دہر میں ایمان کی اعلیٰ صفت ، پابندہ باد

دین حق کے پاسباں راہ خدا کے رہنما
کیا بھلادے گا مورخ تذکرے تیرے بھلا

بادشاہت دیکھ لے اور بربریت دیکھ لے
ظلم خود آنکھوں سے اپنی، اپنی میت دیکھ لے

آج اِک درویش کی بھی شان وشوکت دیکھلے
ایک مرجع باعمل کی جاہ وحشمت دیکھ لے

جو نہ ڈرتا تھا کبھی دنیا میں غیر اللہ سے　کانپ اٹھتا تھا جہاں اس مردِ حق آگاہ سے
وقت کے شداد وقارون سے سب ڈر گئے　آپ یوں دنیا سے پیش داورِ محشر گئے
موتیوں سے دامن اسلام کو یوں بھر گئے　اتحاد مسلمین دنیا میں قائم کر گئے
حوصلے مردود کے خواب شکستہ ہوگئے　مرگیا سلمان رشدی آپ زندہ ہوگئے
پیکر صدق وصفا، علم مجسم آپ تھے　شوکت وشان شجاعت عزم محکم آپ تھے
اِک نئی منزل عطا حقانیت کو کرگئے　آپ زندہ پیکر روحانیت کو کر گئے
سب سے بڑھ کر معتبر بعد امام عصر تھے　دین کی معراج تھے انسانیت کا فخر تھے
آدمیت کے دھنی روحانیت کی قدر تھے　آپ نیک اعمالیوں کا مومنوں کی اجر تھے

آہ اے مرغوبؔ اب دل کیوں سکوں پاتا نہیں
قلب کو تسکین کیوں کر ہو صبر آتا نہیں

رہبر انقلاب سے خطاب

انجمؔ زیدی

ایران سے اٹھے ہوئے اے تازہ انقلاب دنیا پہ تونے کھول دیے ہیں سُکوں کے باب
دامن ترا ہے امن جہاں کی کھلی کتاب ماتھے پہ تیرے مہر خمینیؒ کی آب وتاب
راہ عمل کو جس نے درخشاں بنادیا
کانٹوں کی وادیوں کو گلستاں بنادیا

غارت گری وجنگ سے جس نے کیا جہاد جن کا پیام عظمت انسان زندہ باد
ایک ایک لفظ جس کا مکمل ہے اجتہاد مقصد تھا جس کی زیست کا ملت میں اتحاد
اے میر کاروان محبت تجھے سلام
اے شاہکار دست مشیت تجھے سلام

تیرے قدم کے ملتے ہیں جس راہ پر نشاں ہے گامزن اسی پر ابھی تیرا کارواں
اے کاش چل پڑے اس جانب یہ سب جہاں چھنٹ جائیں گی دلوں سے یہ نفرت کی بدلیاں
روشن دکھائی دے گی ہر اک کو رہ نجات
جنت ہر اک قدم پر لگے گی یہ کائنات

وہ روح انقلاب خمینیؒ کہیں جسے وہ لحہ حبیب کلیمی کہیں جسے
وہ گفتگوئے حق کہ خلیلی کہیں جسے وہ عزم وحوصلہ کہ حسینی کہیں جسے
جس کی وجہ سے دین بکھر نے سے بچ گیا
انسان پستیوں میں اترنے سے بچ گیا

انجمؔ یہی دعا ہے دلوں کو قرار دے یہ انقلاب کاکل ہستی سنوار دے
چھائی ہوئی خزاں ہے پیام بہار دے پھر مسجدوں کو کعبۂ دیں کا وقار دے
پھر راہ حق پہ قافلۂ زندگی چلے
بے روک ٹوک سلسلۂ بندگی چلے

بیاد "امام" حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید روح اللہ الموسوی الخمینی طاب ثراہ

از: سید شبیب رضوی،زید پوری نریل کشمیر

محترم ، مجتہد العصر، فقیہہ علام آیت اللہ علی، مرجع ومسؤل انام
واقف شرع متین ، عارف روح اسلام اعلم وقت رواں، راہ نما اور امام
آج افسوس صد افسوس خمینی نہ رہا
دہر میں پیروکردار حسینی نہ رہا

پیکر صدق وصفا، مظہر تسلیم ورضا رہبر راہ ہدا جو ہر ایمان و وفا
گوہر جودوسخا کوثر الطاف وعطا اختر ارض وسما، محور عرفان خدا
اس پہ سکان زمیں ، اہل فلک بھی روئے
اس پہ انسان ہی نہیں جن وملک بھی روئے

وہ کہ ہنستے ہوئے دنیا کو رلاکر اٹھا وقت کی راہ سے ، گرتوں کو اٹھا کر اٹھتا
قوم کو خواب تغافل سے جگا کر اٹھا بزم کے بجھتے چراغوں کو جلا کر اٹھتا
وہ گیا کنج مشیت میں بسیرے کے لئے
روشنی چھوڑگیا کل کے سویرے کے لئے

وہ تھا اس دور میں اک فہم وذہانت کانشاں علم ودانش کا نشاں ، رشدوفطانت کا نشاں
ہاتھ میں تیغ وعلم، رخ پہ متانت کا نشان حجت عصر کی پوشیدہ امانت کا نشاں
تن کا بوڑھا تھا مگر من کا جیانکلا
مکتب فاتح بوڑھا تھا مگر جیالا نکلا

مشکلیں جھیلیں غریب الوطنی کی اس نے پھر بھی الحاد پہ ناوک فگنی کی اس نے
شرق اورغرب میں جب بت شکنی کی اس نے ظلم کی پوری طرح بیخ کنی کی اس نے
اس نے ہر قوت باطل کو سرافگندہ کیا
شرک کو، کفر کو، الحاد کو شرمندہ کیا

کسی فاسق کسی مرتد کو نہ چھوڑا اس نے سوئی کھوئی ہوئی امت کو جھنجوڑا اس نے
فرقہ بندی کے ہر اک بند کو توڑا اس نے پھر سے ٹوٹی ہوئی تسبیح کو جوڑا اس نے

مقصد زیست تو شیراز ے کی یکجا ئی تھا
سچ ہے ، وہ مردخدا مرکز دانائی تھا
وہ مواسات واخوت کا پرستار رہا عمر بھر وحدت قومی کا طلبگار رہا
ہر نفس حق کے اصولوں کا وفا دار رہا ہر قدم ظلم سے بر سرپیکار رہا
خوف کھایا نہ کبھی طنطۂ شاہی سے
رزم میں بڑھتا رہا شان حق آگاہی سے
اس کی پرواز کی سرحد میں تھا حلقہ نہ حصار اس کی آواز میں پنہاں اجل استکبار
اس کے اعلان میں مظلوم زمانے کی پکار اس کے فرمان میں حق والوں کے دل کی للکار
اس نے فرمایا ، سنبھالے رہو ایمانوں کو
دیکھو سجدہ نہ کرو وقت کے شیطانوں کو
اس نے ہر ذہن کو تحریک مسیحائی دی اس نے بیمار امنگوں کو توانائی دی
آنکھ کو تاب نظر ، دل کو شکیبائی دی جسم انسان میں ایمان کی انگڑائی دی
اس نے کمزوروں کو مضبوط ارادہ بخشا
منزل عقل کے گمراہوں کو جادہ بخشا
خیر اندیش وہ پہلے بھی رہا بعد میں بھی مرحمت کیش وہ پہلے بھی رہا بعد میں بھی
کم نہ کچھ بیش وہ پہلے بھی رہا بعد میں بھی مرد درویش وہ پہلے بھی رہا بعد میں بھی
خاک پر بیٹھا تو اِک شان میری لے کر
تخت پر آیا تو خوشبوئے فقیری لے کر
کوئی نخوت نہ تقویٰ نہ تکبر نہ غرور صاف تھا چشمۂ کوثر کی طرح اس کا شعور
دل میں اذکار کی لو، چہرے پہ افکار کا نور حسن اعمال میں اسلامی اخوت کا ظہور
وہ نہ اپنے کو کبھی ملک کا حاکم سمجھا
خود کو اپنے کو وقت فقط دین کا خادم سمجھا
لوگ کہتے ہیں کہ وہ اٹھ اگیا اب کیا ہوگا؟ دین کہتا ہے کہ ناصر مرا مولا ہوگا
گرچہ اب کوئی خمینی نہیں پیداہوگا پھر بھی اللہ جو چاہے گا سب اچھا ہوگا

حشر تک اس کے خیالات رہیں گے زندہ
حق کے تابندہ نشانات رہیں گے زندہ

حضرت امام خمینیؒ

رضاؔ امروہوی

اے خمینیؒ! متاع نورانی — تیرگی میں ہے تیری تابانی
تجھ کو کوئی بھلا نہیں سکتا — انقلاب عظیم کے بانی
بے نواؤں کی تو بنا ہے نوا — کارنامے ہیں تیرے لاثانی
تونے پندار جبر توڑدیا — روندھا قدموں سے تاج سلطانی
میکدے راتوں رات ختم کئے — ہوئی مغرب کو زیادہ حیرانی
تونے اقدار کو لباس دیا — ورنہ حد سے بڑھی تھی عریانی
روشنی کیا اسیر ہوتی ہے — آریہ مہر کی تھی نادانی
لے گئی ہے بہا کے تخت وتاج — تیرے عزم وعمل کی طغیانی
تیری طاقت نہ تھی کوئی طاقت — تجھ میں تھا صرف جوش ایمانی
تجھ کو تائید پنجتن بھی ملی — ساری قوت تھی تجھ میں یزدانی
تیرے فتوے سے رہبر اعظم — دور ہوتی گئی پریشانی
ختم کی تونے بڑھ کے فارس کے — کفر والحاد کی نگہبانی
دانا دانا تیری تسبیح کا — بیکسوں کی بنا تن آسانی
آیت اللہ اور روح اللہ — تجھ پہ تھا التفات ربانی
السلام اے مجاہد ذیشاں — رائیگاں کب ہے تیری قربانی

رہبر انقلاب نے پائی
اے رضا بوریئے پہ سلطانی